بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و بہ نستعین......

ابتدائیہ

سب تعریفیں اس رب العالمین کے لئے جس نے اہل ایمان کے لئے ایمان کو محبوب اور کفر کو ناپسند فرمایا۔ بے شمار درود و سلام حضور رحمت عالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جن کے بارے میں اللہ نے "لعلک باخع نفسک علی اثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا" ارشاد فرمایا۔ اللہ رب العزت ہمیں دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام کی دولت عطا فرمائی یقیناً وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہے۔ جہاں مسلمانوں پر دین متین کا علم حاصل کرنا فرض ہے وہاں اتنے مسائل جاننا بھی ضروری ہے جن کے جاننے کی وجہ سے وہ اپنے دین کی حفاظت کر سکیں۔ اسی لئے علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وفی تبیین المحارم :لا شک فی فرضیة علم الفرائض الخمس وعلم الاخلاص لأن صحة العمل موقوفة علیه ،و علم الحلال والحرام وعلم الریاء ،لأن العابد محروم من ثواب عمله بالریاء، وعلم الحسد و العجب اذ هما یأكلان العمل كما تأكل النار الحطب. وعلم البیع و الشراء و النكاح و الطلاق لمن أراد الدخول في هذه الأشیاء ،و علم ا لالفاظ المحرمة أو المكفرة، لعمری هذا من أهم المهمات في هذا الزمان، لأنک تسمع كثیرا من العوام یتكلمون بما یكفر وهم عنها غافلون، والاحتیاط أن یجدد الجاهل ایمانه كل یوم، ویجدد نكاح امرأته عند شاهدین فی كل شهر مرة أو مرتین۔

(ردالمحتار: ج:۱/ص:۱۲۶)

فرائض خمسہ اور اخلاص کے علم کی فرضیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ عمل کی صحت اس پر موقوف ہے۔ اسی طرح حلال وحرام اور ریا کا علم حاصل کرنا

بھی فرض ہے کیونکہ عابد ریا کی وجہ سے عمل کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔اور حسد وعجب کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے کیونکہ یہ دونوں عمل کو کھا جاتے ہیں جیسے آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اور جو شخص خرید وفرخت، نکاح وطلاق کے معاملات میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس پر ان کا علم بھی فرض ہو جاتا ہے۔اور ان الفاظ کا علم جو حرام ہیں یا کفر کو واجب کرتے ہیں ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ میری عمر کی قسم! اس زمانہ میں ان کا علم حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ آپ عوام الناس میں سے بہت سے لوگوں کو وہ کلام کرتے ہوئے سنیں گے جس سے وہ کافر ہوجاتے ہیں اور اس سے غافل ہوتے ہیں۔ احتیاط اس میں ہے کہ جاہل اپنے ایمان کی تجدید روزانہ اور اپنی بیوی سے اپنے نکاح کی تجدید دو گواہوں کی موجودگی میں ہر مہینہ ایک بار یا دو بار کرلیا کرے۔

معاشرہ میں بے شمار افراد ایسے ہیں جو ان مسائل سے یکسر غافل و جاہل ہیں جن کی وجہ سے مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔اہل اسلام کی توجہ ان مسائل کی طرف مبذول کرانے کے لئے ہر دور میں علماء عظام نے کئی ایک کتب و رسائل تصنیف فرمائے ہیں تا کہ خواص وعوام ان سے استفادہ کرتے ہوئے خود کو ان عقائد،افکار اور اعمال سے محفوظ رکھ سکیں جو ایمان پر منفی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔لیکن عجیب بات یہ ہے کہ کئی قارئین نے بجائے اس کے کہ ان کتب کے ذریعہ سے عوام وخواص کو کفر سے بچانے کی کوشش کرتے اپنے مناظروں تحریروں اور مکالموں کے ذریعہ سے تکثیر اہل اسلام کے بجائے تکفیر اہل اسلام پر زیادہ زور صرف کیا۔ جس کے نتیجہ میں شاید ہی ہمارے دور میں کوئی ایسی نامور علمی شخصیت ہو جو اپنے مسلمان بھائی کے فتویٰ تکفیر کی زد سے محفوظ ہو۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں:

رأى ابو حنيفة ابنه يتكلم فى الكلام فنهاه فقال :انت تتكلم فيه فقال :نحن نتكلم كأن الطير على رء وسنا و انتم تتكلمون و يريد كل واحد منكم كفر صاحبه و من اراد كفر صاحبه فقد كفر هو۔ (فتاویٰ النوازل:ص:۸۶)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے اپنے بیٹے کو مناظرہ کرتے دیکھا تو ان کو منع کردیا۔ آپ کے صاحبزادے نے کہا کہ آپ خود تو یہ کام کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم بات اس طرح کرتے ہیں کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ تم مناظرہ کرتے ہو تو تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا کفر چاہتا ہے۔ جو اپنے ساتھی کے لئے کفر کا ارادہ کرے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی یہ نصیحت علماء کے لئے مشعل راہ ہے۔ انہیں چاہئے کہ اس کو لازم پکڑ لیں۔ ہمارے زمانہ میں بھی مناظرانہ گفتگو اور تحریر میں اسی روش کو اختیار کیا جاتا ہے کہ کسی طرح سے اپنے مقابل کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ اہل علم حضرات کو چاہئے کہ اس سے سختی کے ساتھ اجتناب کریں اور اکابرین امت کے عمل کو اختیار کریں۔

عوام وخواص میں سے اکثر لوگ مشغلہ تکفیر میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں انہیں اپنے متعلقین یا اپنی ذات کے سوا کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ جبکہ بعض لوگ اس قدر جہالت میں ڈوب جاتے ہیں کہ انہیں کوئی کافر معلوم نہیں ہوتا۔ وہ اپنی تمام کوشیں اسلام کا دائرہ اتنا وسیع کرنے کی کوشش کرتے ہیں کوئی بھی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی اس دائرہ سے باہر نہ جاسکے۔ یہ تمام غیر معتدل رویہ کسی طور پر بھی درست نہیں۔ اللہ رب العزت کی دی ہوئی توفیق سے راقم نے اس کتاب میں ایسا معتدل انداز اختیار کیا ہے جو قرآن و سنت اور اکابرین امت کے معمولات کے مطابق ہو۔ اس کتاب کا موضوع اگر چہ اس کے نام ''تھذیب الافکار باصول الاکفار'' سے ظاہر ہے۔ تاہم ہم ذیل میں اس کے مقصد کو مزید واضح کر دینا چاہتے ہیں۔

ا۔ عوام اور علماء اس سے استفادہ کریں اور خود کو کفر، شرک اور گمراہی سے بچا سکیں نیز دوسرے مسلمانوں کو بھی بچنے کی ترغیب دیں۔

ب۔ وہ اہل علم حضرات جو منصب افتاء پر فائز ہیں یہ کتاب ان کے لئے مدد ومعاون ثابت ہو سکے۔

ج۔ ان اصولوں کو سمجھنا جن کی بنیاد پر تکفیر کی جاتی ہے تا کہ غیر معتدل رویوں سے بچا جا سکے۔

د۔ ہم نے ان اس کتاب کو بالخصوص اہل سنت والجماعت کے لئے لکھا ہے تا کہ وہ ان اصولوں سے آگاہی کے بعد کو خود کو ایک دوسرے کی ناحق تکفیر سے بچا سکیں۔

کتب فتاویٰ اور اصول میں علمائے عظام نے کئی ایک اصول فتاویٰ نویسی کے درج

فرمائے ہیں۔ذیل میں ہم صرف ان چند باتوں کو بیان کر رہے ہیں جن کا فتویٰ تکفیر میں اہتمام کرنا ضروری ہے۔ان مسائل کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۱۔ مسئلہ اکفار میں صرف ائمہ مجتہدین کا اعتبار کیا جائے گا۔اس باب میں ہر وہ بات جو ائمہ مجتہدین کے خلاف ہواگر چہ وہ متکلمین ومحدثین کی طرف ہی کیوں نہ منسوب ہواس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ جس امر کے کفر ہونے میں مجتہدین کا اختلاف ہواس میں تکفیرنہیں کی جائے گی۔البتہ احتیاطا توبہ اور تجدید ایمان ضروری ہے۔موجب کفر صرف وہی امر ہوسکتا ہے جس کے موجب کفر ہونے پر اجماع ہو۔علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

والفاظه تعرف فی الفتاویٰ بل افردت بالتالیف مع انه لا یفتی بالکفر بشئ منها الا فیما اتفق المشایخ علیه ....قال فی البحر و قد الزمت نفسی ان لا افتی بشئ منها(الدر المختار:ج:۶/ص:۳۵۸)

کفر کے الفاظ کتب فتاویٰ میں معلوم ہیں بلکہ میں نے بھی اس مسئلہ میں ایک علیحدہ کتاب تالیف کی ہے لیکن میں ان میں سے کسی لفظ سے بھی کفر کا فتویٰ دینا صحیح نہیں سمجھتا۔ہاں اس صورت میں جس میں تمام مشائخ کا اتفاق ہو۔شیخ ابن نجیم نے البحرالرائق میں بھی کہا ہے کہ میں نے اپنے نفس پر یہ التزام کیا ہے کہ کسی مسلمان کو ان الفاظ سے کافر نہ کہوں گا۔

۳۔ کسی بات کو کفر قرار دینا مجتہدین کا کام ہے۔اگر مفتی مجتہد نہ ہواور ناقلین کے زمرے میں شمار ہوتا ہوتو اسے چاہئے کہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں ہی فتوی جاری کرے۔غیر مجتہد کا اس باب میں کوئی اعتبار نہیں۔علامہ شامی اپنے دور کے مفتیان کرام کے بارے میں فرماتے فرماتے ہیں۔

والمراد بالمفتی الذی یتخیر بین الاقوال هو المجتهد الذی له قوة نظر و استنباط و اما اهل زماننا و اشیاخهم و اشیاخ اشیاخهم فلا یسمون مفتین بل ناقلون حاکون.(تنبیه الولاة والحکام:ص:۳۲۹)

اور وہ مفتی جس کو ان حضرات کے اقوال میں اختیار دیا گیا ہے اس سے مراد

وہ مجتہد ہے جس کے پاس قوت نظر اور مسائل کو استنباط کرنے کا ملکہ ہو۔ جہاں تک ہمارے زمانے کے علماء اور ان کے اساتذہ اور ان کے اساتذہ کے اساتذہ کا تعلق ہے تو وہ مفتی نہیں کہلاتے بلکہ وہ تو (مفتیوں کے کلام کو) نقل کرنے والے اور حکایت کرنے والے ہیں۔

۴۔ اگر کسی فرد معین کے بارے میں کوئی عالم کفر کا فتوی جاری کرنے اور اس فرد کے کفر میں علماء کا اختلاف ہو تو اس فتویٰ تکفیر پر ایمان لانے کا کسی دوسرے کو مکلّف نہیں بنایا جاسکتا۔ اگر تمام علماء اس کے کفر پر متفق ہوں تو ان کے راستہ کو چھوڑنا دنیا اور آخرت میں بربادی کا سبب ہے۔ جیسے مرزا قادیانی کا کافر ہونا۔

۵۔ اگر کسی مسئلہ میں تاویل ممکن ہو تو کسی بھی طرح اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ فتاویٰ تاتار خانیہ میں ہے:

فی الیتیمیة: الاصل ان لا یکفر احد بلفظ محتمل لأن الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایة فی الجنایة و مع الاحتمال لا نهایة۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة: ج:۵/ص:۳۱۲)

اصول یہ ہے کہ کسی شخص کی بھی ایسے لفظ کی بنیاد پر تکفیر نہیں کی جائے گی جو اپنے اندر احتمال رکھتا ہو۔ کیونکہ کفر کی سزا انتہائی درجہ کی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی عقوبت انتہائی جرم پر ہو اور جب تک احتمال موجود ہو انتہائی جرم نہ ہوگا۔

حضرت شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و الذی تحرر انه لا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف و لو روایة ضعیفة علی هذا فاکثر الفاظ التکفیر المذکورة لا یفتی بالتکفیر بها و لقد الزمت نفسی ان لا افتی بشیء منها۔ (البحر الرائق: ج:۵/ص:۲۰۱)

مسلمان کے کلام کو جب تک اچھے محمل پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو اگرچہ وہ اختلاف ضعیف روایت سے ہی کیوں نہ ہو اس کی تکفیر

کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ یہاں جوالفاظ کفر ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے اکثر کی بنیاد پر تکفیر نہیں کی جائے گی۔ میں نے اس بات کا اپنے نفس پر التزام کیا ہے کہ ان الفاظ کی بنیاد پر فتویٰ نہ دوں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان النظر فی التکفیر یتعلق بامور:

احدھا: ان النص الشرعی الذی عدل بہ عن ظاھرہ ھل یحتمل التأویل أم لا؟فان احتمل فھل ھو قریب ام بعید؟ ومعرفۃ ما یقبل التأویل و ما لا یقبل لیس بالھین بل لا یستقل بہ الا الماھر الحاذق فی علم اللغۃ العارف باصولھا ثم بعادۃ العرب فی الاستعما ل فی استعاراتھا و تجوزاتھا و منھاجھا فی ضروب الامثال۔ (فیصل التفرقۃ:ص:۹۱)

تکفیر میں غور وفکر بعض امور سے متعلق ہے:ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی نص شرعی کے ظاہر سے عدول کیا جائے تو دیکھا جائے گا کہ وہ تاویل کا احتمال رکھتی ہے یانہیں؟اگر تاویل کا احتمال رکھتی ہےتو یہ دیکھا جائے کہ وہ تاویل قریب ہے یا بعید؟اس بات کی معرفت رکھنا کہ کیا تاویل کوقبول کرتا ہے اور کیا تاویل کوقبول نہیں کرتا،آسان نہیں ہے۔اس کو وہی شخص جانتا ہے جوعلم لغت میں انتہائی ماہر ہو اور اس کے اصول جانتا ہوں۔پھر اسے عرب کی استعارات اور تجوزات میں لغت کے استعمال کی عادت کا معلوم ہونا اور ضرب الامثال میں ان کے استعمال کا طریقہ معلوم ہونا ضروری ہے۔

اب ہم بعض مثالیں پیش کریں گے جن سے درج بالا بات کی مزید وضاحت ہوجائے گی۔

☆و سئل بعضھم عن قولہ لامرأتہ :أنت عندي کاللہ عز اسمہ ؟فقال:ھذا کلام محتمل ،یجوز أن ینوی بہ انی مطیع لک کطاعتی للہ عز اسمہ و یرید المبالغۃ فی طاعتہ لھا فلا یکفر و ان

عنی انها تستحق العبادة کفر (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ج:۵/ص:۳۲۱)

علماء میں سے کسی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو میرے نزدیک اللہ کی طرح ہے۔ اس کا حکم کیا ہوگا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: یہ کلام محتمل ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کی نیت یہ ہو کہ میں تمہارا اسی طرح فرمانبردار ہوں جیسے میں اللہ کی اطاعت کرتا ہوں۔ یعنی وہ اس کی اطاعت کرنے کے اظہار میں مبالغہ کرتا ہے۔ پس وہ کافر نہ ہوگا۔ اگر اس کی مراد یہ ہو کہ وہ عبادت کی مستحق ہے تو کافر ہو جائے گا۔

☆**لو قال له: امهل فقال: لا اقبل شفاعة النبی صلی الله علیه واله وسلم فی المهلة فکیف اقبلها منک؟ فقال: لیس فی ذلک استخفاف بالنبی ﷺ لانه لا یجب علیه ان یمهل و لا ان یترک حقه و لو شفع فی الامهال** (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ج:۵/ص:۳۲۵)

اگر کسی سے کہا گیا کہ مہلت دو۔ اس نے کہا کہ میں مہلت دینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شفاعت کو قبول نہ کروں گا تو تمہاری کیسے کرلوں؟ حضرت علی بن احمد نے کہا: اس سے وہ کافر نہیں ہوگا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا استخفاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ مہلت دے یا اپنا حق ترک کرے اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سفارش فرمائیں۔

☆**و فی الجامع الاصغر: اذا وقع بین الرجل و بین صهره خلاف فقال: ان کان صهری رسول الله(صلی الله علیه واله وسلم)لم اتمر بامره لا یکفر**

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ج:۵/ص: ۳۲۵۔۳۲۶)

جب کسی آدمی اور داماد کے درمیان اختلاف ہو جائے اور وہ شخص کہے کہ اگر میری بیٹی کے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی ہوتے تو ان کی بات کو نہ مانتا۔ وہ کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔

☆و فی الذخیرۃ و فی المنتقی :ابراھیم عن محمد عن ابی یوسف انه قال:الصلاۃ رکوعها و سجودها فریضة من الله. فمن قال لیست بفریضة فقد أخطأ و لم یکفر،لأنه تأول و أراد بهذا التاویل ان الصلاۃ قد تجوز بدون الرکوع و السجود بان عجز عنهما فقد أشار ان مثل هذا التاویل یمنع التکفیرو ان لم یکن معتبرا من کل وجه (الفتاوىٰ التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۳۵)

نماز کا رکوع اور سجود اللہ کی طرف سے فرض ہے۔اگر کسی نے کہا کہ یہ فرض نہیں ہےتو اس نے خطا کی وہ کافر نہ ہوگا۔کیونکہ اس نے یہ تاویل کی ہے کہ نماز کبھی بغیر رکوع اور سجود کے بھی ہوسکتی ہے۔جیسے وہ ان کی ادائیگی سے عاجز ہو۔اس طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ اس طرح کی تاویل تکفیر کو منع کرتی ہے اگر چہ وہ ہر اعتبار سے معتبر نہ ہو۔

☆و فی اصول الصفار سئل عمن أنکر القراءۃ فی الصلاۃ هل یکون کافرا؟قال:نعم لأنه انکر الاجماع و فی الفتاویٰ العتابیة: یضرب و لا یکفر لانه تاول بان الصلاۃ قد تجوز بدون القراءۃ بان عجز عنها۔ (الفتاوىٰ التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۳۵)

اس کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ کہے کہ نماز میں قراءت نہیں ہے۔کیا وہ کافر ہو جائے گا؟جواب میں فرمایا کہ جی ہاں کیونکہ اس نے اجماع کا انکار کیا ہے۔فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ اسے مارا جائے گا اور اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔کیونکہ اس کی تاویل یہ ہے کہ بعض اوقات نماز بغیر قراءت کے بھی جائز ہوتی کہ وہ قراءت سے عاجز ہو۔

☆و فی واقعات الناطقی :قال محمد رحمه الله:قول الرجل :لا اصلی یحتمل اربعة اوجه:

احدها:لا اصلی لانی صلیت

و الثانی:لا اصلی بامرک فقد امرنی بها من هو خیر منک

و الثالث: لا اصلی فسقا و مجانة فهذه الثلاث ليس بكفر والرابع: لا اصلّی اذ ليست تجب علی الصلاة او لم اؤمر بها، جحودا بها و فی هذا الوجه يكفر و قال الناطقی: اذا اطلق فقال لا اصلی لا يكفر لاحتمال هذه الوجوه۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ج:۵/ص:۳۳۵_۳۳۶)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا تو اس میں چار احتمالات ہیں:

ا۔ میں نماز نہیں پڑھوں گا کیونکہ میں پڑھ چکا ہوں۔

ب۔ میں تمہارے حکم سے نماز نہیں پڑھوں گا۔ مجھے اس ذات نے نماز کا حکم دیا ہے جو تم سے بہت بہتر ہے۔

ج۔ میں فسق کی وجہ سے یا رکاوٹ کی وجہ سے نماز نہیں پڑھوں گا۔

ان تینوں صورتوں میں وہ کافر نہیں ہوگا۔

د۔ میں نماز نہیں پڑھوں گا کیونکہ نماز فرض نہیں ہے یا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا۔ ناطقی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے مطلق لا اصلی کہا وہ ان وجوہ احتمالات کی وجہ سے کافر نہ ہوگا۔

☆و قال القاضی بدر الدين رحمه الله: اذا قال: بسم الله عند الزنا لا يكفر لانه يحتمل ان يتبرك باسم الله ليمتنع۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ج:۵/ص:۳۳۹)

قاضی بدرالدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی نے زنا کے وقت بسم اللہ پڑھی وہ کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ وہ اللہ کے نام سے برکت حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس عمل سے رک جائے۔

☆وعن ابراهيم بن رستم رضی الله عنه انه قال: ان استحل متأولا ان النهی ليس للتحريم لا يكفر و لو استحل مع اعتقاده ان النهی مفيد للحرمة يكفر　　(الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ج:۵/ص:۳۴۳)

ابراہیم بن رستم سے مروی ہے کہ اگر کسی نے حالت حیض میں جماع کو تاویل کرتے ہوئے حلال جانا کہ اس میں نہی تحریم کے لئے نہیں ہے وہ کافر نہیں ہوگا۔اور اگر اس نے اس اعتقاد کے ساتھ اس کو حلال جانا کہ یہاں نہی حرمت کا فائدہ دیتی ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

☆**رجل قال:قصعة ثريد خير من العلم يكفر،بخلاف ما اذا قال :خير من الله حيث لا يكفر لأن في قوله خير من الله تاويل صحيح بان يقول :اردت به انها نعمة من الله و ما أردت الاستخفاف بالله اما في قوله خير من العلم ليس له تاويل سوى الاستخفاف بالعلم فيكفر۔** (الفتاویٰ التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۴۶)

ایک شخص نے کہا کہ ثرید کا ایک پیالہ علم سے زیادہ بہتر ہے۔وہ کافر ہو جائے گا۔برخلاف اس کے کہ کوئی کہے کہ ثرید کا ایک پیالہ "خیر من اللہ" اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔کیونکہ اس کے خیر من اللہ کہنے میں صحیح تاویل ہے۔وہ یہ کہ وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نعمت ہے۔اس کا اللہ کی توہین کا ارادہ نہیں ہے۔جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ خیر من العلم کہے اس کی تاویل نہیں سوائے اس کے کہ یہ علم کا استخفاف ہے پس وہ کافر ہو جائے گا۔

☆**فقد حكى عن بعض اصحابنا ان رجلا لو قيل له:السلت بمسلم ؟فقال: لا!لا يكفر لأن معناه عند الناس ان افعاله ليس افعال المسلمين۔** (الفتاویٰ التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۴۷۔۳۴۸)

بعض اصحاب سے مروی ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ کیا تو مسلمان نہیں ہے؟اس نے کہا :نہیں۔وہ کافر نہیں ہوگا۔کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے افعال لوگوں کے نزدیک مسلمانوں والے نہیں ہیں۔

ان تمام مسائل سے یہ واضح ہو گیا کہ مفتی کو چاہئے کہ مسئلہ اکفار میں حتی المقدور تاویل کی کوشش کرے اور اگر اس کی صحیح تاویل ممکن ہو تو اس کو ضرور قبول کرے۔تاہم ہر وہ تاویل جو اجماع

امت کے خلاف ہو اسے کسی طور پر قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ اگر قائل کی نیت وہی بات ہو جو کفر کو واجب کرتی ہے تو مفتی کی تاویل سے اس قائل کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسے چاہئے کہ وہ خود تجدید ایمان کر لے۔ اسی طرح اگر کسی مومن کو کوئی شخص کافر کہے اور وہ اپنے ایمان پر مطمئن ہے تو اس کا کافر کہنا اس کو ضرر نہ پہنچائے گا۔

۶۔ اگر کسی مسئلہ میں کئی ایک وجوہ ایسی پائی جاتی ہوں جو تکفیر کو واجب کرتی ہوں اور ایک وجہ ایسی ہو جو تکفیر کو مانع ہو مفتی کو چاہئے کہ وہ مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کی طرف مائل ہو جو تکفیر کو مانع ہو۔

حضرت علامہ عالم دہلوی فرماتے ہیں:

> **یجب أن یعلم انه اذا کان فی المسألة وجوه توجب التکفیر و وجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی أن یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناللظن بالمسلم ،ثم ان کانت نیة القائل الوجه الذی یمنع التکفیر فهو مسلم و ان کانت نیته الوجه الذی یوجب التکفیر لا تنفعه فتوی المفتی و یؤمر بالتوبة و الرجوع عن ذلک و تجدید النکاح بینه و بین امرأته،**
>
> (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ج:۵/ص:۳۱۲)
>
> یہ واجب ہے کہ جانا جائے اگر کسی مسئلہ میں کئی وجوہ ایسی ہوں جو تکفیر کو واجب کرتی ہوں اور ایک وجہ ایسی ہو جو تکفیر سے منع کرتی ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کی طرف مائل ہو جو کفر کو منع کرتی ہے۔ پھر اگر کہنے والے کی نیت وہی صورت ہے جو کفر کو روکتی ہے تو وہ کافر نہ ہوگا۔ وہ مسلم ہے۔ اور اگر اس کی نیت وہ صورت ہے جو کفر کو واجب کرتی ہے تو مفتی کا فتویٰ اسے نفع نہ دے گا اسے توبہ کرنے اور اس سے رجوع کرنے اور اپنی بیوی سے تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

حضرت علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

> **لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن أو**

كان في كفره خلاف ولو رواية ضعيفة

(الدرالمختار: ج:٦/ ص: ٣٦٧)

کسی مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا جب تک اس کے کلام کو اچھے محمل پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو اور اگر چہ وہ ضعیف روایت ہی کیوں نہ ہو۔

اس کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

قال الخير الرملي: اقول ولو كانت الرواية لغير أهل مذهبنا و يدل على ذلك اشتراط كون ما يوجب الكفر مجمعا عليه

(ردالمختار: ج:٦/ص:٣٦٧)

خیر رملی نے فرمایا: میں یہ کہتا ہوں کہ اگر چہ وہ ضعیف روایت کسی دوسرے اہل مذہب ہی کی کیوں نہ ہو۔ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ جو چیز کفر کو واجب کرتی ہے اس پر سب کا اتفاق ہونا ضروری ہے۔

یعنی اگر سو اقوال کسی کے کفر پر ہوں اور ایک روایت اس کے ایمان پر دلالت کرتی ہو تو اس کی طرف مائل ہونا چاہئے۔ علماء نے اس میں اس قدر توسع کا مظاہرہ فرمایا ہے کہ وہ روایت جو اس کے ایمان پر دلالت کرتی ہے اگر چہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو اسے قبول کیا ہے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ قول یا روایت ہمارے مذہب کے علماء کی طرف منسوب ہو اگر وہ کسی دوسرے مذہب کے امام کا اختلافی قول بھی ہو تو اس کا مسئلہ اکفار میں اعتبار کیا جائے گا اور اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موجب کفر وہ بات ہوتی ہے جس پر تمام مجتہدین کا اتفاق ہو اگر کسی ایک مجتہد نے بھی اختلاف کیا تو اس کی بنیاد پر تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

٦۔ مفتی تہدید اور تخویف کیلئے کسی کو کافر نہیں کہہ سکتا۔ مجتہدین کا کسی کی تکفیر کرنا حقیقت پر محمول ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے کلام کو تہدید پر محمول کرنا درست نہیں۔ حضرت شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و في البزازية و يحكى عن بعض من لا سلف له انه كان يقول ما ذكر في الفتاوىٰ انه يكفر بكذا، و كذا فذاك للتخويف و

التهويل لا لحقيقة الكفر و هذا كلام باطل الى إخره و الحق ان ما صح عن المجتهد فهو على حقيقته و اما ما ثبت عن غيره فلا يفتى به فى مثل التكفير و لذا قال فى فتح القدير من باب البغاه ان الذى صح عن المجتهدين فى الخوارج عدم تكفيرهم و يقع فى كلام أهل المذهب تكفير كثير لكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم و لا عبرة بغير الفقهاء

(البحر الرائق: ج:۵/ص:۱۹۴)

بعض علماء سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ وہ فلاں عمل سے کافر ہوگیا اور ان کا اس کو کافر کہنا ڈرانے اور ہول پیدا کرنے کے لئے ہے حقیقی کفر مرادنہیں۔ یہ کلام باطل ہے اپنے آخر تک، حق یہ ہے کہ جو کچھ مجتہدین سے ثابت ہے وہ اپنی حقیقت پر ہے۔ جہاں تک ان باتوں کا تعلق ہے جو مجتہدین کے علاوہ کسی اور سے ثابت ہیں ان کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ اسی لئے امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں باب البغاۃ میں فرمایا کہ مجتہدین سے خوارج کی عدم تکفیر ثابت ہے۔ اہل مذہب کے کلام میں بہت زیادہ تکفیر واقع ہوئی ہے ۔لیکن وہ ان فقہاء کا کلام نہیں ہے جو مجتہدین ہیں لہذا ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

۷۔ اجتہادیات اور ظنی مسائل کے انکار پر تکفیر نہیں کی جائے گی۔ حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا يكفر منكر الاجتهاديات بالاجماع (عمدۃ القاری: ج:۱/ص:۱۷۳)

اجتہادی مسائل کے منکر کی بالاتفاق تکفیر نہیں کی جائے گی۔

۸۔ مفتیان کرام کو چاہئے کہ وہ اہل اسلام کی تکفیر کے بجائے ان کی تکثیر پر زور صرف کریں۔ امام ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں:

و ينبغى للعالم ان يبادر بتكثير اهل الاسلام مع انه يقضى باسلام المكره تحت ظلال السيوف۔ (فتاویٰ النوازل: ص:۲۸۸)

عالم کو چاہئے کہ وہ اہل اسلام کی تکثیر پر زور دے جب کہ وہ تلوار کے سائے کے نیچے مکرہ کے اسلام کوتو قبول کر لیتا ہے۔

علامہ عالم دہلوی فرماتے ہیں:

و فی الملتقط :و ینبغی للعالم اذا رفع الیه ان لا یبادر بتکفیر اهل الاسلام مع انه یقضی باسلام المکره تحت ظلال السیوف

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۱۴)

عالم کو چاہئے کہ جب اس کے پاس کوئی مسئلہ لایا جائے تو وہ اہل اسلام کی تکفیر پر زور نہ دے حالانکہ وہ مکرہ کا اسلام تلوار کے سائے کے نیچے تو قبول کر لیتا ہے۔

یعنی فتویٰ نویسی کے وقت مفتی پر تکفیر اہل اسلام کے بجائے تکثیر اہل اسلام کے جذبات غالب رہنے چاہئیں۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کے بعد اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کارعظیم انجام دینے کے لئے خیر الامم کا انتخاب کیا گیا ہے۔ مفتی کو چاہئے کہ وہ قلم و زبان کا زور لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے صرف کرے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشادفرمایا:

لان یهدی الله بک رجلا واحدا خیر لک من ان یکون لک حمر النعم.

(مسلم: فضائل الصحابۃ :من فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تمہارے ذریعہ سے اللہ ایک آدمی کو ہدایت عطا فرمادے یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہم اس دور سے گزر رہے ہیں جس میں کسی مسلمان کو اسلام سے خارج قرار دینے کو اپنی فتح اور قابل فخر بات سمجھا جاتا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی اپنے اسلام کا اظہار کیوں نہ کر لے جب کسی کو اسلام کے دائرہ سے باہر کرنے کا ارادہ کرلیا جائے تو قلب و ذہن کی تمام ترقوتیں اس میں وجوہ کفر تلاش کرنے میں صرف کر دی جاتی ہیں اور علمائے امت کی سیرت کے بر عکس اگر اس میں ننانوے وجوہ ایمان کی اور ایک وجہ ضعیف بھی کفر کی پائی جائے تو اس ضعیف وجہ کفر کو

ترجیح دی جاتی ہے۔حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سب سے زیادہ غلو اور اسراف کرنے والا متکلمین کا گروہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جو ان کی طرح کلام کی معرفت نہیں رکھتا اور ان دلائل سے عقائد شرعیہ کو نہیں جانتا جو ہم نے تحریر کئے ہیں وہ کافر ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی رحمت کو اس کے بندوں پر تنگ کر دیا ہے۔　　(فیصل التفرقۃ:ص:۹۳)

آگے آپ فرماتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ تم یہ اعتراض کرو کہ متکلمین نے یہ کام نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ان میں صرف ایک نجات پانے والا ہوگا۔اس کا جواب یہ ہے اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ سب کافر ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے بلکہ وہ آگ میں داخل ہوں گے اور انہیں آگ پر پیش کیا جائے گا۔وہ اپنے گناہوں کے بقدر جہنم میں رہیں گے۔　　(فیصل التفرقۃ:خلاصہ:ص:۹۵)

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا۔　　(النسا۴:۹۴)

اور جو تمہیں سلام کرے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔کتب حدیث میں یہ واقعہ اس طرح سے درج ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حرقات کی طرف ایک سریہ مبعوث فرمایا۔جب وہ ہماری طرف سے چوکنے ہو گئے تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ہم نے ایک آدمی گھیر لیا۔جب ہم اس پر غالب آگئے تو اس نے کہا: لا الہ الا اللہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے۔مگر ہم نے اسے قتل کر دیا۔میں نے اس کا ذکر حضور نبی کریم ﷺ سے کیا۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے

فرمایا:من لک بلا الہ الا اللہ یوم القیامۃ قیامت کے دن تمہاری کلمہ طیبہ کے مقابلہ میں معاونت کون کرے گا؟ میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ انما قالھا مخافۃ السلاح ،اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس نے کلمہ صرف اسلحہ کے خوف سے ہی پڑھا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم من اجل ذلک قالھا ام لا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے اسلحہ کے خوف سے پڑھا تھا یا نہیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ قیامت کے دن تمہاری کلمہ طیبہ کے مقابلہ میں معاونت کون کرے گا؟ یہاں تک کہ میں نے یہ پسند کیا کہ کاش میں نے اسی دن اسلام قبول کیا ہوتا۔　　　(سنن ابی داؤد:رقم الحدیث:۲۶۴۳)

اسی طرح کی ایک اور حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایک شخص نے میدان جہاد میں جب ایک کافر پر غلبہ پالیا تو اس کافر نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ انی مسلم میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ۔بے شک میں مسلمان ہوں۔مگر اس شخص نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔وہ شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں ہلاک ہو گیا۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پوچھا کس چیز نے تجھے ہلاک کر دیا؟ اس نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنا واقعہ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ سلم نے ارشاد فرمایا:فھلا شققت عن بطنہ فعلمت ما فی قلبہ تو نے اس کا پیٹ چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تو جان لیتا اس کے دل میں کیا ہے؟ اس شخص نے کہا:یا رسول اللہ ﷺ لو شققت قلبہ لکنت اعلم ما فی قلبہ ،اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم !اگر میں اس کے دل کو چیر لیتا تو ضرور جان لیتا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔قال فلا انت قبلت ما تکلم بہ ولا انت تعلم ما فی قلبہ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ تو تم نے اس بات کو قبول کیا جو اس نے کہی تھی اور نہ تم نے اس بات کو جانا جو اس کے دل میں تھی۔آپ علیہ الصلاۃ والسلام پھر خاموش ہو گئے۔کچھ عرصہ بعد وہ شخص انتقال کر گیا۔ہم نے اسے دفن کر دیا۔صبح ہم نے دیکھا کہ وہ زمین کی پشت پر پڑا ہوا ہے۔لوگوں نے کہا شاید اس کے دشمنوں میں سے کسی نے ایسا کیا ہے۔ہم نے پھر اس کو دفنا دیا اور کچھ لڑکوں کو مقرر کر دیا کہ اس کی حفاظت کریں۔جب صبح ہوئی تو

وہ پھر زمین سے باہر پڑا تھا۔ہم یہ سمجھے کہ شاید لڑکوں کو اونگھ آ گئی ہو۔ہم نے پھر اسے دفنا دیا اور خود اس کی حفاظت کی۔جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ وہ شخص پھر باہر پڑا ہوا ہے۔ہم نے پھر اسے ایک گھاٹی میں ڈال دیا۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: **ان الارض لتقبل من هو اشر منه و لكن الله احب ان يريكم تعظيم حرمة لا اله الا الله** بے شک زمین اس سے بھی زیادہ شریر ترین لوگوں کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ تمہیں کلمہ طیبہ کی حرمت کی تعظیم دکھائے۔

(سنن ابن ماجہ: ابواب الفتن: الکف عمن قال لا الہ الا اللہ)

کئی افراد مشغلہ تکفیر میں بہت جری نظر آتے ہیں۔ایک بات یہ سمجھ سے بالا تر ہے کہ جب وہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمان ایک ارب سے زیادہ ہیں اور جب مسلمانوں کا مختلف گروہوں کا ذکر کیا جائے تو ہر گروہ کو فتویٰ تکفیر کی لاٹھی سے اسلام سے باہر کر دیتے ہیں۔اگر ان کے اصولوں کو مان لیا جائے تو شاید ادیان کے ماننے والوں میں مسلمان دنیا میں سب سے کم تعداد میں رہ جائیں۔ایسے افراد کو مذکورہ بالا احادیث سے درس عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ جب خیر القرون کے لوگوں کو اتنی سخت تنبیہ بارگاہ رسالت علی صاحبھا الصلاۃ والسلام سے ہو سکتی ہے تو اس دور کے لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کے بارے میں ثم یفشو الکذب کہا گیا ہے۔

۹۔ مفتی کو چاہئے کہ فتویٰ جاری کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لے اور مکمل تحقیق کے بعد ہی فتویٰ جاری کرے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اجرأكم على الفتيا اجرأكم على النار.

(سنن الدارمی: باب الفتیا و ما فیہ من الشدۃ)

تم میں سے فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ جری آگ میں جانے میں بھی سب سے زیادہ جری ہے۔

حضرت امام شعبی علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ جب آپ سے سوال کیا جاتا تھا تو آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: **كان اذا سئل الرجل قال لصاحبه أفتهم فلا يزال حتى يرجع الى الاول** ۔جب ہم میں کسی سے سوال کیا جاتا تھا تو وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ آپ اس کا جواب دیں۔اسی طرح سے ہر شخص دوسرے کی طرف سائل کو متوجہ کراتا یہاں تک کہ وہ پھر پہلے

والے کے پاس لوٹ آتا۔ (سنن الدارمی: مقدمہ: باب: ۲۸)

امام ابو داؤد علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

من أفتی الناس بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ

(سنن ابی داؤد: کتاب العلم: باب التوقی فی الفتیا)

جس کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد و لکن یقبض العلم بقبض العلماء حتیٰ اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رء وسا جھالا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا۔

(صحیح البخاری: کتاب العلم: باب: کیف یقبض العلم)

بے شک اللہ تعالیٰ علم کو اپنے بندوں سے نہیں اٹھائے گا مگر علم کو علماء کے اٹھائے جانے کے ذریعہ اٹھا لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ وہ انہیں فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور انہیں بھی گمراہ کریں گے۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ السماء و الارض۔

(روح البیان: سورۃ البقرۃ: آیت: ۸۹)

جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس پر آسمان اور زمین لعنت کرتے ہیں۔

ان تمام وعیدوں اور اسلاف کے معمول کے پیش نظر مفتی کو فتویٰ جاری کرنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہئے۔ جہاں تک ان حضرات کا تعلق ہے جو اس منصب کے اہل ہی نہیں انہیں ان وعیدوں سے ڈرتے ہوئے سختی کے ساتھ فتویٰ جاری کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

۱۰۔ مفتی کو چاہئے کہ ہر قسم کے تعصب سے بچتے ہوئے اور مومنانہ انداز اختیار کرتے ہوئے احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے فتویٰ جاری کرے۔ ایسا ہرگز نہ ہو کہ فتویٰ کی بنیاد ذاتی بغض وعناد، تعصب یا دنیاوی مقاصد ہوں۔

حکایت ہے کہ حضرت علی بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے ان سے مسئلہ پوچھا کہ اگر قے ہو جائے اور حلق تک آجائے تو وضو باقی رہتا ہے یا اس میں فساد آجایا ہے؟ آپ نے جوابا فرمایا کہ وضو فاسد ہو جاتا ہے۔ خواب میں آپ کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: نہیں اے علی! یہاں تک کہ منہ بھر قے آئے۔ حضرت علی بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **علمت ان الفتوی تعرض علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فالیت علی نفسی ان لا افتی ابدا** مجھے معلوم ہوا کہ فتاویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں میں نے قسم اٹھالی کہ آئندہ کبھی فتویٰ نہیں دونگا۔

(روح البیان: سورۃ البقرۃ: آیت: ۸۹)

اس حکایت سے ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مفتی فتویٰ تکفیر سے قبل اس بات کو ذہن نشین رکھے کہ میرا تحریر کردہ فتویٰ بارگاہ خداوندی اور بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں پیش کیا جائے گا۔ متوقع ہے کہ اس بات کو سوچنے کے بعد اس کا فتویٰ لکھنا ہر قسم کے تعصب و بغض سے پاک ہو جائے۔ اس نکتہ کے حوالہ سے امام غزلی کی کتاب فیصل التفرقۃ قابل مطالعہ ہے۔

مفتی کو فتویٰ بالخصوص فتویٰ تکفیر جاری کرنے میں جن باتوں کا لحاظ م کرنا چاہئے ہم نے اختصار کے ساتھ ان کا بیان کر دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ فتویٰ تکفیر جاری کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے لیکن اگر کہیں احقاق حق یا ابطال باطل کی ضرورت ہو تو ان باتوں کا فتویٰ تکفیر تحریر کرتے وقت خصوصی اہتمام کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ وہ وجوہ جن کی بنیاد پر تکفیر کرنا جائز ہے ان کی تفصیلات کو ہم نے پیش نظر مقالہ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اہل علم حضرات ان سے ضرور محظوظ ہوں گے۔ اللہ رب العزت اس سعی کو قبول و منظور فرمائے اور امت میں باہمی محبت و بھائی چارہ کا ذریعہ بنائے۔ **امین بجاہ سید المرسلین**

عمیر محمود صدیقی

بسم الله الرحمٰن الرحیم

کفر کی بحث

کفر ایمان کی نقیض ہے۔لغت میں کفر کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔عربی زبان میں رات اور کسان کو کافر سے بھی متصف کیا جاتا ہے کیونکہ رات اشخاص کو چھپا دیتی ہے اور کسان بیج کو زمین میں بو کر چھپا دیتا ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أعجب الکفار نباته۔ (الحدید ۵۷:۲۰)

”جس کی پیداوار کسانوں کو بھلی لگتی ہے“

اس آیت مقدسہ میں کسانوں کو کفار کہا گیا ہے کیونکہ وہ عمل زراعت میں بیج کو زمین میں چھپا دیتے ہیں۔حضرت راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الکفر فی اللغة :ستر الشیٔ و وصف اللیل بالکافر لستره الأشخاص و الزراع لستره البذر فی الارض

(المفردات فی غریب القرآن:ص:۴۳۳)

کفر لغت میں کسی چیز کو چھپانے کو کہتے ہیں۔اور رات کو افراد کو چھپانے کی وجہ سے کافر سے متصف کیا جاتا ہے اور کسان کو بھی کیونکہ وہ زمین میں بیج چھپاتا ہے۔

عربی زبان میں کہا جاتا ہے **کفر الجھل علی علم فلان** یعنی فلاں کے علم کو جہل نے چھپا دیا،بحر کے لئے بھی کافر مستعمل ہے کیونکہ وہ مافیہ کو چھپا دیتا ہے۔(لسان العرب:ج/ص:۱۴۷)

کفر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔کفران نعمت کرنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کو ترک کر کے انھیں چھپا دیتا ہے۔اللہ رب العزت فرماتا ہے:

قال ھذامن فضل ربی لیبلونی ء أشکر أم اکفر ومن شکر فانما یشکر لنفسه و من کفر فان ربی غنی کریم۔ (النمل ۲۷:۴۰)

اس نے کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری، اور جس نے (اللہ کا) شکر ادا کیا سو وہ محض اپنی ہی ذات کے فائدہ کے لئے شکر مندی کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے نیاز، کرم فرمانے والا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

واشکروالی ولا تکفرون۔ (البقرۃ ۲:۱۵۲)

اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

سورۃ ابراہیم میں فرمایا:

و اذ تأذن ربکم لئن شکرتم لأزیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی ۱
لشدید۔ (ابراہیم ۱۴:۷)

اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے آگاہ فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے۔

ان کے علاوہ بھی کئی ایک آیات مقدسات ہیں جن میں کفر نعمت کی ''ناشکری'' کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یاد رہے کہ جب مطلقاً کافر کا کلمہ استعمال کیا جائے تو عرف شرعی میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ضروریات دین یا نصوص قطعیہ میں سے کسی کا انکار کر دے۔ اسے اسی لئے کافر کہا جاتا ہے کہ وہ حق کو چھپاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے عظیم نعمتیں وہ آیات ونشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ اور توحید پر دلالت کرتی ہیں پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رسل، ان پر نازل ہونے والے احکامات وآیات کو جھٹلا دیتا ہے اور ان کی تصدیق نہیں کرتا وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں اور حق کو چھپا کر کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔

کافر اس زمین کو بھی کہا جاتا ہے جو آبادی سے دور ہو اور کوئی اس طرف کا رخ نہ کرتا ہو۔ ایسی زمین عوام الناس کی نگاہوں سے پوشیدہ اور گزرگاہ بننے سے محروم رہتی ہے۔ مٹی کو عربی میں الکَفر بھی کہتے ہیں۔

شیخ ابن منظور افریقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الكفر التراب عن اللحياني لأنه يستر ما تحته

(لسان العرب ج/ص:۱۴۸)

لحیانی سے منقول ہے کہ مٹی کو کفر بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ماتحت اشیاء کو چھپا دیتی ہے۔

اپنی زرہ کو کپڑے سے ڈھانپنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں۔

ابن السكيت :اذا لبس الرجل فوق درعه ثوبا فهو كافر، قد كفر فوق درعه۔ (لسان العرب ج/ص:۱۴۸)

جب آدمی اپنی زرہ پر کپڑا ڈال کر اسے چھپا دے تو اسے کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ زرہ کو چھپا دیتا ہے۔

صدقہ اور روزے وغیرہ کے ذریعے تکفیر کو الکفارۃ کہا جاتا ہے کیونکہ کفارہ کے ذریعے گناہ اور غلطی پر پردہ ڈال کر اسے چھپا دیا جاتا ہے۔

وسميت الكفارات كفارات لأنها تكفر الذنوب اى تسترها مثل كفارة الأيمان و كفارة الظهار و القتل الخطأ

(لسان العرب ج/ص:۱۴۸)

اس لئے کفارات کو کفارات کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کی تکفیر کر دیتے ہیں یعنی گناہوں کو چھپا دیتے ہیں۔ جیسے قسم کا کفارہ، ظہار کا کفارہ اور قتل خطا کا کفارہ۔

اس مختصر بحث سے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کفر لغت میں چھپانے کے معنی میں مستعمل ہے اور اس سے مشتق کلمات میں چھپانے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ عرف شرعی میں جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتا ہے درحقیقت وہ حق کو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے اسی لئے اس کو کافر کہا جاتا ہے۔ شرعاً کافر کا اطلاق احکامات الٰہیہ کے منکر پر ہوتا ہے۔ لیکن لغتاً اس کا اطلاق بحر، رات، کسان اور دیگر چیزوں پر بھی ہوتا ہے تاہم ان میں ''ستر'' کے معنی پائے جاتے ہیں۔ کفر کی اس مختصر لغوی بحث کے بعد اب ہم کفر کی تعریف اصطلاح شریعت کے مطابق پیش کریں گے۔

ترک دین کی شناعت اور ایمان وکفر کی اصطلاحی تعریف

اس کائنات کی سب سے عظیم نعمت ایمان ہے۔ ایمان کامل کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مومن کامل کفر پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے:

تین خصال ایسے ہیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی حلاوت کو پالے گا:

۱) اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲) وہ کسی سے محبت کرے تو وہ محبت صرف اللہ کے لئے ہو۔

۳) وہ ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالا جانا ناپسند کرتا ہے۔ (صحیح البخاری: کتاب الاکراہ: باب من اختار الضرب و القتل و الهوان علی الکفر)

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> سنو! بعض لوگوں کو میرے حوض سے ایسے دھتکار دیا جائے گا جیسے بھٹکا ہوا اونٹ دھتکار دیا جاتا ہے، میں ان کو آواز دوں گا "ادھر آؤ" تو کہا جائے گا انهم قد بدلوا بعدک فاقول سحقا سحقا، انہوں نے آپ کے بعد اپنا دین بدل لیا تھا پھر میں کہوں گا "دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ"
> (صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۴۹۲)

اسلام قبول کرنے کے بعد ایمان کی لازوال دولت کو ضائع کردینا اور ہدایت کے بدلے ضلالت کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جرم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> ان الذین ارتدوا علی ادبارهم من بعد ما تبین لهم الهدیٰ الشیطٰن سول لهم و املیٰ لهم ذلک بانهم قالوا للذین کرهوا ما نزل الله سنطیعکم فی بعض الامر و الله یعلم اسرارهم فکیف اذا توفتهم الملئکة یضربون وجوههم و ادبارهم ذلک بانهم اتبعوا ما اسخط الله و کرهوا رضوانه فاحبط اعمالهم (محمد ۴۷: ۲۵۔۲۶۔۲۷۔۲۸)

بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے لوٹ گئے اس کے بعد کے ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی شیطان نے انہیں (کفر کی طرف واپس پلٹنا دھوکہ دہی سے) اچھا کر دکھایا، اور انہیں (دنیا میں) طویل زندگی کی امید دلائی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کی نازل کردہ کتاب کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض امور میں تمہاری پیروی کریں گے اور اللہ ان کے خفیہ مشورہ کرنے کو خوب جانتا ہے۔ پھر (اس وقت ان کا حشر) کیسا ہوگا جب فرشتے ان کی جان (اس حال) میں نکالیں گے کہ انکے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہوں گے؟ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس (روش) کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرتی ہے اور انہوں نے اس کی رضا کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے (جملہ) اعمال اکارت کر دیئے۔

اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنے کی سزا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قتل بیان فرمائی ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

حدثنا ابو النعمان محمد بن الفضل قال حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن عکرمة قال اتی علی بزنادقة فاحرقهم فبلغ ذلک ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقهم لنهی رسول الله ﷺ لا تعذبوا بعذاب الله و لقتلتهم لقول رسول الله ﷺ: من بدل دینه فا قتلوه (صحیح البخاری: کتاب استتابة المعاندین و المرتدین وقتالهم: باب: حکم المرتد و المرتدة)

حضرت عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ''زنادقہ'' کو لایا گیا تو آپ نے ان کو جلا دیا۔ یہ خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو میں ان کو نبی کریم ﷺ کے منع فرمانے کی وجہ سے نہ جلاتا آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے عذاب سے تکلیف نہ دو'' اور ان کو ضرور قتل کر دیتا

نبی ﷺ کے قول مبارک کی وجہ سے ،آپ ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے اپنا
دین تبدیل کیا تو اس کو قتل کردو۔

اس روایت کو امام ابن ماجہ نے بھی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ :ابواب الحدود:باب المرتدین عن دینہ)

اس روایت کو امام ابوداؤد نے بھی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(سنن أبي داؤد: کتاب الحدود:باب الحکم فیمن ارتد)

اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کئی اسناد کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

(سنن النسائی: کتاب المحاربۃ :الحکم فی المرتد)

اس حدیث کو امام دارقطنی نے بھی اپنی اسناد سے نقل فرمایا ہے

(سنن دارقطنی: کتاب الحدود والدیات :ج:۳/ص:۱۰۸)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی اپنی اسناد سے نقل فرمایا ہے۔

(جامع الترمذی :ابواب الحدود:باب جاء فی المرتد)

اس حدیث کو امام عبداللہ بن زبیر حمیدی نے بھی اپنی مسند میں نقل فرمایا ہے۔(المسند : رقم الحدیث:۵۳۳)

اس روایت کو امام مالک نے مرسلاً نقل فرمایا ہے

(الموطا: کتاب الأقضیۃ :القضاء فیمن ارتد عن الاسلام)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی سنن کبری اپنی اسناد سے نقل فرمایا ہے

(کتاب المرتد :باب قتل من ارتد عن الاسلام)

ان روایات کے علاوہ بھی کئی روایات میں مرتد کو قتل کرنے کا حکم بیان ہوا ہے۔

علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> قال النبی ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ وکذا العرب لما ارتدت بعد وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الۃ وسلم أجمعت الصحابۃ رضی اللہ عنہم علی قتلہم
>
> (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع :ج:۷/ص:۱۳۴)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کردو۔اسی طرح جب (بعض) عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے ان کو قتل کرنے پر اجماع کیا۔

قاضی ملاخسرو حنفی فرماتے ہیں:

و كذا الصحابة رضوان الله عليهم اجمعوا عليه في زمن أبي بكر الصديق رضی الله تعالىٰ عنه.

(الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام: ج:۱/ص:۳۰۱)

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور مبارک میں مرتد کو قتل کرنے پر اجماع کیا۔

ایمان 'اَمن' سے ہے۔امن کے معنی خوف کے زائل ہونے اور نفس کے مطمئن ہونے کے ہیں۔مؤمن خود کو ایمان لانے کے بعد عذاب مخلد سے محفوظ و مامون کر لیتا ہے۔شریعت میں ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔اگر کسی کے دل میں ایمان لانے کے بعد ذرا برابر بھی ریب پیدا ہو تو وہ اہل ایمان کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر جب تک ایسا یقین جازم جو شک کو قبول نہ کرتا ہو، پیدا نہ ہو بندہ ایمان والوں کے زمرے میں داخل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انما المؤمنون الذين امنوا بالله و رسوله ثم لم يرتابوا و جاهدوا باموالهم و أنفسهم في سبيل الله اولئک هم الصادقون (الحجرات ۴۹:۱۵)

ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔

حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أن تؤمن بالله و ملئكته و كتبه ورسله و اليوم الاخر و تؤمن بالقدر خيره و شره (صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۱)

ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتب پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر، اور یہ کہ تم خیر و شر قدر پر ایمان لاؤ۔

ایمان کے بارے میں شیخ عمر نسفی فرماتے ہیں:

و الايمان هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالىٰ والاقرار به (العقائد النسفیۃ ص: ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱)

ایمان، جو کچھ رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر مبعوث ہوئے ہیں، اس کی تصدیق اور اقرار کرنے کا نام ہے۔

اس کی شرح میں امام سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

اي تصديق النبي ﷺ با لقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه به من عند الله تعالىٰ اجمالا۔ (شرح العقائد النسفیۃ ص ۱۲۰۔۱۲۱)

یعنی ایمان نبی کریم ﷺ کی ہر اس شے میں دل سے اجمالا تصدیق کرنے کا نام ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا ضرورتاً ہوتا ہے۔

پھر آگے آپ فرماتے ہیں:

و انما الاقرار شرط لاجراء الاحكام في الدنيا لما ان تصديق القلب امر باطن لا بد له من علامة فمن صدق بقلبه و لم يقر بلسانه فهو مؤمن عند الله و ان لم يكن مؤمنا في احكام الدنيا

(شرح العقائد النسفیۃ ص: ۱۲۲)

اور اقرار دنیا میں احکام شرعیہ کے اجراء کے لئے ضروری ہے کیونکہ تصدیق قلب باطن کا معاملہ ہے اسی لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ایمان کی کوئی علامت ہو۔ پس جس نے دل سے تصدیق کی اور زبان سے اقرار نہیں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن ہے اگر چہ احکام دنیا کے اعتبار سے وہ مؤمن نہیں ہوگا۔

حضرت امام بیہقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

سأل رجل الحسن البصری عن الإیمان ،فقال:الایمان ایمانان،فان کنت تسألنی عن الایمان بالله و ملائکته و کتبه و رسله و الجنة و النار و البعث و الحساب فأنا مؤمن و ان کنت تسألنی عن قول الله عزوجل :انما المؤمنون الذین اذا ذکرالله وجلت قلوبهم واذا تلیت علیهم آیاته زادتهم ایمانا و علی ربهم یتوکلون الذین یقیمون الصلاة و مما رزقنا هم ینفقون اولئک هم المؤمنون حقا(الانفال۸ :۲. ۳. ۴)فوالله ما انا ادری انا منهم ام لا؟ (کتاب الاعتقاد:ص:۹۷۔۹۸)

ایک آدمی نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایمان کی تعریف کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایمان دو ہیں۔اگر تم مجھ سے اللہ پر،اس کے فرشتوں پر،اس کی کتابوں پر،اس کے رسولوں پر، جنت و دوزخ پر اور حساب پر ایمان لانے کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو میں مومن ہوں۔اگر تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھ رہے ہو :(ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے(تو)ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں ۔(یہ)وہ لوگ ہیں جو اپنے رب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔یہی لوگ سچے مومن ہیں) تو اللہ کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں؟

مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ ایمان دل کی تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے۔ ایک شخص کے لئے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے ضروری ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرے اور ہر اس چیز کو قبول کرے جس کو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور ضروریات دین کے

لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص دل سے ایمان لے آتا ہے تو عند اللہ وہ مؤمن ہی قرار پائے گا کیونکہ ایمان کا تعلق قلب کے ساتھ ہے تاہم دنیا میں اسے مومن قرار دینے کے لئے اور احکام شریعت کے اجراء کے لئے اقرار باللسان ضروری ہے۔

حضرت امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ولا یخرج العبد من الایمان الا بجحو ما أدخله فیه

(العقیدۃ الطحاویۃ: ص: ۲۷)

بندے کو ایمان سے اسی چیز کا انکار خارج کرتا ہے جس نے اس کو ایمان میں داخل کیا تھا۔

شیخ ابن نجیم ایمان اور کفر کی تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں:

الایمان تصدیق سیدنا محمد ﷺ فی جمیع ما جاء به من الدین ضرورة الکفر تکذیب محمد ﷺ فی شی مما جاء به من الدین ضرورة (الأشباہ والنظائر ج: ۲/ ص: ۸۳)

ایمان ہمارے سردار محمد ﷺ کی ہر اس چیز میں تصدیق کا نام ہے جس کو آپ ﷺ دین میں سے بطور ضروریات کے لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ کفر محمد رسول اللہ ﷺ کی ہر اس چیز میں سے کسی ایک چیز کی بھی تکذیب کا نام ہے جس کو آپ ﷺ ضروریات دین میں سے لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔

حضرت امام بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و فی الشرع انکار ما علم بالضرورة مجیٔ الرسول (ﷺ) به

(تفسیر البیضاوی: ج: ۱/ ص: ۲۱۸)

اور شرع میں کفر اس کے انکار کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا آنا ضروری طور پر معلوم ہو۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الکفر هو تکذیب الرسول علیه الصلاة و السلام فی شئ مما جاء به و الایمان تصدیقه فی جمیع ما جابه، فالیهودی و

النصرانی کافران لتکذیبھما للرسول علیہ الصلاۃ و السلام

(فیصل التفرقۃ :ص:۷۸)

کفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کسی بھی ایک چیز میں جھٹلانے کا نام ہے جس کو آپ علیہ الصلاۃ و السلام لے کر تشریف لائے۔اور ایمان ہر اس چیز کی تصدیق کا نام ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لے کر آئے ہیں۔پس یہودی اور نصرانی دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جھٹلانے کی وجہ سے کافر ہیں۔

مذکورہ بالا تعریفات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ جو کچھ ضروریات دین میں سے لیکر مبعوث ہوئے ہیں اس میں سے کسی بھی ایک شے کا انکار قولا یا فعلا کفر ہے۔مثلا ایک شخص نماز اور دیگر ارکان کو ادا کرتا ہے لیکن زکوٰۃ کا منکر ہے تو اسے کافر ہی قرار دیا جائے گا جیسا کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر تمام صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہے۔کیونکہ ایمان کا مطلب ضروریات دین میں سے ہر ہر شے پر یقین جازم رکھنا ہے اور ان میں سے کسی ایک شے کا انکار بھی اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا۔

اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً ط　　(البقرۃ۲:۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ط فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ○　　(البقرۃ۲:۸۵)

کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے اسکی کیا سزا ہو سکتی ہے اس کے علاوہ کہ دنیا کی زندگی میں ذلت (اور رسوائی) ہو،اور قیامت کے دن (بھی ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے،اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

ابن نجیم کی پیش کردہ تعریف کی شرح میں امام حموی فرماتے ہیں:

وفیہ أن ھذا التعریف غیر جامع اذ التکذیب یختص با لقول و الکفر قد یحصل بالفعل و انکار ما ثبت بالاجماع قد یخرج عن الضروریات و ھو کفر۔ (شرح الحموی ج۲/ص:۸۳)

یہ تعریف جامع نہیں ہے۔ کیونکہ تکذیب قول کے ساتھ خاص ہے اور کفر کبھی فعل سے بھی ثابت ہوتا ہے نیز کبھی اجماع کا انکار بھی ضروریات سے نکال دیتا ہے اور یہ انکار کفر ہے۔

شیخ ابن نجیم کی بیان کردہ تعریف پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ جامع نہیں ہے کیونکہ تکذیب قول کے ساتھ خاص ہے جبکہ بعض اوقات بعض اعمال بھی کفر کا موجب بن جاتے ہیں۔ جیسے کسی شخص کا حالت امن میں بتوں کے آگے سجدہ کرنا، اسی طرح اگر کسی چیز کا ثبوت اجماع سے ہے تو اس کا انکار بھی بعض صورتوں میں کفر ہوتا ہے۔

حضرت امام بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و انما عد لبس الغیار و شد الزنار و نحوھما کفراً لأنھا تدل علی التکذیب فان من صدق الرسول ﷺ لا یجترئ علیھا ظاھراً الا لأنھا کفر فی أنفسھا۔ (تفسیر البیضاوی: ج:۱ص:۲۱۸۔۲۱۹)

اور غیار (ایک قسم کی لمبی ٹوپی) کا پہننا اور زنار باندھنا اور انہی کی طرح کے اعمال کفر ہیں کیونکہ یہ اسلام کی تکذیب پر دلالت کرتے ہیں اور جو رسول ﷺ کی تصدیق کرتا ہے وہ ان کاموں کو کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ وہ اس لئے کافر نہیں ہوتا کہ یہ اعمال اپنی ذات کے اعتبار سے کفر ہیں۔

اس کے بارے میں محی الدین شیخ زادہ فرماتے ہیں:

(و انما عد لبس الغیار) و ھو بکسر الغیار علامۃ أھل الذمۃ. و قیل :ھو قلنسوۃ طویلۃ کانت تلبس في ابتداء الاسلام و ھي الان من شعار أھل الکفر مختصۃ بھم کالزنا ر المختص بالنصاریٰ ....فان قیل:ما الفرق بین لبس الغیار و شد الزنار و بین المأمور

بـه و ارتـكـاب الـنـهـي عنه حتىٰ جعل الأول علامة للتكذيب نازلا منزلته دون الثاني؟قلنا :وجه الفرق بينهما أن الأول من ذي الكفرة مـختـص بهم لا يجترئ المؤمن عليه بخلاف الثاني فانه و ان كان من مـحـظـورات الـدين شرعا الا أنه قد يصدر عن المؤمن لكونه مـجـبـولا عـلـى اتبـا ع نفسه الأمارة بالسوء و كون هواء غالبا على عقله فلم يجعله الشار ع أمارة للتكذيب نازلا منزلة نفس التكذيب و لـم يحكم بكفر من ارتكبه و أما الاول فانه لا عذر له في ارتكابه و لا بـاعـث لـه يحمله على ارتكابه الاسوء اعتقاده فلذلك جعله الشار ع أمارة التكذيب و حكم بكفر من ارتكبه

(حاشیہ شیخ زادہ: ج:۱/ص:۲۲۰)

غیار غین کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ ذمیوں کی علامت ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ ایک لمبی ٹوپی ہے جسے ابتدائے اسلام میں پہنا جاتا تھا اور اب یہ اہل کفر کے شعار میں سے ہے اور ان کے ساتھ خاص ہے جیسے زنار نصاریٰ کے ساتھ خاص ہے۔۔۔اور اگر یہ کہا جائے کہ غیار پہننے و زنار باندھنے اور مامور بہ کو کرنے اور منہی عنہ کے ارتکاب میں کیا فرق ہے کہ آپ نے پہلے کے ارتکاب کو تکذیب کی علامت قرار دیا ہے جبکہ دوسرے کو اس سے کم درجہ میں رکھا ہے؟ان دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے والے کام کافروں والے ہیں اور ان کے ساتھ خاص ہیں مومن ان کو کرنے کی جرأت نہیں کرتا بخلاف ثانی کے کیونکہ وہ اگر چہ ان کاموں میں سے ہیں جن کو شریعت نے حرام کیا ہے لیکن تب بھی وہ کبھی کبھی مومن سے نفس جو برائی کی طرف بلاتا ہے، کی اتباع کی وجہ سے اور نفسانی خواہشات کے عقل پر غلبہ کی وجہ سے صادر ہو جاتے ہیں اسی لئے شارع نے ان کو تکذیب کی علامت نہیں قرار دیا کہ نفس تکذیب کے درجہ کو پہنچ جائیں اور جو ان کا ارتکاب کرے اس کے کفر کا حکم نہیں لگایا۔ جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو ان کے ارتکاب کا بد عقیدگی

کے علاوہ کوئی عذر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی سبب ہے جس کی وجہ سے ان کا ارتکاب کیا جائے۔ اسی لئے شارع نے اسے تکذیب کی علامت قرار دیا ہے اور اس کے مرتکب کے لئے کفر کا حکم لگایا ہے۔

یعنی بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جو تکذیب دین کی علامت ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کا ارتکاب کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جیسے گلے میں صلیب کا نشان لٹکانا یہ عیسائیوں کی علامت ہے۔ اگر کوئی اس کو اپنے گلے میں لٹکاتا ہے یا اس کی تعظیم کرتا ہے تو اہل کفر کے اس خاص دینی شعار کو اپنانے کی وجہ سے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان کفار کی ان علامات کو انہیں دھوکہ دینے کے لئے اختیار کرتا ہے تاکہ اہل اسلام کو نفع پہنچے تو یہ شرعاً جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی خاص نشان یا علامت کفار کی کسی دور میں خاص علامت ہو لیکن اسے بعد میں کفار نے بھی ترک کر دیا ہو تو اس کو کفر اور اہل کفر کی تعظیم کی نیت کے بجائے فیشن وغیرہ کی وجہ سے پہننے پر فرد کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

کفر کے بارے میں حضرت تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و رد النصوص بان ينكر الاحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب و السنة كحشر الاجساد مثلا كفر لكونه تكذيبا صريحا لله تعالىٰ و رسوله عليه السلام فمن قذف عائشة رضي الله تعالىٰ عنها بالزنا كفر و استحلال المعصية صغيرة كانت أو كبيرة كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي

(شرح العقائد النسفیۃ ص: ۱۶۸)

اور نصوص کا رد کرنا، اس طور پر کہ وہ ان احکامات کا انکار کر دے جن پر کتاب اللہ اور سنت کی نصوص قطعیہ دلالت کرتی ہوں اس کے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی صریح تکذیب ہونے کی وجہ سے، جیسے اجساد کا (روز قیامت) جمع کیا جانا، کفر ہے۔ پس جس نے حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر زنا کی تہمت لگائی اور گناہ کو حلال جانا چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ کافر ہو جائیگا، جبکہ اس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو۔

حضرت تفتازانی علیہ الرحمۃ نے کے مذکورہ حوالے سے یہ واضح ہوا کہ وہ احکام جن کا ثبوت قطعی طور پر ثابت ہے ان کا انکار کرنا کفر ہے۔حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت کے بیان میں سورت نور کی آیات مقدسات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کے اجماع کے مطابق حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ لگائے گئے الزام سے مکمل طور پر بری ہیں۔اگر کوئی ان آیات کے نزول کے بعد بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگاتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔اسی طرح وہ گناہ جس کا ثبوت قطعی ہو اور اس میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس صورت میں اس کو حلال جاننے والے کافر ہو جائے گا۔

کفر کی اقسام:

اہل علم نے (اللباب فی علوم الکتاب: ج:۱/ص:۳۱۵) کفر کی چار اقسام بیان کی ہیں،ہم کچھ اضافہ کے ساتھ ان کا ذکر کریں گے:

۱) کفر الانکار:

'کفر انکار' یہ ہے کہ دل اور زبان سے کفر کیا جائے اور جب کافر کے سامنے توحید کا ذکر کیا جائے تو اسے نہ پہچانے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝
> (البقرۃ ۲:۶)
> بے شک جنھوں نے کفر اپنا لیا ہے ان کے لئے برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں۔

۲) کفر الجحود:

انسان دل سے ایمان کا اعتراف کرے اور لیکن زبان سے اقرار نہ کرے،ایسے شخص کو ''کافر جاحد'' کہتے ہیں۔ابلیس لعین کا کفر اسی قبیل سے ہے کیونکہ وہ قلبی طور پر اس کا اعتراف کرتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے لیکن وہ اس کا اقرار زبان سے نہیں کرتا اور نہ دل سے تصدیق کرتا ہے۔ وہ سرکشی کرتے ہوئے خود بھی نافرمانی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی کفر کی طرف بلاتا ہے۔ اسی طرح یہود نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ذکر اپنے علماء کی زبانی سنتے اور اپنی کتابوں میں پڑھتے چلے آئے تھے لیکن جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اعلان نبوت فرمایا اور انہیں دعوت اسلام دی تو انہوں نے جانتے بوجھتے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○

(البقرۃ ۲:۸۹)

سو جب ان کے پاس وہی نبی (حضرت محمد ﷺ اپنے اوپر نازل ہونے والی کتاب 'قرآن کے ساتھ') تشریف لے آیا جسے وہ (پہلے ہی سے) پہچانتے تھے تو اسی کے منکر ہو گئے، پس (ایسے دانستہ) انکار کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط

(البقرۃ ۲:۱۴۶)

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اس رسول (آخر الزماں حضرت محمد ﷺ اور ان کی شان و عظمت) کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ بلاشبہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

۳) کفر المعاندۃ:

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان دل سے جانے اور زبان سے اقرار کرے لیکن حسد اور سرکشی کی وجہ سے تصدیق نہ کرے جیسے ابوجہل اور اس قبیل کے کفار قریش۔

۴) کفر النفاق:

یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرے اور دل سے انکار جیسا کہ منافقین کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ط　　(المائدۃ ۵:۴۱)

ان میں سے وہ ہیں جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔

فاسق و فاجر کا حکم:

یاد رہے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو لیکن فاسق و فاجر ہو۔محض گناہ کبیرہ کا ارتکاب مؤمن کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔اگر کوئی شخص نماز کی ادئیگی میں سستی کرتا ہے،رمضان شریف کے روزے ترک کرتا ہے تو وہ فاسق و فاجر کہلائے گا،اس کی تکفیر کرنا درست نہیں ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ کوئی شخص رب سے اس حالت میں ملاقات کرے کہ وہ کفر وشرک میں مبتلا ہو تو اس کی مغفرت نہیں کی جائے گی لیکن اگر وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوتا ہے تو رب کریم جس کو چاہے گا معاف فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰـهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا o　　(النساء ۴:۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے،اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے واقعۃً زبردست گناہ کا بہتان باندھا۔

حضرت امام مسلم علیہ الرحمۃ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أتاني جبرائيل عليه السلام فبشرني انه من مات من امتک لا يشرک بالله شيئادخل الجنة قلت و ان زنىٰ و ان سرق قال و ان زنىٰ و ان سرق　　(مسلم:رقم الحدیث:۱۸۰)

جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بشارت دی کہ جو کوئی آپ ﷺ کی امت میں سے اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کی اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ولا نکفر مسلما بذنب من الذنوب و ان کانت کبیرة اذا لم یستحلها ولا نزیل عنه اسم الایمان و نسمیه مؤمنا حقیقة و یجوز أن یکون مؤمنا فاسقا غیر کافر (الفقہ الأکبر:ص:۷۳۔۷۴)

اور ہم کسی بھی مسلمان کی گناہوں میں سے کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے، اگر چہ وہ گناہ کبیرہ ہو جبکہ وہ اس گناہ کو حلال نہ جانتا ہو۔ اور ہم اس سے ایمان کے اسم کو زائل نہیں کرتے۔ ہم اسے حقیقی مؤمن کہتے ہیں۔ اور یہ جائز ہے کہ ایک مؤمن فاسق ہو کافر نہ ہو۔

علمائے ذیشان کے مذکورہ حوالوں سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ضروریات دین اور نصوص قطعیہ کا انکار کرنا کفر ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بھی ایسی شے کا انکار کردے جس کا ثبوت نصوص قطعیہ سے ہوتا ہو تو اس کا یہ انکار اسے دائرہ اسلام سے خارج کردے گا جیسے ختم نبوت کے اجماعی عقیدے کا منکر ہونا یا اس کی اجماعی عقیدے کے خلاف فاسد تاویل کرنا، اسی طرح اگر کوئی شارع، شریعت یا ان کے متعلقات کے ساتھ استخفاف، استہزا یا استہانت کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ بھی کافر ہی کہلائے گا کیونکہ یہ تمام اعمال اس بات کی علامت ہیں کہ وہ شریعت کی تکذیب کرتا ہے اور اسے لائق التفات و قدر نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی مؤمن گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے فاسق کہا جائے گا تاہم اس کی تکفیر کرنا درست نہیں لیکن اگر وہ معصیت کو حلال جانتا ہو اور اس کا ثبوت قطعی ہو تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ایمان و کفر سے متعلق کم از کم اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے کہ مومن خود کفر کو معصیت سے محفوظ و مامون رکھ سکے۔ اکثر حضرات اپنی جہالت کی وجہ سے کئی ایک ایسے کلمات کو ادا کرتے ہیں جو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا اور معصیت میں ملوث ہونے کا سبب بن جاتے ہیں۔ علامہ شامی علیہ

الرحمۃ فرماتے ہیں:

و فی تبیین المحارم :لا شک فی فرضیة تلم الفرائض الخمس و علم الاخلاص لأن صحة العمل موقوفة علیه ،و علم الحلال و الحرام و علم الریاء ،لأن العابد محروم من ثواب عمله بالریاء ،و علم الحسد و العجب اذ هما یأکلان العمل کما تأکل النار الحطب .و علم البیع و الشراء و النکاح و الطلاق لمن أراد الدخول في هذه الأشیاء ،و علم ا لالفاظ المحرمة أ و المکفرة ،لعمری هذا من أهم المهمات في هذا الزمان ،لأنک تسمع کثیرا من العوام یتکلمون بما یکفر ۔ و هم عنها غافلون،و الاحتیاط أن یجدد الجاهل ایمانه کل یوم ،و یجدد نکاح امرأته عند شاهدین فی کل شهر مرة أو مرتین (ردالمحتار: ج:۱/ ص:۱۲۶)

فرائض خمسہ اور اخلاص کے علم کی فرضیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ عمل کی صحت اس پر موقوف ہے۔اسی طرح حلال وحرام اور ریا کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے کیونکہ عابد ریا کی وجہ سے عمل کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔اور حسد وعجب کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے کیونکہ یہ دونوں عمل کو کھا جاتی ہیں جیسے آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔اور جوشخص خرید وفرخت،نکاح وطلاق کے معاملات میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس پر ان کا علم بھی فرض ہو جاتا ہے۔اور ان الفاظ کا علم جوحرام ہیں یا کفر کو واجب کرتے ہیں ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔میری عمر کی قسم !اس زمانہ میں ان کا علم حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ آپ عوام الناس میں سے بہت سے لوگوں کو وہ کلام کرتے ہوئے سنیں گے جس سے وہ کافر ہوجاتے ہیں اور اس سے غافل ہوتے ہیں۔احتیاط اس میں ہے کہ جاہل اپنے ایمان کی تجدید روزانہ،اور اپنی بیوی سے اپنے نکاح کی تجدید دو گواہوں کی موجودگی میں ہر مہینہ ایک بار یا دو بار کرلیا کرے۔

بعض مخصوص حالتوں میں کفر کرنا اور ان کا حکم

شریعت میں مکلّف سے مراد وہ انسان ہے جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم نازل کیا گیا ہے۔مکلّف کی وہ صلاحیت جس کی وجہ سے بالفعل اس سے کسی فعل کا صدور ہو اسے اہلیت ادا کہا جاتا ہے۔بعض عوارض ایسے ہیں جن سے مکلّف کی اہلیت متاثر ہوتی ہے۔ان عوارض کی دو اقسام ہیں ایک سماویہ اور دوسرے مکتسبہ (کسبی)۔عوارض سماوی کیونکہ انسان کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں اسی لئے انہیں سماوی سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ کسبی انسان کے اپنے اختیار سے لاحق ہوتے ہیں جیسے نشہ کرنا۔ان عوارض میں سے ہم جنون، نابالغی، نیند، اکراہ، ہزل (ہنسی مذاق) کی حالت میں کفر کرنے کا حکم بیان کریں گے۔ایمان لانے کے بعد کسی شخص کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے یا مرتد ہونے کی صحت دو باتوں پر ہے۔

۱) عقل　　۲) اختیار

اگر کوئی شخص اپنے اختیار سے بخوشی کفر نہیں کرتا، اسے کفر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ محض زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے سے کافر نہیں ہوگا۔اسی طرح سے اگر مجنون وصبی (جو باتمیز نہ ہو) وغیرہ کفر کرتے ہیں تو ان پر بھی مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔اب ہم بعض مخصوص حالتوں میں کفر کرنے کے حکم کو ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔

حالت اکراہ میں کفر کرنا:

اکراہ کرہ سے ہے جس کے معنی کسی شے کو ناپسند کرنے کے ہیں۔

علامہ حصنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الاکراہ و ھو حمل الغیر علی ما لا یرضاہ

(افاضۃ الأنوار: ص:۳۶۹)

اکراہ کا مطلب کسی کو ایسے کام پر مجبور کرنا ہے جس میں اس کی رضا نہ ہو۔

اس کی تین اقسام ہیں:

۱) جسے مجبور کیا گیا ہو اس کی رضا معدوم ہو اور اس کا اختیار فاسد ہو، ایسے مجبور کو ''الملجی'' کہا جاتا

ہے۔ یہ کسی کو قتل یا تلف عضو کے ساتھ مجبور کرنا ہے کہ اگر تم نے یہ کام نہیں کیا تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا یا تمہارا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

۲) جسے مجبور کیا گیا ہو اس کی رضا معدوم ہو اور اس کا اختیار فاسد نہ ہو، ایسے شخص کو غیر ''الملجی'' کہا جاتا ہے۔ جیسے کسی شخص کو قید یا پٹائی کے ساتھ مجبور کرنا۔

۳) جسے مجبور کیا گیا ہو اس کی رضا بھی معدوم نہ ہو اور اس کا اختیار بھی فاسد نہ ہو، جیسے کسی کو باپ یا بیٹے کے اغواء کی دھمکی دینا۔

ان تمام صورتوں میں اکراہ اسی وقت متحقق ہوگا جب یقین یا ظن غالب ہو کہ مجھے جس کام پر مجبور کیا جا رہا ہے اگر میں نے نہیں کیا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وفی جمیع الصور انما یتحقق الاکراہ اذا تیقن، أو غلب علی ظنه أنه لو لم یفعل ما أمر لأجری علیه ما هدده،و ان غلب علی ظنه أنه تخویف و تهدید لا تحقیق لا یکون مکرها

(کشف الاسرار:۲ج/ص:۵۷۰)

یعنی ان تمام مذکورہ بالا صورتوں میں اکراہ شرعی اسی وقت ثابت ہوگا جب کہ مجبور کئے جانے والے شخص کو یہ یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ اگر میں اس کام کو نہیں کیا جس کا مجھے مجبور کرنے والے نے حکم دیا ہے تو مجھ پر اس تکلیف کو ضرور مسلط کر دے گا جس سے اس نے مجھے ڈرایا ہے۔ اور اگر اسے غالب گمان یہ ہے کہ یہ محض ڈرانا اور دھمکی ہے حقیقت نہیں ہے تو شرعاً اسے مکرہ نہیں کہا جائے گا۔

دین اسلام میں قبول کرنے میں اکراہ نہیں، عند اللہ وہی ایمان مقبول ہے جس میں انسان کا دل ایمان پر مکمل ثابت و قائم ہو۔ یاد رہے کہ مسئلہ اکفار میں نیت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص غلطی سے یا حالت اکراہ میں کلمہ کفر ادا کرتا ہے جبکہ اس کا دل ایمان پر ثابت ہو تو وہ مؤمن ہی قرار پائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

من كفر بعد ايمانه الا من اكره و قلبه مطمئن بالايمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب اليم○

(النحل ۱۶:۱۰۶)

جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے، سوائے اس کے جسے انتہائی مجبور کر دیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے، لیکن وہ شخص جس نے شرح صدر کے ساتھ کفر کیا سو ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے اور ان کے لئے زبردست عذاب ہے۔

اکراہ کے بارے میں امام محمود آلوسی بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(من اكره) أي على التلفظ بالكفر بأمر يخاف منه على نفسه أو عضو من أعضائه۔ (روح المعانی: ج:۷/ص:۳۵۰)

یعنی اگر کسی شخص کو کفریہ کلمہ ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اسے اس میں اپنی جان کا یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خوف ہے تو اس صورت میں محض زبان سے کفر کرنا جائز ہے تاہم دل کا مؤمن ہونا ضروری ہے

اس آیت مقدسہ سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے کے بعد کفر کرنا انتہائی کبیرہ گناہ ہے لیکن اگر کسی شخص کو کفر کرنے پر مجبور کیا جائے اور اسے معلوم ہو کہ انکار کی صورت میں جان ضائع ہونے یا شدید جانی نقصان کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں زبان سے اس طور پر کلمہ کفر ادا کر سکتا ہے کہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ تاہم عزیمت ایمان پر قائم رہنے میں ہی ہے۔

اس آیت کے بارے میں ملا جیون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یہ آیت مقدسہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے قریش کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں انکے باطل خداؤں سے منہ موڑنے کا حکم فرمایا تو وہ بپھر گئے اور جب ان کا بس طاقتور لوگوں پر نہ چلا تو انہوں نے کمزور اور عاجز جیسے حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار اور ان کے والدین حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کفر کی طرف لوٹنے پر مجبور کیا تا کہ وہ

مرتد ہو جائیں۔لیکن انہوں نے ان کے جبر کو قبول نہ کیا یہاں تک کہ ایمان پر ثابت رہے اور ان کی تکالیف برداشت کرتے کرتے شہید ہوگئے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت کمزور تھے اور ان کے پاس سے بھاگنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے تھے تو آپ نے زبان سے ان کے سامنے کفر کا کلمہ کہا حالانکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل ایمان پر مطمئن تھا، نبی کریم ﷺ سے عرض کی گئی کہ یارسول اللہ ﷺ عمار نے کفر کر دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

کلا ان عمارا ملیء ایمانا من قرنه الی قدمه و اختلط الایمان بلحمه و دمه

ہرگز نہیں عمار سر سے لے کر پاؤں تک ایمان میں ڈوبا ہوا ہے اور ایمان اس کے گوشت اور خون میں رچ بس گیا ہے۔ پھر حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں روتے ہوئے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے آنسوؤں کو دور فرمایا اور اپنے مبارک کپڑے سے ان کی مبارک آنکھوں کو پونچھا اور فرمایا:

یا عمار کیف وجدت قلبک حین اکرهت فقال:مطمئنا بالایمان فقال علیه السلام :ان عادوالک فعد لهم

اے عمار جب انہوں نے تمہیں مجبور کیا تو تم نے اپنے دل کو کیسا پایا؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دل کو ایمان پر مطمئن پایا۔آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اگر آئندہ وہ پھر ایسا کریں تو تم بھی ایسا کرنا۔

(التفسیرات الأحمدیہ:ص:۴۹۹۔۵۰۰)

امام آلوسی بغدادی علیہ الرحمۃ اس آیت کی شرح میں ایک حدیث نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد أخرج ابن أبي شيبة عن الحسن و عبد الرزاق في تفسيره عن معمر أن مسيلمة أخذ رجلين فقال لأحد هما:ما تقول في محمد ؟(ﷺ)قال:رسول الله ﷺ.قال: فما تقول في ؟قال :أنت أيضا فخلاه وقال للاخر: ما تقول في

محمد؟(ﷺ)قال:رسول الله ﷺ .قال :فما تقول في؟فقال:أنا أصم فأعاد عليه ثلاثا فأعاد ذلک في جوابه فقتله فبلغ رسول الله ﷺ خبرهما فقال: أما الأول فقد أخذ برخصة الله تعالىٰ .و أما الثاني فقد صدع با لحق فهنيئا له

(روح المعانی:ج:۷/ص:۳۵۲)

مسیلمہ کذاب نے دوصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پکڑ لیا،تو اس نے ایک سے کہا تم محمد(ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے ہو ،انہوں نے فرمایا :وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں،اس نے پوچھا میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟ آپ نے کہا:تم بھی،اس نے انہیں چھوڑ دیا۔پھر دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ تم محمد(ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے ہو،انہوں نے فرمایا:وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں،اس نے پوچھا میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟انہوں نے فرمایا میں بہرہ ہوں،اس نے تین بار پوچھا اور آپ نے تین بار یہی جواب دیا۔اس نے انہیں شہید کردیا،نبی کریم ﷺ کو ان دونوں کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ رخصت پر عمل کیا اور جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو انہوں نے حق کا اظہار کھلے طور پر کیا ان کے لئے خوب مزے ہوں۔

علماء عظام نے ان دلائل سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اسے اپنی جان جانے کا یا کسی عضو کا تلف ہو جانے کا یقین ہو تو اس صورت میں زبان سے کلمہ کفر کا ادا کرنا جائز ہے تاہم دل کا ایمان پر ثابت ہونا ضروری ہے۔

امام شمس الدین خراسانی فرماتے ہیں:

(و رخص)ولم يأثم (به)اى بالملجئ(اظهار الكفر)و اجراؤه على اللسان حال كونه (مطمئنا قلبه بالايمان)

(جامع الرموز:ج:۲/ص:۶۵۲)

اور وہ شخص جسے مجبور کیا گیا ہو اسے کفر کے اظہار اور زبان پر اس کے اجراء

کی رخصت ہے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔اس صورت میں وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

اس مسئلہ میں اس بات کا خیال رہے کہ زبان سے کلمہ کفر بخوشی نہ کہا جائے ،اس صورت میں دل کا اطمینان بھی نفع نہ دے گا۔

فتاویٰ تا تارخانیہ میں ہے:

ومن کفر بلسانه طائعا و قلبه مطمئن بالایمان فهو کافر

(فتاویٰ التاتارخانیہ:ج۵/ص:۳۱۲)

اور جس نے بخوشی زبان سے کفر کیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہوتو وہ کافر ہو جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں:

وفی مصباح الدین :المکره اذا أتی بالزیادة علی ما اکره علیه جعله طائعا۔ (فتاویٰ التاتارخانیہ:ج۵/ص:۳۵۸)

اور مصباح الدین میں ہے کہ مجبور شخص اگر اس پر زیادہ کرے جس کے لئے اسے مجبور کیا گیا تھا تو یہ عمل اسے بخوشی کفر کرنے والا بنا دے گا۔

یعنی دل کے اطمینان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مجبوری کی حالت میں بخوشی کلمہ کفر ادا نہ کیا جائے بلکہ اسے آگ میں زندہ ڈالے جانے سے زیادہ سخت گمان کرنا چاہیئے۔اسی طرح اگر کسی مجبور شخص نے اپنی طرف سے کفریہ کلمات مزید زیادتی کے ساتھ ادا کئے جنہیں اس سے حالت اکراہ میں طلب نہیں کیا گیا تھا تو اس صورت میں وہ بخوشی کفر کرنے والا ہی سمجھا جائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔جیسے اگر کسی شخص کو کفار نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے پر مجبور کریں اور شرعا مجبور ہونے کی صورت میں وہ راضی نہ ہوتے ہوئے محض زبان سے کلمہ کفر ادا کرتا ہے تو وہ کافر نہ ہوگا لیکن اگر وہ تکذیب اسلام کے ساتھ ساتھ مزید زیادتی کرتے ہوئے نعوذ باللہ آپ ﷺ پر سب و شتم کرتا ہے تو اس زیادتی سے وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص کو نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کے لئے مجبور کیا جائے تو اس کے بارے میں فتاویٰ تا تارخانیہ میں چند صورتیں بیان کی گئیں ہیں:

أحدها :أن يقول :لم يخطر ببالي شئ و انما سميت محمدا كما طلبوا منى و أنا غير راض بذلك،و فى هذا الوجه لا يكفر ،و كان كما لو اكره على أن يتكلم با لكفر فتكلم به و قلبه مطمئن بالايمان .

الوجه الثاني:أن يقول :خطر ببالي رجل من النصارى اسمه محمد فأردت با لشتم ذلك النصراني و فى هذا الوجه لا يكفر أيضا،

الوجه الثالث:أن يقول خطر ببالي رجل من النصارى اسمه محمد فلم أشتم ذلك النصرانى و انما شتمت محمدا ﷺو فى هذا الوجه يكفر القضاء و فيما بينه و بين ربه

(فتاوى التاتارخانیہ: ج۵/ص:۳۲۶۔۳۲۷)

پہلی صورت:

وہ یہ کہتا ہے کہ میرے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی بس میں نے محمد نام لیا تھا جیسا کے انہوں نے مجھ سے طلب کیا اور میں اس پر راضی بھی نہیں تھا، اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا، وہ اسی طرح سے ہے جیسے اگر اسے کفریہ کلمہ ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہوتا۔

دوسری صورت:

وہ یہ کہتا ہے کہ میرے ذہن میں نصاریٰ میں سے محمد نامی ایک آدمی تھا میں نے گالی دیتے وقت اس نصرانی کا ارادہ کیا تھا، اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہوگا۔

تیسری صورت:

وہ یہ کہتا ہے کہ میرے ذہن میں نصاری میں سے ایک محمد نامی شخص تھا لیکن میں نے اسے گالی نہیں دی بلکہ میں نے (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ کو گالی دی ہے اس صورت میں وہ قضاءا اور عنداللہ کافر ہو جائے گا۔

شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و أما الكفر فتشترط له النية لقولهم :ان كفر المكره غير صحيح (الأشباہ والنظائر: ج۱ /ص:۲۷)

اور جہاں تک کفر کا تعلق ہے تو اس میں نیت شرط ہے۔علماء کے اس قول کی وجہ سے کہ وہ شخص جسے مجبور کیا جائے اس کا کافر ہونا صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ:

اگر کسی شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے تو اس صورت صرف ظاہری طور پر درج ذیل شرائط کے ساتھ کفریہ کلمہ ادا کرنے یا کفریہ فعل کرنے کی اجازت ہے تاہم عزیمت ایمان پر قائم رہنے میں ہی ہے۔

۱) اسے یہ یقین ہو یا غالب گمان ہو کہ میری جان تلف ہو جائے گی یا ظاہری طور پر کفر نہ کرنے کی صورت میں میرے کسی عضو کو ضائع کر دیا جائے گا۔البتہ اگر اسے یہ غالب گمان ہو کہ یہ محض دھمکی ہے تو اس صورت میں اجراء کلمہ کفر شرعا جائز نہ ہوگا۔

۲) اس کا قلب و ذہن ایمان پر مطمئن ہو۔

۳) ظاہری طور پر کفر خوشی و رضا کے ساتھ نہ کیا جائے۔

۴) جس حد تک اسے کفر پر مجبور کیا جائے اسی حد تک ظاہری طور پر کفر کرنا اور اس میں اپنی طرف سے زیادتی نہ کرنا۔

۵) کفر کرنے کی نیت نہ ہونا۔

غلطی سے کفر کرنا:

اللہ رب العزت نے اس امت سے خطا اور نسیان کو اٹھالیا ہے جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ و السلام کی حدیث میں ہے کہ **رفع عن امتی الخطاء و النسيان.**

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا اَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ط
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥　　(الاحزاب ۳۳:۵)

اور تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہی لیکن (اس پر ضرور گناہ ہوگا) جس کا تم نے ارادہ کیا ہو، اور اللہ بہت بخشے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اگر کوئی شخص غلطی سے کلمہ کفر ادا کرتا ہے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور اس کا کلمہ کفر ادا کرنے کا کوئی ارادہ بھی نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وان لم يكن قاصدا في ذلك بأن أراد أن يتلفظ بلفظ اخر فجرى على لسانه لفظ الكفر من غير قصد و ذلك نحو أن أراد ان يقول :لا اله الا الله فجرى على لسانه "أن مع الله الهة أخرى أو أراد أن يقول :بحق أينكه تو خدائى و ما بندگان تو "فجرى على لسانه العكس لا يكفر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ: ج:۵/ص:۳۱۲)

اور اگر وہ اس کا ارادہ کرنے والا نہ ہو کہ جیسے اس نے ایک دوسرا لفظ بولنا چاہا تو اس کی زبان پر بغیر ارادہ کے کلمہ کفر جاری ہو گیا۔ مثلاً اس نے لا الہ الا اللہ "نہیں ہے کوئی معبو سوائے اللہ کے" بولنے کا ارادہ کیا تو غلطی سے اس کی زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں" یا اس سے یہ بولنے کا ارادہ کیا کہ اے اللہ تو میرا رب اور میرا تیرا بندہ ہوں تو غلطی سے اس نے اس کی ضد یعنی یہ کہہ دیا کہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہو تو وہ اس سے کافر نہیں ہوگا۔

حضرت امام مسلم روایت فرماتے ہیں:

لـلّـه اشد فرحا بتوبة عبده حين يتوب اليه من احدكم كان علىٰ راحلته بارض فلاة فانفلتت منه و عليها طعامه و شرابه فايس منها فاتىٰ شجرة فاضطجع فى ظلها قد ايس من راحلته فبينا هو

كـذلـك اذا هـو بهـا قـائمة عنده فاخذ بخطامها ثم قال من شدة الفرح اللهم انت عبدی و انا ربک اخطأ من شدة الفرح

(مسلم: رقم الحدیث: ۶۸۳۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، جب تم میں سے کوئی شخص جنگل کی زمین میں اپنی سواری پر جائے اور سواری اس سے نکل جائے جس پر اس کا کھانا اور پانی ہو، پھر وہ اس سے مایوس ہو جائے اور ایک درخت کے پاس آئے اور اس کے سائے میں لیٹ جائے۔ جس وقت وہ مایوس ہو کر اس کے سائے میں لیٹا ہوا ہو اچانک وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہو وہ اس کی مہار پکڑ لے پھر خوشی کی شدت سے یہ کہے "اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں"، یعنی خوشی کی شدت کی وجہ سے وہ بولنے میں خطا کرتا ہے۔

اس حدیث شریف میں رسول ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک مؤمن کی مثال دے کر توبہ کرنے والے کے رتبہ کو بیان فرمایا ہے۔ اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے اس مؤمن کے غلطی سے خود کو رب اور رب کو بندہ کہنے کو (جو کہ کفر ہے) کفر قرار دے کر اس کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس کے عذر کی وضاحت اس طرح فرما دی کہ اس نے نادانستہ طور پر خوشی کی شدت میں ایسا کہا ہے۔

مذکورہ بالا آیت مقدسہ اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کا دل ایمان پر قائم ہو اور غلطی سے نادانستہ طور پر اس کی زبان پر کفریہ کلمہ جاری ہو جاتا ہے تو یہ کفر نہیں ہوگا۔ تاہم اسے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

سوئے ہوئے شخص، مجنون یا بچہ کا کفر کرنا:

امام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وقـلـنـا فی الصبی اذا ارتد ان لا يقتل و ان صحت ردته عند أبی

حنیفة و محمد رحمهما الله لان القتل یجب بالمحاربة لا بعین الردة و لم یوجد۔ (اصول البزدوی:ص۳۷۲)

اور ہم نے یہ کہا ہے کہ اگر بچہ مرتد ہوتا ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے اگر چہ اس کے مرتد ہونے کی صحت کا اعتبار امام ابوحنیفہ اور امام محمد علیہما الرحمۃ نے کیا ہے۔ کیونکہ قتل محاربہ کی وجہ سے واجب ہوتا ہے محض ارتداد کی وجہ سے نہیں اور صبی میں صلاحیت محاربہ نہیں پائی جاتی۔

اگر کوئی شخص سوتے ہوئے کلمہ کفر ادا کرے تو اس پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی چھوٹا بچہ یا مجنون کفر کرتا ہے تو وہ مومن ہی ہے اسے مرتد قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ ارتداد کی صحت دو شرائط عقل و اختیار پر ہے۔ البتہ اگر صبی باتمیز ہے تو دور تمیز سے بلوغ تک اگر چہ اس کے لئے اہلیت اداء اس دور میں ناقص طور پر ثابت ہے ہوتی ہے لیکن اس کا ایمان لانا صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کفر کرتا ہے تو وہ مرتد کہلائے گا تاہم اسے وجہ محاربہ کے نہ ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(فتصح ردته) أی فی احکام الاخرة اتفاقا، لأن العفو عن الکفر و دخول الجنة مع الشرک مما لم یرد به شرع و لا حکم به عقل (نسمات الأسحار:ص۲۵۱)

یعنی عاقل صبی کے مرتد ہونے کا احکام آخرت میں بالاتفاق اعتبار ہے۔ کیونکہ کفر کی معافی اور جنت میں شرک کے ساتھ داخل ہونا ان میں سے ہے جس کا ذکر شرع نے نہیں کیا اور نہ ہی عقل اس کا تقاضا کرتی ہے۔

پھر آگے آپ فرماتے ہیں:

أن الصبی العاقل اذا ارتد و مات علیها کان مخلدا فی النار اتفاقا (نسمات الأسحار:ص۲۵۱)

بے شک عاقل بچہ اگر مرتد ہو جائے اور اسی حالت ارتداد میں اس کا انتقال ہو جائے تو وہ بالاتفاق جہنم میں رہے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

و ارتداد الصبی الذی یعقل ارتدادعند أبی حنیفة و محمد و یجبر علی الاسلام و لا یقتل و اسلامه اسلام لا یرث ابویه ان کانا کافرین و قال ابو یوسف ارتداده لیس بارتداد واسلامه اسلام　　(الھدایۃ: ج:۲/ ص:۶۰۶۔۶۰۷)

اور وہ صبی جو عقل رکھتا ہو اس کا ارتداد امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک ارتداد ہے۔اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسلام پر مجبور کیا جائے گا،اور اس کا اسلام،اسلام ہے۔وہ اپنے ماں باپ کا وارث نہیں ہوگا اگر وہ دونوں کافر ہوں۔قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کا ارتداد،ارتداد نہیں ہے جبکہ اس کا اسلام،اسلام ہے۔

پھر آگے آپ فرماتے ہیں:

وهذا فی الصبی الذی یعقل و من لا یعقل من الصبیان لا یصح ارتداده لان اقراره لا یدل علی تغییر العقیدة و کذا المجنون و السکران الذی لا یعقل　　(الھدایۃ: ج:۲/ ص:۶۰۸)

اور یہ اختلاف اس بچے کے بارے میں ہے جو عقل رکھتا ہو۔اور جو بچوں میں سے عقل نہ رکھتا ہو اس کا ارتداد صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کا اقرار عقیدے کی تبدیلی پر دلالت نہیں کرتا۔اور یہی حکم مجنون اور نشہ والے شخص کا ہے جو عقل نہ رکھتا ہو۔

صبی عاقل کی عمر کے بارے میں علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

(والعاقل الممیز) وهو ابن سبع فأکثر .مجتبیٰ و سراجیة(قیل الذی یعقل أن الاسلام سبب النجاة و یمیز الخبیث من الطیب و الحلو من المر)قائله الطرطوسی فی انفع الوسائل قائلا: و لم أر من قدره بالسن. قلت :و قد رأیت نقله،ویؤیده أنه علیه الصلاة و السلام عرض الاسلام علی علی رضی الله تعالیٰ عنه و سنه

سبع و کا ن یفتخر به　　(الدر المختار: ج:۶/ ص:۴۰۶)

عاقل با تمیز سے مراد سات سال اور اس سے زیادہ عمر کا بچہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ صبی عاقل سے مراد وہ بچہ ہے جو یہ عقل رکھتا ہو کہ اسلام ذریعہ نجات ہے۔ اور وہ طیب وخبیث میں اور میٹھے وکڑوے میں تمیز رکھتا ہو۔ یہ طرطوسی کا قول ہے انفع الوسائل میں آپ نے کہا ہے کہ میں نے یہ نہیں دیکھا کہ کسی نے اسے خاص عمر کے ساتھ مقدر کیا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے اس کی نقل دیکھی ہے اور اس کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اسلام کو پیش کیا تو کی عمر سات سال تھی اور آپ اس عمر میں قبول اسلام پر فخر کیا کرتے تھے۔

علمائے کرام کے مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ اگر چہ با تمیز بچہ (جو عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکا ہو جس میں وہ حق و باطل، خبیث وطیب، میٹھا وکڑوا، نفع ونقصان میں تمیز کر سکے) میں اہلیت ادا ناقص ہوتی ہے تا ہم اگر وہ مُرتد ہوتا ہے تو اخروی احکامات کے اعتبار سے وہ کافر ہی قرار پائے گا البتہ اسے دنیا میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حالت جنون یا نیند میں کفر کرے تو شرعا کافر نہیں ہوگا۔

مذاق میں کفر کرنا:

اگر کوئی شخص مذاق میں کفر کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اگر چہ اصلا وہ اس کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ صاحب منار فرماتے ہیں:

والهزل با لردة كفر لا بما هزل به لكن بعين الهزل لكون الهزل استخفافا بالدين۔　　(المنار: ص: ۲۶۷)

اور ارتداد کے ساتھ مذاق کرنا کفر ہے، جس چیز کے ساتھ اس نے مذاق کیا ہے اس وجہ سے نہیں بلکہ عین مذاق کی وجہ سے، کیونکہ اس طرح کا مذاق دین کا استخفاف ہے۔

اسکی شرح میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لأن الهازل راض باجراء كلمة الكفر على لسانه ،و الرضا بذلك استخفاف بالدين و هو كفر بالنص ،قال تعالىٰ .لئن سألتهم ليقولن انما كنا نخوض و نلعب قل أ بالله و اياته و رسوله كنتم تستهزء ون لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم(التوبة٩ : ٦٥ . ٦٦) .بالاجماع (نسمات الاسحار:ص:٢٦٧)

کیونکہ مذاق کرنے والا کلمہ کفر کو زبان پر جاری کرنے میں راضی ہے اور اس کے ساتھ راضی ہونا دین کے ساتھ استخفاف ہے اور یہ بالاجماع قرآن کی نص سے کفر ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:اور اگر آپ ان سے دریافت کریں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف (سفر کاٹنے کے لئے) بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔فرما دیجئے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کررہے تھے؟(اب)تم معذرت مت کرو،بے شک تم اپنے ایمان (کے اظہار) کے بعد کافر ہوگئے ہو۔

علامہ حصکفی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں:

من هزل بلفظ كفر ارتد و ان لم يعتقده للاستخفاف فهو ككفر العناد۔　　(الدرالمختار:ج٦/ص:٣٥٦)

جس نے کلمہ کفر کے ساتھ مذاق کیا اگر چہ وہ اس کا اعتقاد نہ رکھتا ہو وہ استخفاف دین کی وجہ سے مرتد ہوجائے گا۔یہ کفرِ عناد کی طرح ہے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ کفر کے کلمات یا اعمال مذاق میں اپنے اختیار سے کہنا یا کرنا بھی کفر ہیں کیونکہ یہ دین کا استخفاف کرنا ہے جو کہ دین کو جھٹلانے کی علامت ہے۔پس ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔

نشہ کی حالت میں کفر کرنا:

نشہ کی حالت کسبی عوارض میں سے ہے۔اس سے مراد وہ سرور ہے جو عقل پر بعض اسباب سے غالب آجاتا ہے اور انسان کو اپنی عقل کے مطابق کام کرنے سے روک دیتا ہے یہاں تک کہ اس

کی عقل صحیح اور قبیح میں تمیز کرنے میں تعطل کا شکار ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ عقل کو زائل نہیں کرتا بلکہ اسے مستور کر دیتا ہے۔ نشہ کی حد کلام کا مختلط ہونا اور عقل کا مستور ہو جانا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں حتی تعلموا ما تقولون سے ثابت ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال فی التحریر :و حده اختلاط الكلام و الهذيان ،و زاد ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ فی السكر الموجب للحد كونه لا يميز بين الأشياء و لا يعرف الأرض من السماء ،اذ لو ميز ففيه نقصان و هو شبهة العدم فيندرئ به و أما فی غير وجوب الحد من الأحكام فالمعتبر عنده أيضا اختلاط الكلام حتى لا يرتد بكلمة الكفر معه و لا يلزمه الحد بالاقرار بما يوجبه۔

(نسمات الاسحار:ص:۲۶۱)

اور نشہ کی حد کلام کا خلط ملط ہونا اور ہذیان ہے۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے اس نشہ میں جو حد کو واجب کرتا ہے یہ زیادتی فرمائی ہے کہ وہ اشیاء کے ما بین تمیز نہ کر سکے۔ اور زمین اور آسمان کو نہ جانے۔ کیونکہ اگر وہ یہ تمیز کر لیتا ہے تو نشہ میں کمی ہے اور یہ نشہ کے معدوم ہونے کا شبہ ہے تو حد اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اور جہاں تک ان احکام کا تعلق ہے جن میں حد واجب نہیں ہوتی تو آپ کے نزدیک اس میں بھی اختلاط کلام کا اعتبار ہے یہاں تک وہ کلمہ کفر کے اس حالت میں ادا کرنے سے کافر نہیں ہوگا اور اس پر اس حالت میں ان چیزوں کے اقرار سے حد واجب نہیں ہو گی جو حد کو واجب کرتی ہیں۔

اس کی دو حالتیں ہیں:

۱) نشہ کا کسی سبب مباح سے طاری ہونا، جیسے کسی کا علاج کی غرض سے افیون وغیرہ کا پینا یا حالت اضطرار یا اکراہ میں شراب پینا۔ اس صورت میں وہ بے ہوش شخص کے حکم میں ہے یعنی اس

کے تصرفات جیسے طلاق، دینا غلام آزاد کرنا وغیرہ صحیح نہ ہوں گے۔

۲) نشہ کا کسی حرام کردہ شے سے طاری ہونا، جیسے کسی کا حالت امن اور غیر اضطراری حالت میں اپنے اختیار سے شراب پینا۔ اس صورت میں اس شخص کے تمام تر تصرفات وعبارات طلاق، بیع وشراء، غلاموں کو آزاد کرنے وغیرہ سے متعلق صحیح ہوں گے۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں کسی کا کلمہ کفر کو ادا کرنا اس کے کفر کو ثابت نہیں کرے گا۔

فخر الاسلام امام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ان السكران اذا تكلم بكلمة الكفر لم تبن منه امرأته استحسانا

(اصول البزدوی:ص:۳۴۷)۔

جب نشہ کی حالت میں کوئی شخص کلمہ کفر ادا کرتا ہے تو اس سے اس کی بیوی استحسانا بائنہ نہیں ہوگی۔

حضرت امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و اذا ارتد السكران في القياس تبين منه امرأته لأن السكران كا لصاحي في اعتبار أقواله و أفعاله حتى لو طلق امرأته بانت منه و لو باع أو أقر بشئ كان صحيحا منه و لكنه استحسن، وقال لا تبين منه امرأته لأن الردة تنبنئ على الاعتقاد و نحن نعلم ان السكران غير معتقد لما يقول، و لأنه لا ينجو سكران من التكلم بكلمة الكفر في حال سكره عادة ،و الأصل فيه ما روى أن واحدا من كبار الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم سكر حين كان الشرب حلالا،و قال لرسول الله ﷺ: هل أنتم الا عبيدى و عبيد ابائى و لم يجعل ذلك منه كفرا .و قرأ سكران سورة قل يا أيها الكافرون في صلاة المغرب فترك اللاات فيه فنزل فيه قوله تعالىٰ ياأيها الذين امنوا لا تقربوا الصلاة و أنتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون فهو دليل على أنه لا يحكم بر د ة في حال سكره كما لا يحكم به في حال جنونه۔ (المبسوط:ج:۱۰/ص:۱۳۱)

اور جب نشہ کرنے والا مرتد ہو تو قیاس کی رو سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی کیونکہ نشہ کرنے والا اپنے اقوال اور افعال کے اعتبار سے جاگنے والے کی طرح ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو وہ اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور اگر اس نے خرید وفروخت کی یا کسی شے کا اقرار کیا تو اس سے یہ تمام باتیں صحیح ہوں گی۔ لیکن آپ نے استحسانا فرمایا ہے کہ نشہ کی حالت میں کفر کرنے والے کی بیوی بائنہ نہیں ہوگی کیونکہ مرتد ہونے کی بنیاد اعتقاد پر ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ نشہ والا جو کہتا ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ اور کیونکہ نشہ کرنے والا نشہ کی حالت میں کلمہ کفر ادا کرنے سے عموماً نہیں بچ پاتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی نے جب شراب حلال تھی شراب پی اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا: تم میرے اور میرے آبا واجداد کے غلام ہی ہو۔ تو آپ ﷺ نے اسے کفر قرار نہیں دیا۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نشہ کی حالت میں مغرب کی نماز میں سورۃ الکافرون کی تلاوت کی اور اس میں جہاں جہاں کلمہ ''لا'' مذکور تھا چھوڑ دیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو نماز کے قریب نہ جایا کرو یہاں تک کہ تم جان لو جو تم کہتے ہو۔ پس یہ دلیل ہے اس پر کہ جس طرح اس پر حالت جنون میں کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا اسی طرح نشہ کی حالت میں بھی اس پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

امام برہان الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فقد سماہ اللہ تعالیٰ مؤمنا و معلوم أن هذا من الصاحی ردة فتركنا القياس فی حق الردة بهذا النص

(المحیط البرهانی: ج:۷/ص:۴۴۵)

تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کو مومن (يأيها الذين امنوا لا تقربوا الصلاة) فرمایا ہے اور یہ معلوم ہے کے اگر جاگنے والا کلمہ کفر ادا کرے تو وہ مرتد ہو

جائے گا۔ پس ہم نے نشہ کرنے والے کے بارے میں یہاں قیاس کو اس نص کی وجہ سے کر دیا یعنی وہ کافر نہیں گا۔

علامہ حصنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فلا یحکم بکفرہ استحساناً۔ (افاضۃ الانوار: ص:۲۶۱)

اس کے کافر ہونے کا حکم استحساناً نہیں لگایا جائے گا۔

علماء کرام کے مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ حالت سکر میں کیونکہ انسان کی عقل مستور ہو جاتی ہے اور اعتقاد میں اصل دل سے تصدیق یا تکذیب کرنا ہے۔ حالت سکران میں انسان جو کچھ بولتا ہے وہ حقیقتاً اس کا اعتقاد نہیں رکھتا اسی لئے استحساناً اسے کافر قرار نہیں دیا گیا نہ کہ اس وجہ سے کہ فقہاء نے اس باب میں نشہ کو عذر شرعی تسلیم کیا ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص حالت نشہ میں نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دیتا ہے تو فقہاء نے اسے کافر قرار دیا ہے۔

شیخ ابن نجیم مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لا تصح ردۃ السکران الا الردۃ بسب النبی ﷺ فانہ یقتل و لا یعفی عنہ۔ (الاشباہ والنظائر: ج:۲/ص:۷۹)

نشہ والے شخص کا ارتداد صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا مرتد ہونا نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دینے کی وجہ سے ہو۔ اس صورت میں اس سے درگزر نہیں کیا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔

صاحب شرح شرحموی فرماتے ہیں:

و قد صرح فی البحر بأن غیرہ کذلک،

اور آپ نے البحر میں اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ نشہ کی حالت میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کا بھی یہی حکم ہے۔

پھر آپ مزید فرماتے ہیں۔

و قیدہ بما اذا کان سکرہ بسبب محظور باشرہ مختارا بلا اکراہ و الا فھو کالمجنون۔ (شرح الحموی: ج:۲/ص:۷۹)

اور شیخ ابن نجیم نے البحر الرائق میں اس کی تقیید اس کے ساتھ کی ہے کہ

جب اس کے نشے کا سبب حرام ہو اور اس نے وہ نشہ اپنے اختیار سے حالت اکراہ کے علاوہ کیا ہو ورنہ بصورت دیگر وہ مجنون کی طرح ہوگا۔

یعنی اگر اس نے حالت اکراہ یا اضطراری حالت میں نشہ کیا یا علاج کی غرض سے افیون وغیرہ کا استعمال کیا اور اس پر نشہ طاری ہوگیا تو اس حالت میں توہین رسالت سے بھی وہ کافر نہیں ہوگا۔

خلاصہ:

۱) نشہ کی حالت میں کفر کرنے سے نشہ کرنے والا استحسانا کافر نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ نشہ کسی سبب مباح سے طاری ہو یا وہ نشہ کسی حرام کردہ شے کے حالت امن اور غیر اضطراری حالت میں استعمال کرنے سے طاری ہوا ہو۔

۲) نشہ کی حد کلام کا مختلط اور عقل کا مستور ہونا ہے۔

۳) اگر کسی شخص پر نشہ کسی حرام کردہ شے کے حالت امن اور غیر اضطراری حالت میں استعمال کرنے سے طاری ہو تو نبی کریم ﷺ یا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی کرنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔

اب ہم ضروریات دین اور ادلہ سمعیہ کی وضاحت کریں۔

ضروریات دین اور ادلہ سمعیہ کی بحث

اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء کرام و رسل علیہم السلام پر جو کچھ نازل فرمایا وہ دین اسلام تھا۔ اس دین اسلام کی تکمیل و تتمیم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ سے فرما دی ہے لہذا اب اس دین میں زیادتی و نقصان کی گنجائش کسی طور پر نہیں ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات میں سے بعض ضروریات دین میں سے ہیں اور بعض قطعی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کا انکار کر دیتا ہے یا استخفاف کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی فرد کسی ایسے حکم کا انکار کردے جس کا ثبوت قطعی نہ ہو یا وہ حد ضرورت تک نہیں پہنچا ہو تو انکار کی صورت میں اس کی تکفیر صحیح نہیں ہوگی۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قوله:(و الكفر لغة الستر) و منه سمى الفلاح كافرا، لأنه يستر البذر في الارض، ومنه كفر النعمة و هو موجود في المعنى الشرعى لأنه ستر ما وجب اظهاره، وقوله:(تكذيبه ﷺ)المراد بالتكذيب عدم التصديق الذى مر :أي عدم الاذعان و القبول، لما علم مجيئه به ضرورة :أي علما ضروريا لا يتوقف على نظر و استدلال، وليس المراد التصريح بأنه كاذب في كذا، لأن مجرد نسبة الكذب اليه ﷺ كفر، وظاهر كلامه تخصيص الكفر بجحد الضروري فقط،مع أن الشرط عندنا ثبوته على وجه القطع و ان لم يكن ضروريا ،بل قد يكون استخفافا من قول أو من فعل كما مر.و لذا ذكر فى المسامرة أن ما ينفي الاستسلام أو يوجب التكذيب فهو كفر،فما ينفي الاستسلام كل ما قدمناه عن الحنفية :أي مما يدل على الاستخفاف،و ماذكر قبله من قتل نبي اذ الاستخفاف فيه أظهر،و ما يوجب التكذيب جحد كل ما ثبت عن النبي ﷺ ادعاؤه ضرورة، وأما ما لم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت باجماع المسلمين،فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحده ،فانهم لم يشترطوا سوى القطع فى الثبوت،و يجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعا ،لأن مناط التكفير و هو التكذيب أو الاستخفاف عند ذلك يكون،أما اذا لم يعلم فلا ،الا أن يذكر له أهل العلم ذلك فيلج اهـ(المسامرة:ص:٢٩٧.٢٩٩)

(ردالمحتار:ج:٦/ص:٣٥٦_٣٥٧)

کفر عربی میں چھپانے کو کہتے ہیں ۔اسی وجہ سے کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین میں بیج چھپاتا ہے۔،اسی سے کفران نعمت ہے اور یہ مطلب کفر کے

معنی شرعی میں بھی موجود ہے۔ کیونکہ کافر اس کو چھپاتا ہے جس کا اظہار لازمی ہے۔ اور تکذیب سے مراد نبی کریم ﷺ کی تصدیق نہ کرنا ہے یعنی جس کا ضروریات دین میں سے ہونا معلوم ہے اس کا جھٹلانا اور قبول نہ کرنا ہے۔ علم ضروری سے مراد وہ علم ہے جس میں نظر و استدلال پر توقف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور صراحتا انکار سے مراد یہی نہیں ہے کہ یوں کہہ دیا جائے کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ فلاں بات میں جھوٹے ہیں۔ کیونکہ صرف جھوٹ کی نسبت بھی آپ ﷺ کی طرف کر دینا بھی کفر ہے۔ اور آپ کا ظاہری کلام یہ ہے کہ کفر کی تخصیص صرف ضروریات دین کے انکار کے ساتھ ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک انکار کیے جانے والے امر کا قطعی طور پر ثابت ہونا ہے اگرچہ وہ ضروریات دین میں سے نہ ہو۔ بلکہ کبھی قولا یا فعلا استخفاف کرنا بھی کفر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اسی لئے مسامرہ میں ہے کے جو شے اسلام کے منافی ہے یا تکذیب (رسول ﷺ) کو واجب کرتی ہے وہ کفر ہے۔ جو اسلام کی نفی کرتا ہے اس کا ذکر ہم احناف کے حوالے سے پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی ان میں سے جو استخفاف پر دلالت کرتا ہے۔ اور جو اس سے قبل کسی نبی کے قتل کا ذکر گزرا ہے تو وہ بھی کفر ہے کیونکہ اس میں استخفاف زیادہ غالب ہے۔ اور جو تکذیب کو واجب کرتا ہے وہ ہر اس شے کا انکار کرنا ہے جس کا نبی کریم ﷺ کی طرف سے ضروریات دین میں سے ہونا معلوم ہے۔ اور جہاں تک اس کا تعلق ہے جو حد ضرورت تک نہیں پہنچا جیسے بنت الابن کا بنت کے ساتھ سدس کا اجماعی طور پر مستحق ہونا، تو احناف کا ظاہر کلام اس کی تکفیر پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس باب میں صرف قطعی الثبوت ہونے کی قید لگائی ہے۔ اس تکفیر کو اس پر محمول کرنا لازمی ہے کہ قطعی طور پر ثابت ہونے والے امر کے منکر کو اس کی قطعیت کا علم بھی ہو کیونکہ کسی کو کافر قرار دینے کا مدار جھٹلانے یا استخفاف پر ہے، تکفیر تکذیب یا استخفاف پر ہی ہوتی ہے۔ اگر وہ اسے نہیں جانتا ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی

جائیگی۔مگر یہ کہ اگر اسے اہل علم اس کا قطعی ہونا بتا دیں(اور وہ تب بھی انکار کرے)تو وہ کفر میں داخل ہو جائے گا۔

حضرت سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ای فیما اشتہر کونہ من الدین بحیث یعلمہ العامۃ من غیر افتقار الی نظر و استدلال کوحدۃ الصانع و وجوب الصلوٰۃ و حرمۃ الخمر و نحو ذلک.و یکفی الاجمال فیما یلاحظ اجمالا و یشترط التفصیل فیما یلاحظ تفصیلا حتی لو لم یصدق بوجوب الصلاۃ عند السؤال عنہ و بحرمۃ الخمر عند السؤال عنہ کان کافرا و ھذا ھو المشھور و علیہ الجمھور (شرح المقاصد: ج:۲/ص:۲۴۷)

یعنی ضروریات دین وہ ہیں جن کا دین میں سے ہونا اس طور پر مشہور ہو کہ ہر عام شخص اسے بغیر نظر اور استدلال کی حاجت کے جانتا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا یکتا ہونا،نماز کا فرض ہونا اور خمر کی حرمت وغیرہ اور جس میں اجمال کافی ہے اس میں اجمال کا لحاظ رکھا جائے گا اور جس میں تفصیل کا جاننا شرط ہے اس میں تفصیل کا لحاظ رکھا جائے گا۔یہاں تک کہ اگر اس سے نماز اور خمر کے بارے میں سوال کیا جائے اور وہ نماز کے فرض ہونے اور حرمت خمر کی تصدیق نہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اور یہ مشہور ہے یہی جمہور کا موقف ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ثم المراد من المعلوم ضرورۃ کونہ من الدین بحیث یعلمہ العامۃ من غیر افتقار الی النظر و الاستدلال کوحدۃ الصانع ووجوب الصلاۃ و حرمہ الخمر و نحوھا و انما قید بھا لأن منکر الاجتہادیات لا یکفر اجماعا.و أما من یؤول النصوص الواردۃ فی حشر الاجساد و حدوث العالم و علم الباری بالجزئیات فانہ یکفر لما علم قطعا من الدین أنھا علی ظواھرھا (شرح الفقہ الاکبر:ص:۸۶)

ضروری طور پر معلوم ہونے کا مطلب اس کا دین میں سے اس طور پر ہونا ہے کہ اسے ہر خاص و عام بغیر نظر واستدلال کی حاجت کے جانتا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نماز کی فرضیت، خمر کی حرمت وغیرہ۔ اور اس باب میں اس کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اجتہادی مسائل کا منکر اجماعی طور پر کافر نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک اس کا تعلق ہے جو ورادنصوص جیسے اجساد کے حشر، عالم کے حادث ہونے اور اللہ تعالیٰ کے علم جزئیات کی تاویل کرتا ہو تو وہ کافر ہو جائیگا کیونکہ دین میں سے قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ یہ تمام اپنے ظواہر پر ہی ہیں۔

حضرت عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قيل اراد بالضرورة ما يقابل الاستدلال فالضروري كالمسموع من فم رسول الله ﷺ او المنقول عنه بالتواتر كالقرآن و الصلوات الخمس و صوم رمضان و حرمة الخمر و الزنا

(النبراس: ص۳۹۲)

ضرورت سے مراد وہ ہے جو استدلال کے مقابلے میں ہو۔ پس علم ضروری وہ ایسے ہی ہے جیسے کے رسول اللہ ﷺ کے منہ مبارک سے سنا ہو یا آپ ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہو جیسے قرآن کریم، پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، خمر کی حرمت اور زنا۔

حضرت امام کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں:

و ما يوجب التكذيب جحد كل ما ثبت عن النبي ﷺ ادعاؤه ضرورة و يختلف حال الشاهد للحضرة النبوية و غيره في بعض المنقولات دون بعض فما كان ثبوته ضرورة عن نقل اشتهر و تواتر فا ستوى في معرفته الخاص و العام استويا فيه كالايمان برسالة محمد ﷺ و ماجاء به من وجود الله تعالىٰ و انفراده باستحقاقه العبودية على العالمين و هو معنى نفي الشريك و

التفرد بالألوهية و مايلزمه من الانفراد بالقدم وما عند ذلک من الانفراد و مايلزم الانفراد بالخلق من كونه تعالىٰ حيا عليما قديرا مريداو أن القرآن كلام الله، وما يتضمنه من الايمان بأنه تعالىٰ متكلم،سميع،مرسل لرسل قصهم علينا و رسلا لم يقصصهم منزل الكتب و له عباد مكرمون و هم الملائكة و أنه فرض الصلاة و الصوم و باقي الأركان و أنه يحي الموتى،و أن الساعة آتية لا ريب فيها و أنه حرم الربا،و الخمور و القمار و هو الميسر و نحو ذلک مما جاءمجی ٔهذا وما لم يجئ هذا المجئ بل نقل آحادا اختلفا فيه فيكفر الشاهد بجحده لثبوت التكذيب منه ما لم يدع صارفا من نسخ ونحوه دون الغائب حتىٰ يكفر الشاهد بانكاره سؤال الملكين و ايجاب صدقة الفطر و يفسق الغائب به و يضلل و قيل با لتكفير في السؤال أيضا لتواتره لأنه لما لم يسمعه من فيه لم يكن ثبوته من النبي ﷺ قطعا فلم يكن انكاره تكذيبا له بل للرواة أو تغليطا لهم و هو فسق و ضلالة اللهم الا ان رده استخفافا اذ كان انما قاله النبي (ﷺ) فيكفر

(المسایرۃ:ص:۲۹۹)

یعنی اور جو تکذیب کو واجب کرتا ہے وہ ہر اس چیز کا انکار ہے جو نبی کریم ﷺ سے ضروری طور پر ثابت ہو۔اور اس میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر شخص کا حال اپنے سے غیر سے مختلف ہے جو بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر نہیں تھا بعض منقولات میں ،پس جس کا ثبوت ضروری طور پر بطریق تواتر اور اشتہار منقول ہو تو اس کے جاننے میں خواص (شاہد) و عام (غائب) برابر ہوں گے۔جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا اور اس پر ایمان لانا جس کو آپ ساتھ لائے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی یکتائیت اور اللہ تعالیٰ کا اس بات کا سزاوار ہونا کہ تمام عالمین اس کی

عبادت کریں ۔اور یہ کسی کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہونے کی نفی کا معنی ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے الوہیت اور اس کے لوازمات جیسے ایک ہونے اور قدیم ہونے اور قدیم ہونے سے اس کا مخلوق سے منفرد ہونے کا معنی ہے۔

اور جو اللہ تعالیٰ کا مخلوق سے منفرد ہونے کو لازم کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے زندہ ہونا،سب سے زیادہ جاننے والا ہونا ، ہر شے پر قادر اور خود ارادہ کرنے والا ہونا ہے۔

اور اس چیز کا انکار کرنا تکذیب کو واجب کرتا ہے جو نبی کریم ﷺ قرآن میں سے اپنے ساتھ لائے ہیں جو اللہ کا کلام ہے اور جس کو قرآن حکیم اپنے اندر ایمان میں سے لئے ہوئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام فرمانے والا ہے،سب کچھ سننے والا ہے،رسولوں کو بھیجنے والا ہے جن کا اس نے ہمارے لئے ذکر کیا ہے اور ان کا بھی جن کا اس نے ہمارے لئے ذکر نہیں کیا،وہ کتاب نازل کرنے والا ہے اور اس کیلئے با کرامت بندے ہیں جو فرشتے ہیں ۔اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور روزوں کو اور باقی ارکان کو فرض کیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور بیشک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سود،شراب اور قمار کو جو جوا ہے،حرام فرمایا ہے اور اسی طرح کے امور جن کا ذکر قرآن میں ہے یا تواتر سے ثابت ہے۔

اور جو اس طور پر ثابت نہیں ہے کہ قرآن حکیم میں سے ہو یا وہ امور دین میں سے تواتر سے ثابت ہو بلکہ اخبار احاد سے ثابت ہو تو وہ شخص جو بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر تھا اس کے انکار سے کافر ہو جائے گا(کیونکہ اس کے لئے وہ کالقرآن ہی ہے) کیونکہ اس سے نبی کریم ﷺ کی تکذیب ثابت ہو گی۔جبکہ وہ اس کے معنی کو کسی دوسرے معنی پر محمول کئے جانے کا دعوی نہ کرے جیسے نسخ کا ہونا وغیرہ۔جبکہ غائب اس کے انکار سے کافر نہ ہوگا (کیونکہ اس کے لئے اس کا ثبوت قطعی نہیں ہے) یہاں تک کہ حاضر شخص کی، موت کے بعد دو فرشتوں کے سوال جواب اور صدقہ فطر کے واجب ہونے

کے انکار کی وجہ سے تکفیر کی جائے گی۔اور غائب کی تفسیق کی جائے گی اور اسے گمراہ کہا جائے گا۔اور کہا گیا ہے کہ فرشتوں کے سوال کے انکار پر غائب کی بھی تکفیر کی جائے گی کیونکہ ان کا ثبوت قطعی ہے۔

اور یہ (جو بات پیچھے بیان کی گئی)اس لئے ہے کہ جب غائب نے نبی کریم ﷺ کے منہ مبارک سے اس بات کو نہیں سنا تو اس کا ثبوت اس غائب کے لئے قطعی طور پر نہ ہوا، پس کا انکار نبی کریم ﷺ کی تکذیب نہ ہوگا بلکہ حدیث کے راویوں کی (بلاوجہ) تکذیب اور ان پر سختی کرنا ہوگا۔اور یہ فسق ہے اور گمراہی ہے (کفر نہیں ہے) اے اللہ! مگر یہ کہ وہ اس کا رد استخفاف کے طور پر اس لئے کرے کے نبی کریم ﷺ نے اس کو فرمایا ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی (نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی وجہ سے)

حضرت امام ابن ابی شریف مقدسی علیہ الرحمۃ ضروریات دین کے بارے میں فرماتے ہیں:

بحیث صار العلم بکونہ ادعاؤہ ضروریا ،کالبعث و الجزاء و الصلوات الخمس۔　　(المسامرۃ:ص:۲۹۷)

ہر وہ چیز جس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے ضروری طور پر ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا علم ضروریات دین میں سے ہونے سے متعلق ضروری ہو،جیسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور پانچ وقت کی نمازیں۔

علماء کی ان تصریحات سے یہ واضح ہوا کہ ضروریات دین سے مراد دین کی وہ تعلیمات و عقائد ہیں جن کا علم بغیر کسی فکر ونظر اور استدلال کے ہوتا ہے۔اس کے لئے اہلیت اجتہاد کا ہونا یا عالم ہونا ضروری نہیں۔جیسے اللہ کا وحدہ لاشریک ہونا یا نبی کریم ﷺ کی رسالت و خاتمیت پر ایمان لانا عقیدہ آخرت وغیرہ۔ان کا دین میں سے ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور رسالت پر ایمان لانے کے علم کو حاصل کرنے کے لئے کسی مدرسہ میں داخلہ لینے یا کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔اگر ان عقائد کی کوئی شخص مسلمانوں کے اجماعی عقیدے کے خلاف تاویل کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔دوسری بات یہ کہ اگر کوئی عقیدہ یا حکم حدضرورت تک نہ پہنچا ہو بلکہ اس کا ثبوت قطعی ہو تو اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔اس کے علاوہ شریعت کا استخفاف قولا یا فعلا کرنا اور اسلام کی نفی یا تکذیب کو واجب کرنے والے اقوال وافعال بھی کفر ہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

من أنكر القيامة أو الجنة أو النار و الميزان أو الصراط أو الصحائف المكتوبة فيها أعمال العباد يكفر و لو أنكر البعث كذلك۔ (الفتاوی الھندیۃ: ج۲/ص:۲۷۴)

جس نے انکار کیا قیامت کا یا جنت کا یا دوزخ کا، میزان کا، صراط کا اور ان صحائف کا جن میں بندوں کے اعمال لکھے ہوئے ہوتے ہیں، وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر بعث بعد الموت کا انکار کیا تو بھی کافر ہو جائے گا۔

جہالت میں انکار کرنا:

جس چیز کا ثبوت قطعی ہو اس کا انکار حالت جہالت میں کرنے سے فرد کافر نہیں ہوتا۔ اگر وہ اس کی قطعیت سے جاہل ہے تو اس کے عذر کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اگر اہل علم اس کو بتا دیں کہ یہ عقیدہ یا حکم قطعی طور پر ثابت ہے اور اس کے بعد بھی وہ انکار کردے تو پھر وہ کافر ہو جائیگا کیونکہ اب عذر باقی نہ رہا۔

حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اذا لم يعرف أن محمدا ﷺ اٰخر الأنبياء فليس بمسلم، لأنه من الضروريات۔ (الأشباہ والنظائر: ج:۲ /ص:۹۱)

جب وہ یہ نہیں جانتا کہ محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔

اس کی شرح میں صاحب شرح حموی فرماتے ہیں:

يعني والجهل بالضرويات في باب المكفرات لا يكون عذرا، بخلاف غيرها فانه يكون عذرا على المفتى به كما تقدم، والله اعلم۔ (شرح الحموی: ج:۲/ص:۹۱)

آپ کی مراد یہ ہے کہ ضروریات دین سے جاہل ہونا مسئلہ تکفیر میں عذر نہیں ہے، برخلاف اپنے علاوہ کے (جیسے دلیل قطعی)، کیونکہ ان میں یہ مفتی بہ قول

کے مطابق عذر تسلیم ہوگا۔جیسا کہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔اور اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و كذا مخالفة أو انكار ما أجمع عليه بعد العلم به لأنه ذلك دليل على أن التصديق مفقود۔ (ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۵۶)

اور اسی طرح مخالفت کرنا ،یا جاننے کے بعد اس مسئلہ کا انکار کر دینا جس پر اجماع ہو کفر ہے کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تصدیق موجود نہیں ہے۔

حضرت کمال الدین ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و أما ما ثبت قطعا و لم تبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحده لأنهم لم يشترطوا سوى القطع في الثبوت و يجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعا لأن مناط التكفير و هو التكذيب أو الاستحقاق بالدين عند ذلك يكون اما اذا لم يعلم فلا الا أن يذكر له أهل العلم ذلك فيلج (المسايرة:ص:۲۹۹)

اور جہاں تک اس کا تعلق ہے ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہو لیکن حد ضرورت تک نہیں پہنچا جیسے بنت الابن کا بنت کے ساتھ سدس کا اجماعی طور پر مستحق ہونا، تو احناف کا ظاہر کلام اس کی تکفیر پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ انہوں نے اس باب میں صرف قطعی الثبوت ہونے کی قید لگائی ہے۔اس تکفیر کو اس پر محمول کرنا لازمی ہے کہ قطعی طور پر ثابت ہونے والے امر کے منکر کو اس کی قطعیت کا علم بھی ہو کیونکہ کسی کو کافر قرار دینے کا مدار جھٹلانے یا استخفاف پر ہے،تکفیر تکذیب یا استخفاف پر ہی ہوتی ہے۔اگر وہ اسے نہیں جانتا ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائیگی۔مگر یہ کہ اگر اسے اہل علم اس کا قطعی ہونا بتا دیں (اور وہ تب بھی انکار کرے) تو وہ کفر میں داخل ہو جائے گا۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

أما اذا تكلم بكلمة و لم يدر أنها كلمة كفر، ففي فتاوىٰ قاضيخان حكاية خلاف من غير ترجيح حيث قال: لا يكفر لعذره بالجهل و قيل يكفر و الا يعذر بالجهل. أقول: و الأظهر الأول الا اذا كان من قبيل ما يعلم من الدين بالضرورة فانه حينئذ يكفر و الا يعذر بالجهل۔ (شرح الفقہ الأکبر: ۱۶۵)

یعنی اگر کسی شخص نے کلمہ کفر ادا کیا اور اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کلمہ کفریہ ہے تو فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ وہ جہالت کے عذر کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی جہالت کو عذر نہیں سمجھا جائے گا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ پہلا قول اظہر ہے لیکن اگر اس کا تعلق ضروریات دین میں سے ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور جہالت کو عذر نہیں سمجھا جائے گا۔

فقہاء کرام کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جہالت کی حالت میں ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔ ضروریات دین سے متعلق جہالت قابل قبول نہیں ہوگی۔ جیسے اگر کوئی شخص توحید کا انکار کر دے اور تنبیہ پر یوں کہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے تو اس کا یہ عذر قابل قبول نہ ہوگا البتہ ضروریات دین کے علاوہ میں جہالت کو عذر تسلیم کیا گیا ہے جیسے اگر کوئی شخص جہالت میں طوفان کے وقت حضرت نوح علیہ السلام کی ۹۵۰ سال عمر کا انکار کر دے اور تنبیہ کے بعد توبہ کر لے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ جبکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

و لقد ارسلنا نوحا الى قومه فلبث فيهم الف سنة الا خمسين عاما فاخذهم الطوفان و هم ظالمون ○ (العنکبوت ۲۹: ۱۴)

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے پھر ان لوگوں کو طوفان نے آ پکڑا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔

اگر وہ آگاہ کرنے کے باوجود بھی انکار پر قائم رہے تو پھر اس کے کفر میں شک نہیں۔ فقہا کرام کے اس فرق کو ملحوظ رکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ امر قطعی اور ضروری میں فقہاء نے فرق کیا

ہے۔ممکن ہے کہ ایک امر قطعی ہو لیکن وہ حد ضرورت تک نہ پہنچا ہو اور ضروریات دین میں سے نہ ہو۔اسی طرح قرآن حکیم کی ہر آیت مقدسہ کا ثبوت قطعی ہے لیکن اس میں بیان کردہ ہر امر ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیئے کہ التزام کفر یہ ہے کہ ایک شخص نص کے مدلول کو نص کا مدلول سمجھتے ہوئے اور حکم شرعی کو حکم شرعی جانتے ہوئے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں یہ شارع علیہ السلام کا حکم ہے لیکن میں اس کو قبول نہیں کرتا۔لزوم کفر یہ ہے کہ جہالت اور نادانی کے باعث یا غلط تاویل کی وجہ سے اس پر کفر لازم آتا ہے پس التزام کفر سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔لزوم کفر سے اس پر کفر کا فتوی عائد نہیں کیا جاسکتا۔اسی وجہ سے فقہاء نے کلمات کفر ذکر کرنے کے بعد متکلم کے جہل کو عذر شمار کیا ہے۔باقی جن فقہاء نے یکفر لکھ دیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے کفر والا کام کیا ہے نہ یہ کہ وہ کافر ہو گیا ہے۔

بحرالرائق میں موجود ہے کہ جامع الفصولین میں طحاوی نے ہمارے اصحاب حنفیہ سے روایت کی ہے کہ آدمی کو ایمان سے اس چیز کا انکار نکال سکتا ہے جس کے اقرار نے اس کو ایمان میں داخل کیا تھا۔لہذا جو چیز یقیناً ارتداد کا باعث ہے اس پر ارتداد کا حکم ہوگا۔جس چیز کے باعث ارتداد ہونے میں شک ہے اس پر ارتداد کا حکم نہیں ہوسکتا کیونکہ ثابت شدہ اسلام محض شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوسکتا۔حالانکہ اسلام ہر چیز پر غالب ہے کوئی چیز اسلام پر غالب نہیں آسکتی۔لہذا اہل علم حضرات پر واجب ہے کہ ایسے مسائل میں مسلمانوں کو کافر کہنے میں جلدی سے کام نہ لیا کریں جب کہ بحالت جبر بھی اسلام لانے کو شریعت میں درست سمجھا گیا ہے۔میں بطور میزان و معیار یہ مسئلہ اس فصل میں پہلے ذکر کیا ہے تاکہ آئندہ ذکر شدہ مسائل میں جن میں لکھا گیا ہے کہ یہ کفر ہے معلوم ہو جائے کہ ان کے ارتکاب سے مطلقاً کافر کہنا درست نہیں۔(اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ ص:۱۳۵)

ادلہ سمعیہ کی بحث

ادلہ سمعیہ چار ہیں:

۱) قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ۔

۲) قطعی الثبوت وظنی الدلالۃ۔

۳) ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ۔

۴) ظنی الثبوت وظنی الدلالۃ۔

۱) قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ:

اس سے مراد وہ ادلہ ہیں جن کا ثابت ہونا بھی قطعی ہے اوران کی دلالت بھی قطعی ہے یعنی ان کے ثبوت اور دلالت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوتا۔ جیسے قرآن حکیم کی مفسر ومحکم نصوص اور سنت متواترہ۔ اس دلیل سے فرض ثابت ہوتا ہے۔ صاحب منار فرماتے ہیں:

ثبتت بدليل قطعي لا شبهة فيه كالايمان و الأركان الأربعة وحكمه اللزوم عملا و تصديقا بالقلب و عملا بالبدن حتى يكفر جاحده۔ (المنار:ص:۱۶۴)

فرض اسے کہتے ہیں جو قطعی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ نہ ہو، جیسے ایمان اور چار ارکان (نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج) اوراس کا حکم یہ ہے کہ ایسی دلیل قطعی عمل کو لازم کرتی ہے، اوراس کی تصدیق کرنا اور عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا جان بوجھ کر انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

حدیث متواتر اور علمائے اصول:

تواتر کا مطلب اشیاء کا پے در پے ایک دوسرے کے ساتھ پیچھے آنا ہے۔ جب بارش متصل ہوتی رہے تو کہا جاتا ہے **تواترت المطر** یعنی بارش بلا انقطاع ہوئی۔ نبی کریم ﷺ تک حدیث مبارک سے ہمارا اتصال کامل طور پر بغیر کسی شبہ کے قطعیت کے ساتھ حدیث متواتر کے ذریعہ

ہوتا ہے۔ گویا کہ اس حدیث کا سننا ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ سے سنا یا آپ ﷺ کی زیارت کی۔ اسی لئے اسے نبی کریم ﷺ سے اتصال کامل بلاشبہ کہا جاتا ہے۔

حدیث متواتر کے بارے میں حسامی میں ہے:

المتواتر : و هو ما يرويه قوم لا يحصى عددهم و لا يتوهم تواطؤهم على الكذب لكثرتهم و عدالتهم و تباين اماكنهم و يدوم هذا الى أن يتصل برسول الله ﷺ و ذلك مثل القرآن و الصلوات الخمس و اعداد الركعات و مقادير الزكوٰة

(الحسامی: ص: ۶۷۔۶۸)

حدیث متواتر وہ ہے جس کو ایسا گروہ روایت کرے جن کی تعداد گنی نہ جا سکے اور ان کا کثرت تعداد، عدالت، اور مختلف مقامات پر رہنے کی وجہ سے جھوٹ پر جمع ہو جانا متصور نہ ہو۔ اور یہ باقی رہے یہاں تک کہ وہ حدیث رسول ﷺ سے مل جائے۔ جیسے قرآن حکیم، پانچ نمازوں، تعداد رکعات اور مقادیر زکوٰۃ کا منقول ہونا۔

حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ اس کی مزید مثالیں دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

و أروش الجنايات و أعداد الطواف و الوقوف بعرفات كذا فى التقرير۔ (فتح الغفار: ص: ۲۷۰)

سزاؤں کی دیتوں، طواف کا عدد، وقوف عرفہ وغیرہ اسی طرح تقریر میں ہے۔

اس کے بارے میں امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و لا يتوهم تواطؤهم على الكذب و يدوم هذا الحد فيكون آخره كأوله ،و اوله كاخره و أوسطه كطرفيه۔

(کشف الأسرار: ج: ۲/ ص: ۴)

اور ان کا جھوٹ پر جمع ہونا متصور نہ ہو اور یہ تواتر اس طرح رہے کہ اس حدیث کا آخر اول کی طرح اور اول آخر کی طرح ہو اور درمیان اپنے دونوں جوانب کی طرح۔

اس کی شرح میں ملا جیون فرماتے ہیں:

یعني یستوي فیه جمیع الأزمنة من اول ما نشأ ذلک الخبر الی آخر ما بلغ الی هذا الناقل.فالأول هو زمان ظهور الخبرو الآخر هو زمان کل ناقل یتصوره آخرا۔ (نور الأنوار:ج:۲/ص:۴۔۵)

یعنی تواتر میں تمام زمانے ،جس میں یہ پہلی بار حدیث ظاہر ہوئی ہے سے لے کر اس کے ناقل کرنے والے تک برابر ہوں ۔اول سے مراد اس حدیث کے ظہور کا زمانہ ہے اور آخر سے مراد ہر ناقل کا دور ہے جس کو وہ آخری تصور کرے گا۔

اس حدیث کے راویوں کی تعداد کے اعتبار میں علماء کا اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ راوی اتنے ضرور ہوں کہ ان سے ایسا علم یقینی ،قطعی اور ضروری حاصل ہو جائے جو ہر قسم کے شک اور شبہ سے پاک ہو۔حضرت ملا جیون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ولم یشترط فیه تعین عدد کما قیل سبعة،و قیل :اربعون ،و قیل:سبعون بل کل ما یحصل به العلم الضروري فهو من امارة التواتر۔ (نور الأنوار:ج:۲/ص:۴)

اور اس میں عدد کے تعین کی شرط نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ سات افراد ہوں، چالیس افراد ہوں، ستر افراد ہوں ، بلکہ جس سے علم ضروری کا فائدہ ہو جائے وہ ہی تواتر کی علامات میں سے ہے۔

حکم:

اس کے حکم کے بارے میں حضرت امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بل المتواتر یوجب علم الیقین ضرورة کا لعلم بالحواس

(کشف الأسرار:ج:۲/ص:۶۔۷)

بلکہ متواتر علم یقینی کو ضروری طور پر واجب کرتی ہے جیسا کہ حواس سے علم حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فصار منكر المتواتر و مخالفه كافرا (اصول البزدوی:ص:۱۵۱)

متواتر کا منکر اور مخالف کافر ہو جاتا ہے۔

امام نسفی آپ فرماتے ہیں:

ثم عندنا العلم الثابت بالتواتر ضروري كا لثابت بالمعاينة...و لنا أن هذا العلم يحصل لمن لا نظر له كالعوام و الصبيان۔

(کشف الأسرار:ج۲/ص:۱۱)

پھر ہمارے نزدیک وہ علم جو تواتر سے ثابت ہو ہوتا ہے وہ ضروری ہوتا ہے جیسے اپنی آنکھوں کے دیکھنے سے کوئی بات ثابت ہوتی ہے۔۔۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ علم ضروری اس کو بھی حاصل ہو جاتا ہے جس کے پاس فکر و نظر نہیں ہوتی جیسے عوام اور بچے۔

شیخ زادہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وتقييد العلم بما جاء به عليه الصلاة و السلام بكونه ضروريا للاحتراز عما علم بالاستدلال أو رواية الاحاد كونه مما جاء به عليه الصلاة وا لسلام .فان منكر الأحكام الاجتهادية و ما ثبت برواية الاحاد كونه مما جاء به عليه الصلاة و السلام. فان منكر الأحكام الاجتهادية و ما ثبت بروية الاحاد لا يكون كافرا و انما يكفر من أنكر شيئا مما علم بالتواتر أنه عليه الصلاة و لسلام جاء به و أنه من دينه .فمن أنكر وجود الصانع أو كونه عالما قادرا مختارا أو أنكر نبوته عليه الصلاة و السلام ،أو صحة القرآن أو الشرائع التي علمنا بالضرورة كونها من دينه عليه الصلاه و السلام ،كوجوب الصلاة والصوم و الزكاة و الحج و حرمة الزنى و الخمر ،فانه كافر لانه ترك تصديق الرسول ﷺ فيما بالضرورة أنه من دينه۔ (حاشیۃ شیخ زادہ:ج:۱/ص:۲۱۹)

اورجس کو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں اس کے علم کو مقید کرنا ضروری کے ساتھ دراصل احتراز ہے اس علم سے جو استدلال سے یا اخبار احاد سے ثا بت ہو۔ بے شک احکام اجتہادیہ اور وہ جن کا ثبوت اخبار احاد سے ہو، کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا۔ کافر تو وہ ہوگا جو اس امر کا انکار کردے جس کے بارے میں یہ تواتر سے ثابت ہو کہ نبی کریم ﷺ اس کو لے کر تشریف فر ما ہوئے ہیں یا یہ دین میں سے ہے۔ پس جس نے خالق کے وجود کا انکار کیا یا اس کے عالم، قادر اور مختار ہونے کا انکار کیا یا نبی کریم ﷺ کی نبوت کا یا قرآن کی صحت کا انکار کیا یا ان چیزوں کا انکار کیا جن کا نبی کریم ﷺ کے دین میں سے ہونا ضروری طور پر معلوم ہو جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض ہونا، زنا اور خمر کا حرام ہونا، تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کو ترک کرنا ہے ہر اس چیز کے بارے میں جس کا دین میں سے ہونا ضروری طور پر معلوم ہے۔

امام ابوبکر رازی فرماتے ہیں:

و قال لا أدری فی الانبیاء رسل؟ام قال لا ادری موسی و عیسی(علیهما السلام) مرسلین أو غیر مرسلین فقد کفر أیضا لأنه أنکر النص۔ (شرح بدء الأمالی:ص:۲۰۹)

کسی نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ انبیاء میں رسول بھی ہوتے ہیں یا اس نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام رسول ہیں یا نہیں تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے نص (قرآنی) کا انکار کیا ہے۔

اس کا انکار اس صورت میں کفر ہوگا جب اس کا تعلق امور شرعیہ میں سے ہو۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و لا یخفی أنه قید ه بقوله في الشریعة لأنه لو أنکر متواترا فی غیر الشریعة کانکار جود حاتم و شجاعة علی رضی الله عنه و غیرهما لا یکفر۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص:۱۶۶)

اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں شریعت میں سے ہونے کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر اس نے ایسی متواتر بات کا انکار کیا جو شریعت میں سے نہ ہو جیسے حاتم طائی کا سخی ہونا اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہادر ہونا وغیرہ تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

علماء کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حدیث متواتر قطعیت کا فائدہ دیتی ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس تواتر سے ثابت شدہ امر کا تعلق امور شرعیہ سے ہو ورنہ بصورت دیگر اس کا انکار کفر نہیں ہوگا۔

یہاں ہم علم ضروری کی کچھ وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

علم ضروری:

علم ضروری کے بارے میں حضرت سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و الضروري :ما لا يحتاج فيه الى تقديم مقدمة كالعلم بثبوت الصانع و حدوث الأعراض۔ (کتاب التعریفات:ص:۱۱۰)

اور علم ضروری وہ ہے کہ جو کسی قسم کے مقدمہ کا محتاج نہیں ہوتا جیسے بنانے والے کا وجود اور اعراض کا حادث ہونا۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَ الضروري مالا يفتقر الى تركيب الحجة (نسمات الأسحار:۱۷۷)

اور علم ضروری وہ ہے جو دلیل کی ترکیب کا محتاج نہیں ہوتا۔

آپ فرماتے ہیں:

لا يتوقف على نظر و استدلال۔ (ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۵۶)

یہ غور وفکر اور استدلال پر موقوف نہیں ہوتا۔

علم ضروری کی وضاحت میں شیخ ابن نجیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و فى المواقف العلم الحادث ينقسم الى ضروري و مكتسب،فالضروري قال القاضي:هو الذي يلزم نفس المخلوق

لزوما لا يجد الى الانفكاك عنه سبيلا ۔ (فتح الغفار:ص:۲۷۰)

اور مواقف میں ہے کہ علم دوقسموں پر ہے ۔ضروری اور کسبی ۔پس ضروری علم وہ ہے جس کے بارے میں قاضی نے فرمایا کہ یہ وہ علم ہے جو مخلوق کے نفس پر اس طرح سے لازم ہوتا ہے کہ وہ اس سے چھٹکارہ نہیں پاسکتے ۔

آگے آپ فرماتے ہیں:

و فسر الهندي الضروري عند الجمهور بالحاصل من غير نظر و فكر، و فسره الغزالي بمعنى عدم الحاجة الى الشعور بالواسطة۔ (فتح الغفار:ص:۲۷۰)

اور ہندی نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ جمہور کے نزدیک علم ضروری بغیر نظر وفکر کے حاصل ہوتا ہے اور غزالی نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اس میں بالواسطہ شعور کی حاجت نہیں ہوتی ۔

آپ فرماتے ہیں:

و فسر العلم الضروري من المتواتر في التلويح ما لا يفتقر الى تركيب الحجة حتى انه يحصل لمن لا يعلم ذلك كالصبيان

(فتح الغفار:ص:۲۷۰)

تلویح میں علم ضروری کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ یہ متواتر سے حاصل شدہ علم ضروری ایسا ہوتا ہے کہ وہ دلیل کی ترکیب کا محتاج نہیں ہوتا یہاں تک کہ یہ علم اس کو بھی حاصل ہوتا ہے جو دلیل کی ترکیب کو نہیں جانتا جیسے بچوں کا جاننا۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فالضروري يفيد العلم بلا استدلال و النظري يفيد معه و أيضا الضروري يحصل لكل سامع حتى البله و الصبيان۔

(ظفر الأماني:ص:۴۵)

پس ضروری وہ ہے جو ایسے علم کا فائدہ دیتا ہے جو بغیر استدلال کے حاصل

ہوتا ہے اور نظری وہ علم ہوتا ہے جو استدلال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔علم ضروری ہر سننے والے کو حاصل ہوتا ہے یہاں تک بے وقوف اور بچوں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

علمائے عظام کے مذکورہ بالا اقوال سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث متواتر اتنے راویوں سے مروی ہوتی ہے کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہوتا ہے۔اسی لئے یہ علم یقینی وضروری کا فائدہ دیتی ہے۔علم ضروری سے مراد ایسا علم ہے جس میں کسی شخص کو فکر،نظر،استدلال کی حاجت نہیں ہوتی اور نہ اس کیلئے اس کا کسی مدرسہ یا اسکول میں زیرِتعلیم ہونا، عالم ہونا، یا اہل اجتہاد ورائے میں سے ہونا ضروری ہوتا ہے بلکہ اس کا علم عوام وخواص سب کو ہو جاتا ہے۔یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی آنکھ سے کوئی بات دیکھتا ہے یا اپنے کان سے کوئی بات سنتا ہے۔اسی لئے یہ حدیث قطعیت کا فائدہ دیتی ہے۔ہر دور میں بکثرت راویوں سے روایت کئے جانے کی وجہ سے اس کا اتصال نبی کریم ﷺ سے بلا شبہ اور کامل ہوتا ہے۔پس اس کا انکار کرنا کفر ہے۔جیسے االلہ تعالیٰ کا یکتا ہونا، نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ،نماز پنجگانہ،قرآن حکیم کا نبی کریم ﷺ پر نازل ہونا وغیرہ۔اس سے ثابت شدہ امر پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنا فسق وفجور ہے۔یادرہے کہ ضروریات دین کا ثبوت اسی علم ضروری سے ہوتا ہے لیکن ہر قطعی امر کا حد ضروری تک پہنچنا ضروری نہیں،جس کی وضاحت ہم سابقہ اوراق میں کر چکے ہیں۔

۲)قطعی الثبوت وظنی الدلالۃ:

یعنی وہ ادلہ جن کا ثبوت تو قطعی ہو مگر ان کی دلالت ظنی ہو جیسے آیات مؤولات۔

مثال:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلاثَةَ قُرُوءٍ۔ (البقرۃ ۲:۲۲۸)

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ عورتیں جن کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں ان کی عدت کی مدت تین قروء بیان فرمائی ہے۔کلمہ قروء مشترک ہے اور ایک سے زیادہ مختلف معانی کے لئے ہر ایک کے لئے وضع کیا گیا ہے۔اصول الشاشی میں ہے:

المشترک ما وضع لمعنیین مختلفین أو لمعان مختلفة الحقائق مثاله قولنا جارية فانها تتناول الامةو السفينة۔

(أصول الشاشي :ص:۱۲)

مشترک وہ لفظ ہے جو دو یا دو سے زیادہ مختلف زیادہ معانی کے لے وضع کیا گیا ہو مثلا لفظ جاریہ کیونکہ اس کے معنی باندی اور کشتی کے ہیں۔

اس کی مثال دیتے ہوئے امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

کالقرء للحیض و الطهر۔ (المنار:ص:۷۶)

جیسے لفظ قرء حیض اور طہر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

مشترک سے مراد وہ لفظ ہوتا ہے جو دو یا دو سے زائد معانی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔اس کا موضوع لہ یعنی جس معنی کے لئے اس کو اپنایا جاتا ہے وہ متعدد ہوتا ہے۔اسے موضوع لہ معانی کے لئے ایک سے زیادہ مرتبہ وضع کیا جاتا ہے اور اس کے مدلول متعدد معانی میں سے صرف ایک ہی کو ایک وقت میں مراد لیا جاسکتا ہے جیسے ایک ہی وقت میں قروء سے مراد حیض اور طہر نہیں ہوسکتا۔

جب مشترک کے کسی ایک معنی کو ظنی قرائن کی بنیاد پر ترجیح دی جائے تو تو وہ مؤول ہو جاتا ہے۔

اس کے بارے میں امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و أما المؤول فما ترجح من المشترک بعض وجوهه بغالب الرأی (المنار:ص:۸۷)

اور جب مشترک کے کسی معنی کو غالب رائے سے ترجیح دی جائے تو اسے مؤول کہتے ہیں۔

اس کے حکم کے بارے میں علامہ حصنی فرماتے ہیں:

و حکمه وجوب العمل به علی احتمال الغلط و السهو۔

(افاضۃ الأنوار:ص:۸۷)

اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر غلطی اور سہو کے احتمال کے ساتھ عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

مشترک اور مؤول کی اس مختصر بحث کے بعد اب ہم اس آیت سے متعلق کتب اصول کا مطالعہ کریں تو

معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قروء مشترک ہے اور احناف تاویل کرتے ہوئے قرائن لفظیہ کی دلالت کی وجہ سے حیض جبکہ شوافع نے طہر لیا ہے۔

حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و بطل التأويل بالأطهار للقروء في قوله تعالیٰ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلاثَةَ قُرُوءٍ (البقرة ٢: ٢٢٨)،و أصله أن القرء مشترك بين الحيض و الطهر، فأوله الشافعي رحمه الله بالطهر ،و أوله الحنفية بالحيض أنه لو أريد الطهر لبطل موجب الخاص و هو ثلاثة لأن المشروع الطلاق في الطهر فاذا طلقت فيه فاما أن لا يحتسب من العدة فيجب ثلاثةأو بعض و ان احتسب كما هو مذهب الشافعي يجب طهران و بعض ،علی أن بعض الطهر ليس بطهر۔ (فتح الغفار:ص:۲۷)

اگر قروء سے مراد تاویل کرتے ہوئے طہر لیا جائے تو تاویل باطل ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک میں کہ مطلقات اپنے آپ کو تین قروء تک روکیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ لفظ قروء حیض اور طہر کے معنی میں مشترک ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تاویل طہر کے ساتھ کی ہے جبکہ احناف نے اس کی تاویل حیض کے ساتھ کی ہے کیونکہ اگر اس سے مراد طہر لیا جائے تو خاص کا موجب باطل ہو جائے گا جو لفظ ثلاثہ ہے۔ کیونکہ طلاق دینا طہر میں مشروع ہے۔ اگر طہر میں طلاق دی گئی تو دو صورتیں ہیں یا تو اس طہر کو شمار نہ کیا جائے اس صورت میں عدت تیسرے طہر اور چوتھے کا بعض حصہ ہو گیا اور اگر اس کو (جس طہر میں طلاق دی گئی ہے) شمار کیا جائے تو عدت دو طہر اور تیسرے کا بعض حصہ ہو گی۔ جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔ کیونکہ طہر کا بعض حصہ طہر (کامل) نہیں ہے۔

نتیجہ:

اس آیت مقدسہ میں لفظ قروء سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین بھی اختلاف رہا ہے۔ حضرت عائشہ، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک طہر جبکہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے نزدیک اس سے مراد حیض ہے۔ فقہاء کرام کی ان ابحاث سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ قروء کے مشترک ہونے کی وجہ سے اس کے معنی کی تعیین میں صحابہ کرام اور فقہاء عظام میں اختلاف رہا ہے۔ احناف نے اس سے مراد حیض اور شوافع نے طہر لیا ہے۔

☆ اس کی مراد کی تعیین قرائن لفظیہ سے کی گئی ہے اس وجہ سے یہ مؤول ہے۔

☆ مؤول ظنی ہوتا ہے اور اس میں غلطی، سہو اور خطا کا احتمال پایا جاتا ہے۔ پس ظنی ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کفر نہیں ہوگا۔

☆ اگر کسی نے قروء کا انکار کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا ثبوت قطعی ہے لیکن اگر وہ اس کی دلالت کا انکار کرے جو مؤول ہونے کی وجہ سے ظنی ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اگر مؤول کے انکار پر کسی کی تکفیر کی جائے تو اس صورت میں تمام علمائے اسلام کو خارج از اسلام ماننا پڑے گا۔

۳) ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ:

اس سے مراد وہ ادلہ ہیں جن کا ثبوت ظنی ہو اور دلالت قطعی ہو جیسے حدیث مشہور، یہ اپنی اصل کے اعتبار سے خبر واحد اور فرع کے اعتبار سے متواتر ہوتی ہے یعنی قرن اول میں یہ خبر واحد ہوتی ہے لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد قرن ثانی وثالث میں یہ حد تواتر تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے راوی اتنے ہو جاتے ہیں کے ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہوتا ہے۔ حدیث مشہور کا انکار کفر نہیں ہے البتہ اس کے منکر کی تضلیل کی جائیگی۔

اصول بزدوی میں ہے:

> قال الشيخ الامام رضى الله تعالىٰ عنه المشهور ما كان من الاحاد فى الاصل ثم انتشر فصار ينقله قوم لا يتوهم تواطؤهم على الكذب و هم القرن الثانى بعد الصحابة رضى الله عنهم و

من بعد هم و اولئک قوم ثقات ائمة لا يتهمون فصار بشهادتهم و تصديقهم بمنزلة المتواتر حجة من حجج الله تعالىٰ حتى قال الجصاص انه احد قسمي المتواتر و قال عيسى بن ابان ان المشهور من الاخبار يضلل جاحده و لا يكفر مثل حديث المسح على الخفين وحديث الرجم و هو الصحيح عندنا۔

(اصول البزدوی:ص۱۵۲)

حضرت امام بزدوی فرماتے ہیں :حدیث مشہور وہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے اخبار احاد میں سے ہو پھر وہ اتنی پھیل جائے کے اسے اتنے راوی روایت کرنے لگیں جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔اور وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد قرن ثانی اور اس کے بعد کے لوگ ہیں اور وہ ثقہ ائمہ ہیں جن پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔ پس ان کی گواہی اور ان کی تصدیق حدیث متواتر کے قائم مقام ہے یعنی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔ یہاں تک کہ اما ابو بکر جصاص رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا :حدیث مشہور ،متواتر کی ایک قسم ہے۔اور حضرت عیسیٰ بن ابان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حدیث مشہور کا جان بوجھ کر انکار کرنے والے کی تضلیل کی جائیگی یعنی اسے گمراہ قرار دیا جائے گا ،اور اس کی تکفیر نہیں کی جائیگی۔جیسے مسح علی الخفین اور حدیث رجم،اور ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے۔

حضرت علامہ حسنی فرماتے ہیں:

حتى تجوز الزيادة به على الكتاب و يضلل جاحده و لا يكفر هو الصحيح۔

(افاضۃ الأنوار:ص:۱۷۸)

یہاں تک کہ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے اور اس کا انکار کرنے والے کی تضلیل کی جائے گی اور اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور یہی صحیح ہے۔

حضرت امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و بالاتفاق لا يكفر جاحدالمشهور من الأخبار

(اصول السرخسی: ج:۱/ص:۲۹۲)

یعنی اس بات پر اتفاق ہے کہ خبرِ مشہور کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا۔

آپ فرماتے ہیں:

ثم ذكر عيسى رحمه الله أن هذا النوع من الأخبار ينقسم الى ثلاثة أقسام: قسم يضلل جاحده و لا يكفر و ذلك نحو خبر الرجم و قسم لا يضلل جاحده و لكن يخطأ و يخشى عليه المأثم و ذلك نحو خبر المسح و خبر حرمة التفاضل وقسم لا يخشى على جاحده المأثم و لكن يخطأفي ذلك و هو الأخبار التي اختلف فيها الفقهاء في باب الأحكام. و هذا الذي قاله صحيح بناؤه على تلقى العلماء اياه بالقبول ثم العمل بموجبه فان خبر الرجم اتفق عليه العلماء من الصدر الأول و الثاني و انما خالف فيه الخوارج و خلافهم لا يكون قدحا في الاجماع و لهذا قال يضلل جاحده .فأما خبر المسح ففيه شبهة الاختلاف في الصدر الأول فان عائشة و ابن عباس رضي الله عنهم كانا يقولان سلوا هؤلاء الذين يرون المسح هل مسح رسول الله ﷺ بعد سورة المائده ؟و الله ما مسح رسول الله بعد سورة المائدة،و قدنقل رجوعهما عن ذلك أيضاو كذلك خبر الصرف فقد روى عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه كان يجوز التفاضل مستدلا بقوله ﷺ :لا ربا الا في النسئية وقد نقل رجوعه عن ذلك فلشبهة الاختلاف في الصدر الأول قلنا بانه لا يضلل كاحده و لكن يخشى عليه المأثم ،ولأن باعتبار رجوعهم يثبت الاجماع و قد ثبت الاجماع على قبوله من الصدر الثاني و الثالث و لايسع مخالفة الاجماع فلهذا يخشى

علـى جاحده المأثم ،و أما النوع الثالث فقد ظهر فيه الاختلاف في كل قرن فكل من ترجح عنده جانب الصدق فيه بدليل عمل به و كان له أن يخطئ صاحبه و لكن لا يخشى عليه المأثم في ذلک لأنه صار اليه عن اجتهاد

(اصول السرخسی: ج:۱/ص:۲۹۳۔۲۹۴)

حضرت عیسیٰ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حدیث مشہور کی تین اقسام ہیں:

۱۔ وہ قسم جس کا انکار کرنے والے کی تضلیل کی جائے گی اور تکفیر نہیں کی جائے گی جیسے حدیث رجم

۲۔ وہ قسم جس کا انکار کرنے والے کی تضلیل نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو خطا کار کہا جائے گا اور اس کے گناہ گار ہونے کا خدشہ ہے۔ جیسے مسح علی الخفین اور حرمت تفاضل کی احادیث۔

۳۔ وہ قسم جس کا انکار کرنے والے کے لئے گناہ گار ہونے کا تو خدشہ نہیں ہے البتہ وہ خطا کار ہوگا۔ جیسے احکام کے باب میں وہ روایات جن میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

اور آپ نے جو یہ فرمایا ہے وہ علماء کے ان احادیث کو قبول کرنے اور ان کے موجب پر عمل کرنے کے درجات کے اعتبار سے صحیح ہے۔ کیونکہ رجم سے متعلق احادیث پر صدر اول اور صدر ثانی کے علماء کا اتفاق ہے۔ مسئلہ رجم میں خوارج نے اختلاف کیا ہے اور ان کا اختلاف رجم پر اجماع میں اثر نہیں انداز نہیں ہوتا اسی لئے آپ نے فرمایا کہ اس کے منکر کی تضلیل کی جائے گی۔ جہاں تک مسح علی الخفین کی روایات کا تعلق ہے تو ان میں صدر اول میں اختلاف کا شبہ ہے۔ حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ موزوں پر مسح کرنے کی رائے رکھتے ہیں ان سے پوچھو کہ کیا رسول ﷺ نے سورہ مائدہ کے نزول کے بعد بھی موزوں پر مسح کیا ہے؟ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے سورہ مائدہ کے نزول کے بعد مسح نہیں فرمایا۔ ان دونوں کا اس مسئلہ میں رجوع منقول ہے۔ اور اسی طرح حدیث صرف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کا آپ تفاضل کو جائز قرار دیتے تھے اور اس حدیث سے استدلال کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود نہیں مگر صرف نسیئہ میں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی اس مسئلہ سے رجوع منقول ہے، پس صدر اول میں اختلاف کے شبہ کی وجہ سے ہم نے یہ کہا کہ اس کے منکر کی تضلیل نہیں کی جائے گی لیکن اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رجوع ان مسائل میں ثابت ہے اسی لئے ان مسائل

میں اجماع ثابت ہے۔اور صدر ثانی اور صدر ثالث میں کیونکہ علماء کا ان (مسح علی الخفین کی سنیت اور تفاضل کی حرمت) کو قبول کرنا ثابت ہے اسی لئے ان پر اجماع ثابت ہوگیا اور اجماع کی مخالفت کرنے کی کوشش کرنا نہیں چاہیئے اسی لئے اس کے منکر کے گناہ گار ہونے کا خوف ہے۔اور جہاں تک تیسری قسم کا تعلق ہے تو کیونکہ ہر دور میں اس میں اختلاف ظاہر رہا ہے اس لئے ہر وہ عالم جس کے نزدیک اس میں جانب صدق دلیل کی وجہ سے راجح ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا انکار کرنے والے کو خطا کار قرار دے لیکن اس منکر کے گناہ گار ہونے کا خدشہ نہیں ہے کیونکہ اس عالم کے نزدیک اس کا قابل عمل ہونا اس کے اجتہاد کی وجہ سے ہے۔

علماء کی اس صراحت سے واضح ہوا کہ حدیث مشہور اگر چہ اپنی قوت کے اعتبار سے حکما حدیث متواتر کی طرح ہی ہے لیکن کیونکہ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت ہوتی ہے اسی لئے اس کا انکار کفر نہیں ہے۔مؤخر الذکر امام سرخسی کے نقل کردہ قول سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ فقہائے عظام نے مسئلہ تکفیر میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے ۔یہاں تک وہ مسائل جن پر صحابہ کا اجماع رہا ہے ان کے انکار پر بھی خوارج اور کسی کی تکفیر نہیں کی گئی کیونکہ صدر اول میں اجماع کے منعقد ہونے سے قبل اس میں اختلاف کا شبہ پایا جاتا ہے۔اسی طرح وہ مسائل جو کسی کے اجتہاد سے ثابت ہیں ان کا انکار بھی کفر نہیں ہوسکتا کیونکہ اجتہاد اور رائے کا تعلق ظن سے ہے اور کسی مسئلہ میں ظن اور شبہ کے وجود کی وجہ سے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔

۴)ظنی الثبوت وظنی الدلالۃ:

یعنی وہ ادلہ جن کا ثبوت بھی ظنی ہے اور دلالت بھی ظنی ہے، جیسے اخبار احاد۔

علامہ حصنی علیہ الرحمۃ دلیل ظنی کے بارے میں فرماتے ہیں:

(وواجب و هو ماثبت بدليل ظني فيه شبهة)أطلقه فشمل خبر الواحد و المشهور و الكتاب المؤول (كصدقة الفطر و الأضحية)و تعيين الفاتحة ثبتت بخبر الواحد(و حكمه اللزوم عملا) كالفرض(لا علما على اليقين)للشبهة في دليله(حتى لا يكفر جاحده و يفسق تاركه)تهاونا كما (اذا استخف بأخبار

الاحاد)بأن لا یری العمل بھا واجبا(فأما)لو (متأولا فلا)لأن التأویل سیرتھم عند المعارضۃ۔ (افاضۃ الأنوار:ص۱۶۵)

اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو،صاحب منار نے اسے مطلقا بیان فرمایا ہے۔آپ نے خبر واحد،حدیث مشہور اور کتاب اللہ میں سے آیات مؤولہ کو بھی شامل کیا ہے۔جیسے صدقہ فطراور قربانی،اور سورت فاتحہ کی تعیین خبر واحد سے ثابت ہے۔اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عمل کو فرض کی طرح لازم کرتا ہے،جبکہ علم یقینی کو دلیل میں شبہ کی وجہ سے لازم نہیں کرتا یہاں تک کہ اس کا جان بوجھ کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا۔اور اس کو سستی کے باعث ترک کرنے والا فاسق ہوگا۔جیسے اگر کوئی اخبار احاد کا اس طور پر استخفاف کرتا ہے کہ اسے موجب عمل نہ جانتا ہو،تو وہ بھی فاسق ہو گا۔لیکن اگر خبر واحد کو تاویل کرتے ہوئے ترک کر دے تو اس کی تفسیق بھی نہیں کی جائیگی،کیونکہ دلائل میں تعارض کے وقت تاویل کرتے ہوئے اس کو ترک کر دینا علماء عظام کی سیرت ہے۔

خبر واحد کے بارے میں امام تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ان خبر الواحد علی تقدیر اشتمالہ علی جمیع الشرائط المذکورۃ فی اصول الفقہ لا یفید الا الظن و لا عبرہ باظن فی بائب ا لاعتقادیات خصوصا اذا اشتمل علی اختلاف روایۃ۔

(شرح العقائد النسفیۃ:۱۳۹۔۱۴۰)

یعنی خبر واحد اپنی تمام شرائط کے ساتھ بھی جن کا ذکر اصول فقہ کی کتب میں ہے،صرف ظن کا ہی فائدہ دیتی ہے اور عقائد کے باب میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔خاص طور پر جب روایات میں اختلاف ہو۔

نتائج:

مسئلہ اکفار میں فقہاء نے صرف قطعی الثبوت کا اعتبار کیا ہے کسی کو کافر قرار دینا ایک امر

عظیم ہے اسی لئے فقہاء نے اس باب میں قطعی الدلالۃ کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ اگر ایک شخص کسی آیت کی دلالت قطعیہ کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا لیکن اگر آیت کی دلالت ظنی ہو (جیسے آیات مؤولہ) تو اس صورت میں آیت کی ظنی دلالت کا انکار اسے اسلام کے دائرے سے باہر نہیں لے جائے گا البتہ بلا تاویلِ صحیحہ کے انکار پر اسے فاسق و گمراہ کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ کا انکار کر دے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس باب میں فقط قطعی الثبوت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

حضرت ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> **لأنهم لم يشترطوا سوى القطع في الثبوت۔** (المسامرة:ص:۲۹۹)
>
> کیونکہ علماء نے اس باب میں ثبوت میں قطعی ہونے کی شرط لگائی ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

> **فانهم لم يشترطوا سوى القطع فى الثبوت۔**
>
> (ردالمحتار:ج:٦/ص:۳۵۷)
>
> علماء نے اس باب میں ثبوت میں قطعی ہونے کی شرط لگائی ہے۔

اس باب میں فقہاء نے اتنی احتیاط فرمائی ہے کہ عام قبل الخصوص جو حکم کو قطعی طور پر واجب کرتا ہے کے انکار کو بھی کفر نہیں کہا کیونکہ اس کی قطعیت پر فقہاء کا اتفاق نہیں ہے۔

شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

> **لكن لا يقولون بكفر الجاحد له للشبهة كما في الكشف و اختار الماتريدي و مشايخ سمرقند أنه يفيد ظنا۔** (فتح الغفار:ص۱۰۵)
>
> لیکن فقہاء کرام اس کے انکار کو شبہ کی وجہ سے کفر قرار نہیں دیتے۔ جیسا کے کشف میں ہے۔ اور امام ماتریدی اور مشائخ سمرقند نے اختیار کیا ہے کہ وہ ظن کا فائدہ دیتا ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> **و عند جمهور العلماء اثبات الحكم في جميع ما يتناوله ظنا عند جمهور الفقهاء و المتكلمين، و هو مذهب الشافعي والمختار**

عند مشایخ سمرقند حتی یفید وجوب العمل دون الاعتقاد۔

(نسمات الاسحار ص:۶۹)

اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم کو ظنی طور پر ثابت کرتا ہے ان تمام میں جن کو یہ شامل ہوتا ہے جمہور فقہاء اور متکلمین کے نزدیک، اور یہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے اور مشائخ سمرقند کا مختار یہ ہے کہ یہ وجوب اعتقاد کے بجائے وجوب عمل کا فائدہ دیتا ہے

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

و فی الظھیریۃ :و من أنکر المتواتر فقد کفر و من أنکر المشھور یکفر عند البعض وقال عیسی بن ابان یضلل و لا یکفر و ھو الصحیح و من أنکر خبر الواحد لا یکفر جاحدہ و لا یضلل غیر أنه یأثم بترک القبول۔ (التاتاخانیہ:ج:۵/ص:۳۲۷)

اور ظہیریہ میں ہے کہ جس نے متواتر کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے مشہور کا انکار کیا وہ بعض کے نزدیک کافر ہے جبکہ عیسی بن ابان فرماتے ہیں کہ اس کی تضلیل کی جائے گی وہ کافر نہیں ہوگا یہی صحیح ہے۔اور جس نے خبر واحد کا انکار کیا اس کا انکار کرنے والا نہ تو کافر ہوگا ورنہ ہی اس کی تضلیل کی جائے گی البتہ اسے قبول نہ کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوگا۔

اس پوری بحث سے یہ معلوم ہوا کہ فرد صرف ضروریات دین یا اس عقیدے یا حکم کے انکار سے کافر قرار دیا جائے گا جس کا ثبوت قطعی ہو اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ یا شریعت کا استخفاف ،استحقار، استہزا اور اہانت قولا یا فعلا بھی کفر ہے۔بعض غیر اہل علم کیونکہ فقہاء کی ان تصریحات سے واقف نہیں اسی لئے وہ مشغلۂ تکفیر میں ظنی حکم کے انکار یا ترک سے بھی کسی کو کافر قرار دینے میں ذرا بھر متأمل نہیں ہوتے۔اسی طرح بعض افراد فرائض تو دور کی بات ہے مستحبات پر اتنا زور دیتے ہیں کہ انہیں کفر اور اسلام کے درمیان خط فاصل سمجھتے ہوئے عوام کو ان پر عمل کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ایسے افراد کو چاہیئے کہ فقہاء کی اس ان تصریحات سے ضرور استفادہ کریں۔

اب ہم نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ بعض امور پر بحث کریں گے۔

نصوص قطعیہ کا انکار

(فرض، حرام، اجماع)

نصوص قطعیہ کا انکار کفر ہے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کسی بھی ایسے حکم کا انکار کردے جس کا ثبوت قطعی ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ تکفیر مسلم امر عظیم ہے کیونکہ اس سے اس کا خون بہانہ حلال ہو جاتا ہے اسی لئے فقہائے عظام نے مسئلہ تکفیر میں اتنی احتیاط کی ہے کہ جس دلیل میں ذرا شبہ ہو اس کے انکار کو کفر قرار نہیں دیا۔ نصوص قطعیہ کے ضمن میں اب ہم فرض، حرام اور اجماع کے انکار پر بحث کریں گے۔

حکم تکلیفی:

حکم تکلیفی سے مراد وہ حکم ہے جو مکلّف سے طلب فعل یا کسی فعل سے باز رہنے کا اور کسی فعل کے کرنے اور نہ کرنے میں اختیار کا تقاضا کرتا ہے۔ حکم تکلیفی میں کیونکہ مکلّف کے لئے کلفت ہوتی ہے اسی لئے اسے حکم تکلیفی کہتے ہیں۔ یہ مکلّف کی قدرت واستطاعت سے باہر نہیں ہوتا۔ اگر حکم تکلیفی مکلّف کی استطاعت سے ماوراء ہو تو اس کا عبث ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ کسی کو مکلّف بنانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ مکلّف سے ما کلف بہ کو طلب کیا جائے اور اللہ رب العزت ہر قسم کے عیوب ونقائص سے بلاشبہ منزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

لا يكلف الله نفسا الا وسعها۔　　(البقرۃ ۲:۲۸۶)

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لا نكلف نفسا الا وسعها۔　　(الأنعام ۶:۱۵۲)

ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

سورۃ الطلاق میں ارشاد فرمایا:

لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتھا۔　　(الطلاق ۶۵:۷)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں ٹھہراتا مگر اسی قدر جتنا کہ اس نے اسے عطا فرما رکھا ہے۔

حکم تکلیفی کی اقسام درج ذیل ہیں:

۱) فرض　۲) واجب　۳) سنت مؤکدہ　۴) سنت غیر مؤکدہ
۵) مستحب　۶) حرام　۷) مکروہ تحریمی　۸) اساءت
۹) مکروہ تنزیہی　۱۰) مباح

فرض اور حرام حکم تکلیفی کی اقسام میں سے ہیں اور ان دونوں کا ثبوت دلیل قطعی سے ہوتا ہے لہذا اب ہم ان کا بیان کریں گے۔

فرض اور حرام:

فرض کے لغوی معنی معین، مقدر اور مقرر کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم۔　　(الاحزاب ۳۳:۵۰)

واقعی ہمیں معلوم ہے جو کچھ ہم نے ان (مسلمانوں) پر ان کی بیویوں اور ان کی مملوکہ باندیوں کے بارے میں فرض کیا ہے۔

جبکہ حرام کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔ المسجد الحرام، المشعر الحرام، الشھر الحرام اور البیت الحرام قرآن حکیم میں استعمال ہوئے ہیں انہیں ان کی حرمت اور اس وجہ سے حرام کہا جاتا ہے کہ ان میں بہت سارے ایسے کام جو اصلا حلال ہیں حرام کر دیئے گئے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں فرض سے مراد وہ امر ہے جس کا کرنا شارع نے حتمی و الزامی طور پر طلب کیا ہو۔ اس کا کرنے والا مطیع و ماجور اور اس کو بلا عذر شرعی ترک کرنے والا اثم اور فاسق و فاجر ہو، اس کا ثبوت کیونکہ دلیل قطعی سے ہوتا ہے اسی لئے اس کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ جیسے پانچ وقت کی نماز، جہاد وغیرہ۔ اسی طرح حرام بھی حکم شرعی ہے اور فرض کے مقابل ہے۔ جس طرح فرض کا کرنا شرع میں مطلوب ہے بالکل اسی قطعیت کے ساتھ حرام کا نہ کرنا شرع میں طلب کیا گیا ہے کیونکہ اس کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔

فرض کے بارے میں امام دبوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

المشروعات حقا لله تعالیٰ فی منازلها أربعة: الفریضة، والواجب، أو السنة و النافلة.

أما الفريضة: فعبارة عن المقدرة، قال الله تعالیٰ: فنصف ما فرضتم (البقرة ٢: ٢٧٥) أي سميتم و قدرتم و أوجبتم، فكانت الفريضة ما أوجبها الله تعالیٰ علينا و قدرها و كتبها علينا في اللوح المحفوظ، و لهذا سميت مكتوبة و انما جعلها مقدرة لتكون متناهية فلا يصعب علينا الأمر فيدل الاسم على نهاية الوجوب من الأصل فلا يسمى بها الاما ثبت وجوبه بطريق لا شبهة فيه، نحو أصل الدين و فروعه من الصلاة و الزكاة و الصوم و الحج فهن المكتوبات المثبتات بالكتاب و السنة المتواترة و الاجماع۔ (تقویم الأدلۃ: ص ٧٧)

مشروعات اللہ تعالیٰ کے حق ہونے کے اعتبار سے اپنے درجات میں چار ہیں: فرض، واجب، سنت اور نفل،

جہاں تک فرض کا تعلق ہے تو وہ تقدیر سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فنصف ما فرضتم یعنی جس کا تم نے نام لیا ہے، جس کو تم نے متعین کیا ہے اور جس کو تم نے واجب کیا ہے۔ تو فرض وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب کیا ہے اور ہمارے لئے متعین کیا ہے اور ہمارے لئے لوح محفوظ میں لکھا ہے اسی لئے اسے مکتوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو متعین کر دیا ہے تا کہ وہ اپنی انتہا کو پہنچ جائے پس اس طرح ہم پر اس کا جاننا مشکل نہیں ہوتا۔ اس کا نام ہی اس کے لازم ہونے میں انتہائی درجہ پر پہنچنے کو واجب کرتا ہے۔ لہذا فرض اسے ہی کہا جائے گا جس کے وجوب کا ثبوت اس طور پر ہو کہ اس میں شبہ نہ ہو۔ جیسے دین کی اصل اور اس کی فروعات جیسے نماز، زکوۃ، روزہ، حج وغیرہ یہ تمام فرائض کتاب اللہ، سنت متواترہ اور اجماع سے ثابت ہیں۔

امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فريضة: و هي ما لا يحتمل زيادة و لا نقصانا ثبتت بدليل قطعي لا شبهة فيه كالايمان و الأركان الأربعة (المنار: ص:۱۶۴)

فرض وہ ہے جو زیادتی اور کمی کا احتمال نہیں رکھتا یہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے جس میں شبہ نہیں ہوتا جیسے ایمان، ارکان اربعہ (نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج)

شیخ ملا احمد جیون فرماتے ہیں:

فأعداد الركعات و الصيامات و كيفيتهما كلها متعين بتعيين لا ازدياد فيه و لا نقصان۔ (نور الأنوار: ج:۱/ص:۴۴۹)

پس نماز کی رکعات اور روزوں کی تعداد اور ان کی کیفیت یہ سب اس طرح متعین ہے کہ اس میں زیادتی اور کمی کی گنجائش نہیں ہے۔

فرض اور حرام کا حکم:

فرض کے حکم کے بارے میں امام سرخسی فرماتے ہیں:

و حكم هذا القسم شرعا أنه موجب للعلم اعتقادا باعتبار أنه ثبت بدليل مقطوع به و لهذا يكفر جاحده و موجب للعمل بالبدن للزوم الأداء بدليله فيكون المؤدى مطيعا لربه و التارك للأداء عاصيا، لأنه بترك الأداء مبدل للعمل لا للاعتقاد و ضد الطاعة العصيان و لهذا لا يكفر بالامتناع عن الأداء فيما هو من اركان الدين لا من أصل الدين الا أن يكون تاركا على وجه الاستخفاف فان استخفاف أمر الشارع كفر، فأما بدون الاستخفاف فهو عاص بالترك من غير عذر فاسق لخروجه من طاعة ربه۔ (اصول السرخسی: ج:۱/ص:۱۱۱)

اس قسم کا شرعاً حکم یہ ہے کہ فرض علم کو اعتقاداً واجب کرتا ہے کیونکہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کا انکار کرنے والا کافر ہوتا

ہے۔اس کی دلیل کی وجہ سے اس کا ادا کرنا لازمی ہوتا ہے اسی لئے یہ عمل کو بدنی طور پر واجب کرتا ہے تو اس کا ادا کرنے والا اپنے رب کی اطاعت کرنے والا ہوتا ہے اور اس کو ترک کرنے والا اپنے رب کی نافرمانی کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو ترک کرنے کی وجہ سے عمل کو تبدیل کرنے والا ہوتا ہے نہ کہ اعتقاد کو،اور اطاعت کی ضد عصیان ہے اسی لئے اس کی ادائیگی سے رکنے والا کافر نہیں ہوتا یہ ارکان دین میں سے ہے نہ کہ اصل دین میں سے،مگر یہ کہ وہ اس کو ہلکا جانتے ہوئے ترک کردے کیونکہ شارع کے امر کا استخفاف کفر ہے۔جہاں تک بغیر استخفاف کے اسے ترک کرنے کا تعلق ہے تو بلا عذر فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور اپنے رب کی اطاعت سے نکلنے کی وجہ سے فاسق ہوگا۔

اس بارے میں امام نسفی فرماتے ہیں:

وحکمہ اللزوم علما و تصدیقا با لقلب و عملا با لبدن حتی یکفر جاحدہ و یفسق تارکہ بلا عذر۔ (المنار:ص:۱۶۴)

اور اس کا حکم یہ ہے کہ فرض علم،تصدیق قلبی اور بدنی طور پر عمل کرنے کو لازم کرتا ہے۔یہاں تک کہ اس کا انکار کرنے والا کافر ہوجاتا ہے اور اس کو بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہوتا ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و قولہ علیہ الصلاۃ و السلام سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر کما رواہ الشیخان فمحمول علی الاستحلال أو علی قتالہ من حیث انہ مسلم۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص:۱۶۴)

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت فرمایا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے،اس حدیث میں مسلمان کے قتل کو کفر بتایا گیا ہے۔یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ وہ مسلمان کے قتل کو حلال جانے یا اس وجہ سے اسے قتل کرے کہ یہ

مسلمان ہے تو اس صورت میں وہ قطعی معصیت کو حلال جاننے یا مسلمان کے قتل کو ناحق جائز سمجھنے کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں:

و في جواهر الفقه ،من جحد فرضا مجمعا عليه كالصلاة و الصوم و الزكاة و الغسل من الجنابة كفر ،قلت و في معناه من أنكر حرمة محرم مجمع عليه كشرب الخمر و الزنا و قتل النفس و أكل مال اليتيم و الربا۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص:۱۷۲)

اور جواہر فقہ میں ہے کہ جس نے کسی ایسے فرض کا انکار کیا جس پر سب کا اتفاق ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور غسل جنابت، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس کا معنی ہیں کہ جس نے کسی ایسے حرام کا انکار کیا جس کی حرمت پر اتفاق ہو جیسے شراب پینا، زنا کرنا، کسی جان کو (ناحق) قتل کرنا یتیم کا مال کھانا اور سود، تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

و في الظهيرة: و من قيل له كل من الحلال ،فقال الحرام أحب الي، كفر۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص:۱۸۷)

ظہیرہ میں ہے کہ جس سے یہ کہا گیا کہ حلال میں سے کھاؤ تو اس نے جواب میں کہا کہ حرام میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں:

من أنكر حرمة الحرام المجمع على حرمته أو شك فيها أي يستوي الأمر فيها كالخمر و الزنا و اللواطة و الربا أو زعم أن الصغائر و الكبائر حلال كفر... و من استحل حراما و قد علم تحريمه في الدين :أي ضرورة كنكاح المحارم أو شرب الخمر أو أكل الميته و الدم و لحم الخنزير .....ان استعمل مستحلا كفر و الا لا فان ارتكب من غير استحلال فسق و في الفتاوى

الصغریٰ :من قال الخمر حلال كفر۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص:۱۸۸)

جس نے ایسے حرام کو حلال جانا جس کا دین میں سے ہونا ضرورتا ثابت ہے جیسے محارم سے نکاح کرنا یا شراب پینا یا مردار، خون اور خنزیر کھانا یعنی علاوہ حالت اضطرار اور حالت اکراہ جس میں قتل پر مجبور کیا جائے یا شدید مار پر۔۔۔اگر اس نے ان اشیاء کو حلال جان کر استعمال کیا تو کافر ہو جائے گا ورنہ نہیں اگر اس نے ان حرام کاموں کا ارتکاب انہیں بغیر حلال جانے کیا تو اس صورت میں وہ فاسق ہو گا۔ اور فتاویٰ صغریٰ میں ہے جس نے کہا کہ شراب حلال ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت امام ولوالجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ومن رد فريضة من الكتاب يكفر (الفتاویٰ الولوالجیۃ: ج:۵/ ص:۴۲۰)

اور جس نے کتاب اللہ کے کسی ایک فرض کا بھی انکار کیا وہ کافر ہو جائے گا۔

علماء اصول کی ان تصریحات سے یہ معلوم ہوا کہ فرض کیونکہ دلیل قطعی (ایسی دلیل جس میں شبہ نہ ہو) سے ثابت ہوتا ہے اسی لئے یہ علم اور عمل دونوں کو اس طور پر واجب کرتا ہے کہ اس کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور اس کو بلا عذر شرعی ترک کرنے والا اطاعت الٰہی سے نکل جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص محض اس کو بلا عذر ترک کر دیتا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ اعمال ایمان کا رکن نہیں ہیں ان کا ترک کرنا فسق و فجور تو ہوسکتا ہے لیکن کفر نہیں۔ البتہ اگر اس امر شرعی کو استخفافا ترک کر دیا جائے تو کیونکہ کسی بھی شرعی امر کا استخفاف کفر ہے لہذا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ فرض کا ثبوت کتاب اللہ، سنت متواترہ یا اجماع سے ہوتا ہے اسی لئے اس میں اصلا زیادتی و کمی کی گنجائش نہیں ہوتی، جیسے نمازوں کی تعداد، ان کی رکعات کی تعداد، ایک ماہ کے روزے وغیرہ، ان کے دلیل قطعی سے ثابت ہونے کی وجہ سے ان میں کمی یا زیادتی نہیں کی جاسکتی۔

حرام کیونکہ فرض کے مرتبہ میں ہے اسی لئے مذکورہ بالا تمام احکام حرام کے لئے بھی ثابت ہوتے ہیں یعنی دلیل قطعی سے ثابت ہونے کی وجہ سے اس کا نہ کرنا حتمی طور پر مطلوب ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا بلا عذر شرعی ارتکاب کرنے والا فاسق و فاجر قرار پائے گا۔ اس کا ثبوت بھی کیونکہ دلیل قطعی سے ہوتا ہے اسی وجہ اس کا انکار بھی کفر ہے۔

حرام کے بارے میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و الحرام فی مرتبة الفرض (نسمات الأسحار: ص:۱۹)

اورحرام فرض کے مرتبہ میں ہے۔

شیخ ملاجیون فرماتے ہیں:

و الحرام داخل في الفرض باعتبار الترک

(نور الأنوار: ج:۱/ص:۴۴۹)

اورحرام ترک کرنے کے اعتبار سے فرض میں داخل ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کے نزدیک ہر مکروہ حرام ہے۔ لیکن یہ یادرہے کہ یہاں آپکی حرام سے مراد حرام ظنی ہے یعنی وہ حرام جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

و المروی عن محمد نصا أن كل مكروه حرام الا انه لما لم يجد فيه نصا قاطعا لم يطلق عليه لفظ الحرام۔

(الھدایۃ: ج:۰۴/ص:۴۵۲)

اور امام محمد علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے مگر یہ کہ جب تک اس بارے میں نص قطعی نہ ملے اس پر لفظ حرام کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔

و يسميه محمد حراما ظنيا۔ (ردالمحتار: ج:۰۱/ص:۲۵۷)

اور امام محمد علیہ الرحمۃ مکروہ تحریمی کو حرام ظنی کہتے ہیں۔

اس بات کے بیان سے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب کبھی کتب فقہ میں اصطلاحات شرعیہ ذکر ہوتو اس کی دلیل اور اس کے قائل کا جاننا ضروری ہے تا کہ اس کے حکم میں خطا نہ ہو۔

اب ہم حرام پر مزید بحث کریں گے۔

حرام کی اقسام:

منہی عنہ یعنی جن شیاء سے منع کردیا گیا ہے ان کی دو اقسام ہیں:

۱) قبیح لعینہ　　۲) قبیح لغیرہ

قبیح لعینہ کی دو اقسام ہیں:　　۱) قبیح وضعی　　۲) قبیح شرعی

۱) قبیح وضعی سے مراد فعل کا اپنی ذات کے اعتبار سے قبیح ہونا ہے اسے قبیح وضعی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ واضع لغت نے اسے عقلاً فی ذاتہ فعل قبیح کے لئے وضع کیا ہوتا ہے۔ جیسے جھوٹ بولنا، ظلم کرنا، زنا وغیرہ ان اعمال کو عقل سلیم بھی برقرار دیتی ہے۔

۲) قبیح شرعی سے مراد وہ فعل ہے جس کو عقل جائز کہتی ہو لیکن شرعاً وہ قبیح ہو جیسے وضو کے بغیر نماز پڑھنا قبیح شرعی ہے حالانکہ نماز بذاتہ خود حسن ہے اور عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نماز کے لئے وضو کو لازمی قرار نہ دیا جائے لیکن شریعت نے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

قبیح لغیرہ کی بھی دو اقسام ہیں:

۱) قبیح وصفی　　۲) قبیح جواری

۱) قبیح وصفی:

اس سے مراد وہ فعل ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے قبیح نہ ہو بلکہ کسی وصف کی وجہ سے حرام ہو۔ جیسے یوم نحر کا روزہ رکھنا، کیونکہ یوم نحر بھی تمام ایام کی طرح ہی ہے لیکن کیونکہ اس دن روزہ رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی ضیافت سے اعراض کرنا ہے اسی لئے اس دن کا روزہ رکھنا منع ہے۔ روزہ رکھنا فعل شرعی ہے لیکن عید کے دن روزہ رکھنا وصف قبیح کی وجہ سے غیر مشروع ہے کیونکہ اس نہی کا تعلق وصف سے ہے نہ کہ اصلا روزہ رکھنے سے یعنی یوم نحر کا روزہ عید کے دن اللہ تعالیٰ کی ضیافت سے اعراض کرنے کی وجہ سے قبیح ہے۔

۲) قبیح جواری:

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل اپنی ذات یا وصف کے اعتبار سے قبیح نہیں ہوتا بلکہ کوئی حرام شے اس کے ساتھ مقارن یا مصاحب ہو جاتی ہے جیسے جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنا، یا حالت حیض میں بیوی سے وطی کرنا یا ارض مغصوبہ پر نماز ادا کرنا۔ بیع کرنا، بیوی سے وطی کرنا یا نماز پڑھنا اپنی

جگہ درست ہیں لیکن دوسرے قبیح افعال کے مقارن ہونے کی وجہ سے یہ قبیح ہو گئے اس نوع کا حکم یہ ہے کہ مکلّف کو نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا اور اس کی نماز بھی ہو جائیگی البتہ ارض مغصوبہ یا ملک غیر میں مشغول ہونے کی وجہ ہونے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہو گا۔

منہی عنہ کی اس مختصر وضاحت کے بعد یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ حرام کی دو اقسام ہیں:

۱) حرام لعینہ　　　۲) حرام لغیرہ

۱) حرام لعینہ:

اس سے مراد وہ حرام کردہ اشیاء ہیں جنہیں شارع نے ابتداء ہی سے اصلا غیر مشروع قرار دیا ہو اور اس کا نہ کرنا ایسے مفاسد کی وجہ سے طلب کیا ہو جو اس سے کبھی جدا نہ ہوتے ہوں جیسے زنا کرنا، محارم سے نکاح کرنا، مردار کھانا، چوری کرنا وغیرہ۔ یہ تمام محرمات، حرام لذاتہ ہیں، ان کا ارتکاب کرنے والا عتاب وعقاب کا مستحق ہوتا ہے۔

بعض اوقات حرام لذاتہ بھی ضرورت کے وقت مباح ہو جاتا ہے جیسے ضروریات خمسہ یعنی حفظ دین، نفس، عقل، عزّت اور مال کی حفاظت کے لئے حرام لذاتہ کا استعمال کرنا، مثلا ایک شخص کو اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو اس کے لئے مردار بقدر ضرورت کھانا مباح ہے۔ اس کا انکار کفر ہے کیونکہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔

۲) حرام لغیرہ:

اس سے مراد وہ حرام کردہ شے ہے جو اصلا مشروع ہو اور اس میں ضرر و مفاسد نہ ہوں یا ان میں منفعت غالب ہو لیکن اس سے کوئی ایسی شے مقترن ہو جائے جو اس کی تحریم کی متقاضی ہو جیسے جمعۃ المبارک کے دن اذان کے وقت بیع کرنا یا حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کرنا۔ بیع فی ذاتہ تو مباح ہے لیکن کیونکہ نماز جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنا، نماز جمعہ کی طرف سعی میں رکاوٹ بنتی ہے اسی لئے یہ حرام ہے۔

حضرت سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اذا اعتقد الحرام حلالا فان كانت حرمته لعينه وقد ثبت بدليل قطعي يكفر و الا فلا بان يكون حرمته لغيره او ثبت بدليل ظني

و بعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه و لغيره. فقال من استحل حراما و قد علم في دين النبي عليه السلام تحريمه كنكاح ذوى المحارم او شرب الخمر او اكل الميتة او الدم او الخنزير من غير ضرورة فكافر و فعل هذه الاشياء بدون الاستحلال فسق

(شرح العقائد النسفیۃ: ص:۱۶۸)

جب کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حرام حلال ہے تو اگر اس کی حرمت لعینہ ہو اور وہ دلیل قطعی سے ثابت ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر حرمت لغیرہ ہو یا دلیل ظنی سے ثابت ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے حرام لغیرہ اور حرام لعینہ میں فرق ملحوظ نہیں رکھا۔ پس علماء نے فرمایا کہ جس کسی شخص نے کسی حرام کو حلال قرار دیا اور نبی کریم ﷺ کے دین میں اس کا حرام ہونا معلوم ہے جیسے محارم سے نکاح کرنا یا خمر پینا یا بغیر ضرورت کے مردار کھانا، خون پینا یا خنزیر کھانا تو وہ کافر ہو جائے گا اور ان اشیاء کو بغیر حلال جانے استعمال کرنا فسق ہے۔

آگے آپ فرماتے ہیں:

ولو تمنى ان لا يكون الخمر حراما او لا يكون صوم رمضان فرضا لما يشق عليه لا يكفر بخلاف ما اذا تمنى ان لا يحرم الزنا و قتل النفس بغير حق فانه يكفر لان حرمة هذا ثابتة في جميع الاديان موافقة للحكمة و من اراد الخروج عن الحكمة فقد اراد ان يحكم الله تعالىٰ بما ليس بحكمة و هذا جهل منه بربه تعالىٰ و ذكر الامام السرخسي عليه الرحمة في كتاب الحيض انه لو استحل وطى امرأته الحائض يكفر و في النوادر عن محمد انه لا يكفر هو الصحيح و في استحلال اللواطة بامرأته لا يكفر۔　　(شرح العقائد النسفیۃ: ص:۱۶۸۔۱۶۹)

اور اگر وہ اپنے اوپر مشقت کی وجہ سے یہ تمنی رکھے کہ خمر حرام نہ ہوتی یا

رمضان کے روزے فرض نہ ہوتے ،تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ برخلاف اس بات کے کہ وہ یہ تمنی رکھے کہ زنا یا ناحق قتل کرنا حرام نہ ہوتا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ ان کی حرمت ہر دین میں ثابت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہے اور جس نے حکمت سے نکلنے کا ارادہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر اس چیز کا حکم لگانے کا ارادہ کیا جو حکمت نہیں ہے اور یہ اپنے رب یعنی اللہ تعالیٰ سے جہالت ہے۔ امام سرخسی علیہ الرحمۃ نے کتاب الحیض میں یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص حالت حیض میں اپنی بیوی سے وطی کرنے کو حلال سمجھتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔اور نوادر میں امام محمد علیہ الرحمۃ سے منقول ہے وہ کافر نہیں ہوگا اور یہی صحیح ہے۔اور اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کرنے کو حلال سمجھنے سے وہ کافر نہیں ہوگا۔

حضرت تفتازانی علیہ الرحمۃ کی وضاحت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حرام لعینہ کا انکار کر دیتا ہے یا اسے حلال سمجھتا ہے جب کہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو تو (جیسے زنا، جھوٹ ،ظلم وغیرہ کا حرام ہونا) اس انکار کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے کیونکہ دلیل قطعی سے ثابت شدہ امر کا انکار کفر ہے لیکن اگر اس کی حرمت کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو(یعنی مکروہ تحریمی) تو اس کا انکار کفر نہیں، اس کی وضاحت ہم سابقہ اوراق میں کر چکے ہیں۔ البتہ محض حرام لغیرہ کے ارتکاب سے جبکہ وہ اسے حرام جانتا ہو وہ کافر تو نہیں ہوگا تاہم اسے فاسق و فاجر ضرور کہا جائے گا۔ جہاں تک حرام لغیرہ کے انکار کا تعلق ہے تو اس کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔اس کے انکار کو علماء نے کفر نہیں کہا لیکن بعض علماء کے نزدیک یہ کفر ہے۔

حرام لغیرہ کے انکار کا حکم:

سابقہ اوراق میں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ حرام لغیرہ اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہیں ہوتا بلکہ کسی خاص وصف یا شے کی وجہ سے اسے حرام کہا جاتا ہے۔جیسے جمعۃ المبارک کے دن بوقت اذان بیع وشراء کرنا، حالت حیض میں اپنی بیوی سے وطی کرنا وغیرہ۔حرام لعینہ کا انکار جب کہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو بالاتفاق کفر ہے۔اسی طرح اگر اس کی حرمت دلیل ظنی سے ہو

تو وہ بالاتفاق کفر نہیں البتہ اختلاف حرام لغیرہ کے انکار میں ہے۔علماء کے نزدیک حرام لغیرہ کا انکار کفر نہیں جبکہ بعض علماء کے مطابق حرام لغیرہ کو حلال جاننا کفر ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و منها :أن استحلال المعصية صغيرة كانت أو كبيرة كفر ،اذا ثبت كونها معصية بدلالة قطعية۔ (شرح الفقہ ا لأ کبر:ص۱۵۲)

بے شک گناہ کو حلال جاننا چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا کفر ہے جب کہ اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو۔

پھر آپ آگے دیگر فتاوی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اذا اعتقد الحرام حلالا فان كانت حرمته لعينه ،وقد ثبت بدليل قطعي يكفر و الا فلا بأن تكون حرمته لغيره أو ثبت بدليل ظني ،و بعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه و لغيره

(شرح الفقہ ا لأ کبر:ص۱۵۲)

جب وہ حرام کو عقیدتا حلال جانے تو اگر اس کی حرمت لعینہ ہے اور وہ دلیل قطعی سے ثابت ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس کی حرمت لعینہ ہے یا دلیل ظنی سے ثابت ہے تو وہ کافر نہیں ہو گا۔بعض علماء نے حرام لغیرہ اور لعینہ میں فرق نہیں کیا یعنی ان کے نزدیک دونوں کا انکار کفر ہے۔

اس مسئلہ کے بارے میں شیخ عبدالعزیز پر ہاروی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(وبعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه و لغيره)و هو الصحيح

(النبر اس:ص۵٦۷)

اور بعض علماء نے حرام لعینہ اور حرام لغیرہ میں فرق نہیں کیا اور یہی صحیح ہے۔

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

ثم المختار ان المعصية اعم من تكون بعينها كاكل الدم او بغيرها كاكل المسروق و قال بعضهم لا يكفر باستحلال الحرام لغيره (النبر اس:ص۵٦۷)

یعنی بعض علماء نے حرام لعینہ اورلغیرہ کے انکار کومطلقا کفر کہا ہے جب کہ وہ دلیل قطعی سے ثابت ہواور آپ کے بیان کے مطابق یہی مختار ہے۔

امام بر ہاروی کے بیان کردہ موقف میں غور کیا جائے تو یہی اصول وقواعد کی روشنی میں زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ مسئلہ تکفیر میں فقہاء نے قطعی الثبوت ہونے کا اعتبار کیا ہے پس جس چیز کی حرمت قطعی الثبوت والدلالۃ سے ثابت ہوتواگر چہ وہ لغیرہ ہواس کا انکار کفر ہونا چاہیئے۔

اگراس مسئلہ میں تأمل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کا حرام لغیرہ کے انکار کے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔پس جس مسئلہ میں علماء کے مابین کفر ہونے میں اختلاف ہوتو اختلاف ہونے اورمتفق علیہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تکفیر تو نہیں کی جائے گی تاہم اسے احتیاطا تجدید ایمان ونکاح کر لینا چاہیئے۔

امام برہان الدین فرماتے ہیں:

ثم ما یکون کفرہ بلا خلاف یوجب احباط العمل ،و یلزمہ اعادۃ الحج ان کان قد حج و یکون وطء ہ مع امرأتہ زنا،و الولد المتولد فی ھذہ الحالۃ یکون ولد الزنا.و ان أتی بکلمۃ الشھادۃ بعد ذلک ،اذا کان الإتیان بکلمۃ الشھادۃ علی وجہ العادۃ و لم یرجع عما قال لأن الأتیان بکلمۃ الشھادۃ علی وجہ العادۃ لا یرتفع الکفر.و ما کان فی کونہ کفرا اختلافا،فان قائلہ یؤمز بتجدید النکاح، وبالتوبۃ والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط .وما کان خطأ من الألفاظ، ولا یوجب الکفر ،فقائلہ مؤمن علی حالہ، ولا یؤمر بتجدید النکاح ،ولکن یؤمر بالاستغفار و لرجوع عن ذلک۔ (المحیط البرھانی:ج:۷/ص:۳۹۹)

پھر جو بغیر کسی اختلاف کے کفر ہوتو وہ اعمال کو برباد کردے گا،اور اس صورت میں اگر اس نے حج کیا ہوتو حج کا اعادہ کرنا ہوگا،اپنی بیوی کے ساتھ وطی کرنا زنا ہوگا اور جو بچہ پیدا ہوگا وہ ولد الزنا ہوگا۔اگر وہ اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے تو اگر یہ محض عادت کے طور پر پڑھا ہواور اس

کفر سے رجوع نہ کیا ہوتو کفر اس سے دور نہ ہوگا اور وہ کافر ہی رہے گا۔اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہوتو اس کے کہنے والے کو احتیاطا تجدید ایمان،توبہ اور رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ جو الفاظ میں سے خطا ہو جبکہ کفر کو واجب نہ کرتا ہوتو وہ مؤمن ہی ہوگا اسے تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا لیکن اسے مغفرت طلب کرنے اور اس خطا سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

نعم سیذکر الشارح أن ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل و النکاح ،و ما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار و التوبۃ و تجدید النکاح اھ و ظاھرہ أنہ أمر احتیاط۔ (ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۶۷)

شارح عنقریب اس کا ذکر فرمائیں گے کہ جو عمل بالاتفاق کفر ہے وہ اعمال اور نکاح کو برباد کر دیتا ہے اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اسے استغفار اور توبہ کرنے اور نکاح کی تجدید کا حکم دیا جائے گا۔انتہی،ظاہر یہی ہے کہ یہ بات احتیاط کے طور پر کہی گئی ہے۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ان المسئلۃ اذا کانت مختلفا فیھا لا یجوز تکفیر المسلم بھا۔
(شرح الفقہ الأکبر:ص:۱۷۷)

جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتو اس میں کسی مسلمان کی تکفیر کرنا جائز نہیں۔

شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فان کان مستحلا لہ فقد جزم صاحب المبسوط و الاختیار و فتح القدیر و غیرھم بکفرہ .و ذکر القاضی الاسبیجابی بصیغۃ :و قیل،و صحح أنہ لا یکفر صاحب الخلاصۃ.و یوافقہ ما نقلہ أیضا من الفصل الثانی فی ألفاظ الکفر :

من اعتقد الحرام حلالا أو علی القلب یکفر اذا کان حراما لعینہ

،و ثبت حرمته بدليل مقطوع به ،أما اذا كان حراما لغيره بدليل مقطوع به أو حراما لعينه بأخبار الاحاد لا يكفر اذا اعتقد حلالا اهـ فعلى هذا :لا يفتى بتكفير مستحله لما في الخلاصة أن المسألة اذا كان فيه وجوه توجب التكفير و وجه واحد يمنع، فعلى المفتي أن يميل الى ذلك الوجه(البحر الرائق:ج:١/ص:٤٠٥)

اگر وہ اسے (حیض کی حالت میں وطی کرنے کو) حلال جانتا ہو تو صاحب مبسوط،صاحب اختیار اور صاحب فتح القدیر کے علاوہ اور دوسرے علماء نے اس کے کافر ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔قاضی اسبیجابی نے 'قیل' کے صیغہ کے ساتھ فرمایا ہے کہ صاحب خلاصہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ وہ کافر نہیں ہوگا۔اور اس کی موافقت اس سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے دوسری فصل میں کفریہ الفاظ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جو حرام کو اعتقادا حلال جانے یا حلال (منصوص علیہ) کو حرام جانے تو اگر وہ حرام لعینہ ہو اور اس کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہو وہ کافر ہو جائے گا،جبکہ اگر وہ حرام لغیرہ ہو اور دلیل قطعی سے ثابت ہو یا حرام لعنیہ ہو اور اخبار احاد سے ثابت ہو تو اسے حلال جاننے کی صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا۔اس بنیاد پر حیض کی حالت میں وطی کو حلال جاننے والے کی تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا کیونکہ اگر کسی مسئلہ میں کئی وجوہ ایسی ہوں جو کفر کو واجب کرتی ہوں اور ایک وجہ ایسی ہو جو کفر کو روکتی ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو جو کفر کو واجب نہیں کرتی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

و عن ابراهيم بن رستم ان استحل الجماع في الحيض متأولا ان النهي ليس للتحريم او لم يعرف النهي لا يكفر لانه ان عرف ان النهي للتحريم و مع ذلك استحل الجماع فيه كان كافرا و عن شمس الأئمة السرخسي عليه الرحمة ان استحلال الجماع في

المحیض کفر من غیر تفصیل۔ (فتاویٰ قاضی خان: ج:۲/ص:۴۶۹)

ابرہیم بن رستم سے مروی ہے کہ حیض کی حالت میں جماع کرنے کو تاویل کرتے ہوئے حلال جاننا کہ اس کی تحریم نہی کیلئے نہیں ہے تو وہ کافر نہیں ہو گا۔ کیونکہ اگر اس نے حالت حیض میں جماع کو اس طور پر حلال جانا کہ اس میں نہی تحریم کیلئے ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ حضرت شمس الائمہ امام سرخسی سے منقول ہے کہ حیض کی حالت میں جماع کو حلال جاننا بغیر کسی تفصیل کے کفر ہے۔ یعنی اگر کسی نے آیت مقدسہ **لا تقربوا ھن فی المحیض** میں نھی کو تحریم کے بجائے کراہت کے لئے سمجھا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ لیکن امام سرخسی نے اسے ہر صورت میں کافر قرار دیا ہے۔

اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ کیونکہ حرام لغیرہ کے انکار کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے لہذا اس کے مرتکب کو کافر قرار دے کر مرتد کے احکامات تو جاری نہیں کئے جائیں گے البتہ اسے احتیاطاً توبہ و استغفار، تجدید ایمان و نکاح اور اپنے قول سے رجوع کرنے کا حکم کیا جائے گا۔ فقہاء کی ان عبارات سے مسئلہ تکفیر میں ان کے کمال احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہم نے اس مسئلہ میں کئی ایک کتب اصول فقہ و فقہ کا مطالعہ کیا تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ فقہاء کرام نے قبیح لغیرہ کی دو اقسام وصفی اور جواری میں ایک دقیق فرق کو ملحوظ رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ قبیح وصفی میں انفکاک ممکن نہیں ہوتا جبکہ قبیح جواری میں انفکاک ممکن ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر ان کے انکار کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

قبیح وصفی کے بارے میں شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و ھو ما یکون لا زما للمنھی عنه بحیث لا یقبل الانفکاک

(فتح الغفار: ص:۹۴)

اور قبیح وصفی وہ ہے جس میں وصف منع کردہ شے کے ساتھ اس طور پر لازم ہوتا ہے کہ جدائی کو قبول نہیں کرتا۔

اس کی مثال کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

و صوم یوم النحر مثال لما قبح لغیرہ لا لذاته لأنه یوم کسائر

الأيام و انما قبح لما فيه من الاعراض عن ضيافة الله تعالىٰ و الوقت فيه كالوصف اللازم داخل فى تعريفه۔ (فتح الغفار :ص:۹۴)

اورنحر کے دن روزہ رکھنا اس کی مثال ہے جو کسی غیر کی وجہ سے وصفی طور پر قبیح ہوتا ہے نہ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے، کیونکہ وہ بھی تمام دنوں کی طرح ایک دن ہے اور اس دن روزہ رکھنا اسی لئے قبیح ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے اعراض کرنا ہے اور وقت اس میں وصف لازم کی طرح ہے کیونکہ وہ اس کی تعریف میں داخل ہے۔

مثال کے طور پر سود سے ممانعت، یہ ممانعت زیادت کی وجہ سے ہے جبکہ زیادت نہ تو عقد بیع ہے اور نہ ہی اس کا جزو بلکہ اس کا ایسا وصف ہے جو اس سے لازم ہے اور اس سے جدانہیں ہوتا یا جیسے عید کے دن روزہ رکھنا کی ممانعت، اصلا روزہ رکھنا تو حلال ہے لیکن اگر کسی شخص نے عیدین کے دن روزہ رکھا تو یہ حرام ہے کیونکہ حدیث میں وارد ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

امام مسلم روایت فرماتے ہیں:

عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله ﷺ نهى عن صيام يومين يو م الأضحى و يوم الفطر

(صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب تحریم صوم یومی العیدین)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم اضحیٰ اور یوم فطر کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

ان دونوں میں علماء کے نزدیک روزہ رکھنا حرام ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مان لی اور روزہ رکھ لیا یا اس دن نفلی روزہ رکھ لیا تو آیا نذر درست ہوگی یا نہیں اور اس کا روزہ ہوگا یا نہیں؟ احناف کے نزدیک یہ نذر منعقد ہو جاتی ہے۔نذر ماننے والے پر لازم ہے کہ عید کے دن روزہ نہ رکھے اور قضاء کرے لیکن اگر ان ایام میں اس نے روزہ رکھ لیا تو ان ایام میں روزہ کی حرمت کے باوجود اس کا روزہ ہو جائے گا۔کیونکہ اصلا روزہ رکھنا مشروع ہے اور ممانعت اصل صوم سے نہیں بلکہ اس وصف سے ہے جو اس کے ساتھ لازم ہے۔عید کا دن اللہ

تعالیٰ کی جانب سے عام مہمانی یعنی کھانے پینے کا دن ہے اور روزہ بھی دن کو ہی رکھا جاتا ہے۔وقت روزے کے لئے وصف کے درجہ میں ہے اس لئے اس دن روزہ کا اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ کی ضیافت سے اعراض کرنا ہے اور روزہ کے ساتھ ایک غیر مشروع وصف کو اختیار کرنا ہے۔اب یہ ممکن نہیں کہ اس دن روزہ بھی رکھ لے اور اس دن کے تقاضہ کو بھی پورا کرے کیونکہ روزہ پورے دن رہتا ہے اس لئے روزہ اپنی اصل کے اعتبار سے درست ہوگا لیکن نہی کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوگا۔اسے چاہیئے کہ ایسا روزہ توڑ دے۔

قبیح جواری میں انفکاک ممکن ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں قبح امر سے جدا ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اصل عمل میں داخل نہیں ہوتا کہ اس سے قبح کو جدا نہ کیا جاسکتا ہو یعنی اس میں نہی کسی ایسی چیز سے ہوتی ہے جو اس سے ملی ہوئی تو ہوتی ہے مگر اس فعل کے لئے لازم نہیں ہوتی بلکہ جدا ہوسکتی ہے مثلاً غصب کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنے کی ممانعت، یہاں اس فعل کے منع ہونے کی وجہ ناحق کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف ہے یہ قبح فعل سے ملا ہوا تو ہے لیکن لازم نہیں ہے کیونکہ اس کے بغیر بھی اس کا تحقق ہوسکتا ہے جب کہ قسم اول میں جو وصف قباحت کا باعث ہے وہ اصل عمل کے ساتھ لازم ہوتا ہے اس لئے اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔

اس کی ایک اور مثال جمعۃ المبارک کی اذان کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> **یا یھا الذین امنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعه فا سعوا الی ذکر الله و ذروا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ٥**
>
> (الجمعۃ۶۲:۹)
>
> اے ایمان والو!جب جمعہ کے دن (جمعہ) کی نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

اذان کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت اس چیز کی ذات سے نہیں اور نہ ہی اس کی صفات میں سے کسی صفت سے ہے بلکہ نہی کا تعلق ایک خارجی امر کے ساتھ ہے اور وہ نماز جمعہ کی طرف سعی میں رکاوٹ بننا ہے۔اس قسم میں یہ بات ممکن ہوتی ہے کہ خارج سے کسی شے کے مقارن

ہونے کے باوجود وہ شرعاً جائز ہو جیسے جمعہ مبارک کے دن حدوث کے اعتبار سے پہلی اذان کے وقت بیع کرنا حرام ہے کیونکہ وہ سعی الی ذکر اللہ میں رکاوٹ بنتی ہے لیکن اگر عاقدین ایسی کشتی یا گاڑی میں بیٹھ کر بیع وشراء کریں جو جامع مسجد کی طرف رواں دواں ہو تو ایسی بیع بلا کراہت حلال ہوگی یعنی خارجی طور پر اس شے کے مجاور ہونے کے باوجود اس کا جائز ہونا ممکن ہے کیونکہ اس صورت میں وہ علت نہیں پائی جارہی جس کی وجہ سے عند النداء بیع کرنا حرام ہے۔

قبیح جواری کے بارے میں شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(و البیع وقت النداء)مثال لما قبح لغیرہ مجاورا لأنه قبحه لترک السعي الی الجمعة لا لذاته و هو قابل للانفکاک اذ قد وجد الاخلال عنها بدون البیع و البیع بدون الاخلال کما لو تبایعا و هما یمشیان و من هذا النوع الوطء فی الحیض قبیح للأذی المجاور و الصلاة فی الأرض المغصوبة لشغل ملک الغیر۔ (فتح الغفار:ص:۹۵)

جمعۃ المبارک کے دن اذان کے وقت خرید وفروخت کرنا قبیح لغیرہ جواری کی مثال ہے کیونکہ اس کا قبیح ہونا جمعۃ المبارک کی نماز کی طرف سعی کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔یہ اپنی ذات کے اعتبار سے قبیح نہیں اور یہ قابل انفکاک (جدا ہونے کے قابل) ہے کیونکہ کبھی بغیر خرید وفروخت کے بھی اس میں کوتاہی پائی جاتی ہے اور کبھی خرید وفروخت بغیر اس کوتاہی کے ہوتی ہے۔جیسے اگر عاقدین چلتے ہوئے بیع کریں (تو وہ جائز ہوگی) اور اس قسم میں سے حیض کی حالت میں وطی کرنا قبیح ہے اذی (تکلیف) کی وجہ سے جو اس کے ساتھ ہوتی ہے اور غصب کی ہوئی زمین میں نماز پڑھنا ملک غیر میں تصرف کی وجہ سے۔

پھر آگے آپ فرماتے ہیں:

و قد حرر فی التحریر بان النهی عن الفعل الشرعي یکون لغیره فان کان الغیر وصفا لازما أفاد النهي التحریم ان کان قطعیا و

الکراھۃ ان کان ظنیا بحسب الطریق للزوم المنھی و ان کان مجاورا ممکن الانفکاک فالنھی للکراھۃ و لو کان قطعیا کا لبیع وقت النداء۔ (فتح الغفار:ص:۹۶)

اور آپ نے (امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ) نے تحریر میں لکھا ہے کہ کسی فعل شرعی سے منع کرنا کسی خارجی سبب سے ہوتا ہے۔اگر وہ غیر (خارجی سبب) وصف لازم ہوتو نہی کے لازم ہونے کے طریقے کے اعتبار سے اگر وہ قطعی ہے تو نہی حرمت کا فائدہ دے گی اور اگر ظنی ہوتو کراہت کا فائدہ دے گی۔اور اگر غیر (خارجی سبب) جواری ہو جس کا جدا ہونا ممکن ہوتو نہی کراہت کے لئے ہوگی اگر چہ اس کا ثبوت قطعی ہو جیسے اذان کے وقت خرید وفروخت کرنا۔

علماء اصول کی اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ فقہاء نے قبیح لغیرہ وصفی اور قبیح لغیرہ جواری میں قابل انفکاک اور نا قابل انفکاک ہونے کے دقیق فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔اسی وجہ سے ان کے نزدیک قبیح لغیرہ وصفی اگر دلیل قطعی سے ثابت ہوتو حرمت کا اور قبیح لغیرہ جواری اگر چہ دلیل قطعی سے ثابت ہو کراہت کا فائدہ دیتا ہے۔لہذا اس بناء پر دونوں کے انکار کا حکم بھی مختلف ہوگا یعنی اگر کوئی شخص قبیح لغیرہ وصفی کا انکار کردے جبکہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے بھی ہوتو وہ کافر ہو جائے گا اور قبیح لغیرہ کے انکار یا اس کو حلال جاننے کی صورت میں اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔پس یہ معلوم ہوا کہ حرام لغیرہ کا انکار صرف ایک ہی صورت میں کفر ہے اور وہ قبیح لغیرہ وصفی کا انکار ہے جب کہ اس کا ثبوت قطعی ہو۔

خلاصہ:

۱۔ فرض کا انکار کرنا کفر ہے جیسے نماز، زکوۃ وغیرہ کی فرضیت کا انکار کردینا۔

۲۔ محض بلا عذر ترک فرض سے کوئی کافر نہیں ہوتا البتہ اگر فرض یا کسی بھی ثابت شدہ امر شرعی کو استخفافا ترک کیا جائے تو یہ کفر ہوگا۔

۳۔ حرام لعینہ کا انکار اس صورت میں کفر ہے جب کہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو جیسے زنا کرنا

اور ماں سے نکاح کرنے کی حرمت اور اگر اس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو جیسے قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا تو اس کا انکار کفر نہیں ہوگا۔

۴۔ حرام لغیرہ کی چار صورتیں ہیں:

ا۔ قبیح لغیرہ وصفی، جس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو، جیسے ربا کی حرمت۔

ب۔ قبیح لغیرہ وصفی، جس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو، جیسے عید کے دن روزہ رکھنا۔

ج۔ قبیح لغیرہ جواری، جس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو، جیسے جمعۃ المبارک کی اذان کے وقت خرید وفروخت کرنا۔

د۔ قبیح لغیرہ جواری، جس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو، جیسے چھینی ہوئی زمین پر نماز ادا کرنا۔

ان تمام صورتوں میں صرف پہلی صورت (قبیح لغیرہ وصفی، جس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو) میں حرام لغیرہ کا انکار کفر ہوگا اور باقی تمام صورتوں میں سے کسی کا انکار کفر نہیں۔ البتہ تیسری قسم (قبیح لغیرہ جواری، جس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو،) کا انکار کرنے کی صورت میں احتیاطا ایمان اور نکاح کی تجدید کر لینا چاہیئے۔

۵۔ محض بلا عذر حرام کے ارتکاب سے کوئی کافر نہیں ہوتا البتہ اگر اسے استخفافا کیا جائے تو یہ کفر ہوگا۔

۶۔ کسی ایسے متفق علیہ حلال کا انکار کرنا جس کی حلت پر نص وارد ہوئی ہو، کفر ہے جیسے بیع کے حلال ہونے کا مطلقا انکار کر دینا۔

۷۔ کوئی ایسا امر دین جس کا ذکر قرآن حکیم یا احادیث متواترہ میں ہو تو اگر چہ وہ سنت یا مستحب ہی کیوں نہ ہو اس نفس شے کے دین میں سے ہونے کا اصلا انکار کرنا کفر ہوگا، جیسے اگر کوئی شخص ایام نحر میں قربانی کرنے کے وجوب کا انکار کر دے تو وہ کافر نہیں ہوگا لیکن اگر نفس قربانی کے وجود کا متعمدا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

والشک فی اصل الایمان کفر وضلالۃ

اصل ایمان میں شک کرنا کفر و گمراہی ہے۔

اجماع

کلمہ اجماع' جمع' سے ہے۔جس کے معنی اشیاء کو اکٹھا کرنے اور باہم ملانے کے ہیں۔اسی لئے عربی زبان میں عورت ومرد کے باہم ملنے کو جماع بھی کہا جاتا ہے۔حضرت امام راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الجمع ضم الشئ بتقریب بعضه من بعض یقال جمعته فاجتمع۔

(المفردات)

جمع ایک شے کو دوسری شے کے قریب لاکر ایک کو دوسرے سے ملانا ہے،کہا جاتا ہے میں نے اسے ملادیا تو وہ مل گیا۔

امام ابن منظور افریقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و الاجماع أن یجمع الشئ المتفرق جمیعا

(لسان العرب:ج:۸/ص:۵۷)

اجماع سے مراد متفرق چیز کو جمع کرنا ہے۔

و کذلک یقال أجمعت النهب و النهب ابل القوم التي أغار علیها اللصوص و کانت متفرقة فی مراعیها فجمعوها من کل ناحیة حتیٰ اجتمعت لهم ثم طردوها و ساقوها

(لسان العرب:ج:۸/ص:۵۷)

اور اسی طرح سے کہا جاتا ہے کہ میں نے نہب کو جمع کیا۔نہب قوم کے ان اونٹوں کو کہتے ہیں جن پر راتوں رات چوروں نے حملہ کیا ہو اور وہ چراگاہ میں بکھرے ہوئے ہوں،وہ ان کو ہر کنارے سے جمع کریں یہاں تک کہ جب جمع ہوجائیں تو ان کو ہانکتے ہوئے لے جائیں۔

اجماع کے معنی کسی کام کو کرنے کا پختہ عزم کرنے کے بھی ہیں آپ فرماتے ہیں:

قال الفراء الاعداد و العزیمة علی الأمر..........أجمع علیه عزم علیه کأنه جمع نفسه۔ (لسان العرب:ج:۸/ص:۵۷)

فرا نے کہا کہ اجماع کا مطلب تیار کرنا اور کسی امر کا عزم کرنا ہیں۔کہا جاتا ہے
اُجمع علیہ یعنی اس نے اس کام کا عزم کیا گویا کہ اس نے اپنی ہمت کو جمع کیا۔

کسی کام کوکرنے کے لئے جب پختہ عزم کیا جاتا ہےتو دراصل انسان اپنی تمام ہمتوں کو اس کام کے کے جمع کرتا ہےاسی لئے اجماع کا ایک معنی عزم کرنے کا بھی ہے۔

حضرت محمد مرتضٰی زبیدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(و الاجماع)أی اجماع الأمة (الاتفاق)یقال أمر مجمع علیه أی متفق علیه۔ (تاج العروس:ج:۵/ص:۳۰۷)

اور اجماع امت سے مراد اتفاق ہے ۔کہا جاتا ہے امر مجمع علیہ یعنی وہ کام جس پرسب کا اتفاق ہو۔

اجماع کی اس مختصر لغوی بحث سے یہ معلوم ہوا کہ اجماع کے معنی جمع کرنا،اتفاق کرنا اور کسی کام کے کرنے کا عزم ہیں۔عزم کرنے کو بھی اجماع اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی کام کا عزم کرنے والا درحقیقت اپنی ہمت کو جمع کرتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

اللہ رب العزت نے اس امت کو خیر الامم بنایا ہے اور اجتماعی طور پر اس امت کو گمراہ ہونے سے محفوظ فرمایا ہے ۔یہ صرف نبی کریم ﷺ کی امت اخیرہ کا خاصہ ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تؤمنون بالله۔ (ال عمران۳:۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے،تم بھلائی کا حکم دیتے ہواور برائی سے منع کرتے ہواور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس امت کو مجموعی طور پر گمراہیت سے محفوظ رکھنے اور دین کی تعلیمات کی حفاظت کے لئے اللہ رب العزت ہر دور میں ایسے مجتہدین اور اہل بصیرت عادل لوگ پیدا فرماتا ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں اہل اسلام کو ہدایت کی راہ بتاتے ہیں ۔ان لوگوں کا راستہ ہی صراط مستقیم اور حق

ہوتا ہے کیونکہ ان کا تعلق انعام یافتہ بندوں کے گروہ سے ہوتا ہے۔اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مجمع علیہ یعنی ایسے مسائل جن پر تمام کا اتفاق ہو، سے روگردانی کرتا ہے تو وہ ضلالت کے عمیق گڑھوں میں گر جاتا ہے اور دین حق سے دور کر دیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی و نصله جهنم و ساء ت مصیرا ○

(النساء۴:۱۱۵)

اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے بعد کے اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو چکی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس مبارک گروہ کے بارے میں فرمایا:

لا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین حتیٰ تقوم الساعة۔

(مسلم: رقم الحدیث:۳۰۴)

میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

ایک اور مقام پر اس گروہ کے بارے میں فرمایا:

لا تجتمع امتی علی الضلالة۔ (سنن أبي داؤد والترمذی)

میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

اجماع صرف اسی امت کا معتبر ہے۔حضرت امام ابواسحاق فیروز آبادی شافعی فرماتے ہیں:

و اعلم ان اجماع سائر الامم سوی هذه الامة لیس بحجة۔

(اللمع: ص:۹۰)

جان لو کہ اجماع تمام امتوں میں سے صرف اس امت کے سوا کسی کا حجت نہیں۔

پس اس امت کے علماء و مجتہدین کا کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینا اس کے حق ہونے کی علامت ہے۔اجماع اصول اربعہ میں سے ایک اہم اصل ہے۔ اصطلاح میں اجماع کا مطلب کسی زمانے کے مجتہدین کا حضور نبی کریم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد کسی امر پر جمع ہو جانا ہے۔

امام ابوزید دبوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

حد الاجماع الذی ھو حجة :اجماع علماء العصر من أھل العدالة و الاجتهاد علی حکم۔ (تقویم الأدلۃ:ص:۲۸)

اجماع جو حجت ہے اس سے مراد زمانے کے تمام علماء جو اہل عدالت اور اجتہاد میں سے ہوں،کا کسی امر شرعی پر اتفاق کر لینا ہے۔

یادرہے کہ اجماع اصطلاحی کا اعتبار حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کیا جائے گا۔

علامہ حسنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(و القیاس لا یصلح ناسخا)و لا منسوخا (و کذا الاجماع عند الجمهور)اذ لا اجماع فی حیاة الرسول (ﷺ)و لا نسخ بعده۔ (افاضۃ الأنوار:ص:۲۰۳)

اور قیاس نہ ناسخ ہوتا ہے اور نہ ہی منسوخ ،اور اسی طرح جمہور کے نزدیک اجماع کبھی ناسخ و منسوخ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اجماع نبی مکرم ﷺ کی حیات کے بعد ہوتا ہے اور نسخ آپ ﷺ کی وفات کے بعد نہیں ہوتا۔

علامہ حسنی کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اجماع جمہور کے نزدیک ناسخ یا منسوخ نہیں ہوتا کیونکہ نسخ (اصطلاحی) نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد نہیں ہوتا اور اجماع آپ ﷺ کی حیات میں نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارک میں اس کا اعتبار کیا جائے تو وہ سنت بن جائے گا۔

اجماع کی تعریف میں اس بات کا بھی لحاظ کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد کسی بھی زمانے کے علماء کا کسی بھی امر شرعی پر اتفاق کر لینا اجماع ہے۔اس اتفاق میں نبی کریم ﷺ کی وفات سے لے کر قیامت تک تمام علماء کا متفق ہونا شرط نہیں بلکہ ہر دور کے مجتہدین کے اتفاق کا اعتبار ہے۔امام دبوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و لأن الله تعالىٰ جعلهم خير أمة يأمرون بالمعروف و جعل اجماعهم حجة،و صفة الخيرية با لأمر و النهي عن المنكر لا يتصور اثباتها الا مع الحياة فان ا لميت لا يتصور منه الأمر بالمعروف فثبت أنه لم يرد بهذة الكلمة جماعة الأمة من حين رسول الله (ﷺ)الى يوم القيامة و لكن أمته الأحياء فى كل عصر۔ (تقویم الأدلۃ :ص۳۲)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نیکی کی دعوت دینے کی وجہ سے سب سے بہتر امت بنایا ہے۔اور ان کے اجماع کو حجت قرار دیا ہے،اور نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے بہترین امت ہونے کی صفت کے اثبات کا تصور زندگی کے بغیر نہیں ہوسکتا کیونکہ مردہ سے امر بالمعروف متصور نہیں ہوسکتا پس یہ ثابت ہوا کہ خیر امۃ سے مراد نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ سے لے کر قیامت تک تمام جماعت امت مراد نہیں ہے بلکہ اس امت کے ہردور کے زندہ افراد مراد ہیں۔

حضرت امام ابوبکر رازی فرماتے ہیں:

مذهب اصحابنا و عامة الفقهاء ان اجماع اهل الاعصار حجة۔ (الفصول فی الاصول:ج:۲/ص:۱۱۸)

ہمارے علماء اور عام فقہاء کا یہی مذہب ہے کہ ہر زمانہ کے علماء کا اجماع حجت ہے۔

امام زرکشی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و قولنا فى عصر من الأعصار ليرفع وهم من يتوهم أن المراد بالمجتهدين من يوجد الى يوم القيمه وهذا التوهم باطل فانه يؤدى الى عدم تصور الاجماع۔ (البحر المحیط:ج:۶/ص:۳۸۰)

ہمارا زمانے کے علماء کی شرط لگانا اس لئے ہے تا کہ اس شخص کا وہم رفع ہو جائے جو یہ وہم رکھتا ہے کہ مجتہدین سے مراد وہ ہیں جو قیامت تک آئیں

گے ۔ یہ باطل توہم ہے کیونکہ اس صورت میں اجماع کا تصور ہی معدوم ہو جائے گا۔

علماء کا مجتہد اور عادل ہونا ضروری ہے اس باب میں غیر مجتہدین اور عوام کا اعتبار نہیں ہے۔مجتہد ہونے کے ساتھ فقہاء۔ نے فسق وفجور سے پاک ہونے کی شرط بھی لگائی ہے کیونکہ فسق وفجور سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

امام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اما فی اصول الدینالممهدة مثل نقل القرآن و مثل امهات الشرایع فعامة المسلمین مع الفقهاء فی ذلک الاجماع فأما ما یختص بالرأی والاستنباط و ما یجری مجراه فلا یعتبر فیه الا اهل الرأی و الاجتهاد و کذلک من لیس من اهل الرأی و الاجتهاد من العلماء فلا یعتبر فی الباب الا فیما یستغنی عن الرأی. (أصول البزدوي:ص:۲۴۳)

اور جہاں تک دین کے بنیادی اصولوں کا تعلق ہے جیسے قرآن اور شریعت کی بنیادیں تو ان میں عام مسلمان اس اجماع میں تمام فقہاء کے ساتھ ہیں اور جہاں تک اس اجماع کا تعلق ہے جو رائے اور استنباط اور اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں سوائے اہل رائے اور اہل اجتہاد کے کسی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا ۔اسی طرح وہ علماء جو اہل رائے اور اہل اجتہاد میں سے نہیں ہیں ان کا بھی اس باب میں اعتبار نہیں کیا جائے گا سوائے ان معاملات کے جو رائے سے مستغنی ہیں۔

علامہ حصنی فرماتے ہیں:

(و أهل الاجماع من کان مجتهدا)فلا یعتبر باتفاق العوام ،و فقیه لیس بأصولی ،و أصولی لیس بفقیه کما فی التقریر (الا فیما یستغنی فیه عن الاجتهاد) کأصول الدین و أعداد الرکعات و الاستحمام ،فاجماع العوام فیه کاجماع المجتهدین(و لیس

فیہ)أي المجتهد(هوى)أى بدعة(و لا فسق)لسقوط العدالة۔

(افاضۃ الأنوار:ص:۲۰۹)

اور اہل اجماع وہ ہے جو مجتہد ہو۔پس اجماع کا اعتبار عوام کے اتفاق سے نہیں ہوگا۔اور فقیہ اصولی نہیں ہوتا اور نہ اصولی فقیہ ہوتا ہے جیسا کہ تقریر میں ہے۔سوائے ان امور کے جن میں اجتہاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔جیسے دین کے اصول،رکعات کی تعداد،اورحمام جانا وغیرہ پس عوام کا اجماع ان میں مجتہدین کی ہی طرح ہے۔اور مجتہد میں بدعت اور فسق نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو اس کے قول کا اجماع میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔حضرت امام علاؤ الدین سمرقندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و لااعتبار بقول الکافر فی الاجماع۔　　(المیزان:ص:۳۳۱)

کافر کے قول کا اجماع میں کوئی اعتبار نہیں۔

علماء کرام کے ان اقوال سے یہ واضح ہوگیا کہ علماء نے اس باب میں اجماعی مسائل کی دو اقسام کی ہیں۔ایک تو وہ مسائل ہیں جو اجتہاد سے مستغنی ہیں یعنی جن میں اجتہاد کی ضرورت نہیں جیسے نماز کی رکعات کی تعداد وغیرہ اور دوسری قسم اجتہادی مسائل سے متعلق ہے۔جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو اس میں عوام مجتہدین کے ساتھ ہیں البتہ اجتہادی مسائل میں صرف مجتہدین جو اہل تقویٰ و ورع ہوں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔یہاں تک کہ ان مسائل میں وہ علماء بھی جو اہلیت اجتہاد کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز نہیں کئے گئے عوام کی طرح ہیں یعنی ان کے اختلاف یا تائید کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

خلاصہ:

۱۔ اللہ رب العزت نے اجتماعی طور پر اس امت کو گمراہ ہونے سے محفوظ فرمایا ہے اور یہ صرف نبی کریم ﷺ کی امت اخیرہ کا خاصہ ہے لہذا اجماع صرف اسی امت کا معتبر ہے۔

۲۔ اجماع حجت ہے اور اس سے مسائل شرعیہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

۳۔ اجماع کے منعقد ہونے کے لئے نبی کریم کے دور مبارک سے لے کر قیامت تک کے تمام علماء کا متفق ہونا شرط نہیں ورنہ اجماع کبھی بھی منعقد نہیں ہوگا۔

۴۔ اجماع ہر دور کے علماء کا معتبر ہے۔

۵۔ اجماع کا اعتبار حضورﷺ کی وفات کے بعد کیا جائے گا۔

۶۔ اجماعی مسائل اگر اصول دین میں سے ہوں تو ان میں عوام کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

۷۔ وہ اجماعی مسائل جن کا تعلق استنباط و اجتہاد سے ہے ان میں صرف اور صرف مجتہدین کا اعتبار کیا جائے گا۔

۸۔ مجتہدین کا عادل ہونا اور بدعتی نہ ہونا شرط ہے۔

۹۔ اجماع نہ ناسخ ہوتا ہے اور نہ ہی منسوخ۔

شرط اجماع:

امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

أن انقراض العصر ليس بشرط لثبوت حكم الاجماع

(اصول السرخسی: ج:۲/ص:۱۰۸)

زمانے کا گزرنا اجماع کے حکم کے ثبوت کے لئے شرط نہیں ہے۔

حضرت امام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال أصحابنا رحمهم الله انقراضُ العصر ليس بشرط لصحة الاجماع۔ (اصول البزدوی: ص:۲۴۳)

ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ زمانے کا گزرنا اجماع کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے۔

اس کی وضاحت میں علامہ حصنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(و انقراض العصر)بموت مجتهديه بعد اتفاقهم ليس بشرط خلافا للشافعي۔ (افاضۃ الأنوار: ص:۲۰۹)

زمانے کا گزر جانا، مجتہدین کی موت کے ساتھ ان کا اتفاق کر لینے کے بعد، شرط نہیں ہے بخلاف امام شافعی کے۔

بعض علماء کے نزدیک جیسے امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک اجماع کے منعقد ہونے اور اس کے شرعی حجت ہونے کے لئے انقراض زمانہ یہاں تک کہ اس دور کے تمام مجتہد وفات پا جائیں شرط ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ آخری عمر میں رجوع کر لے۔البتہ احناف کے نزدیک اس دور کے تمام مجتہدین کا وفات پا جانا شرط نہیں جیسے ہی تمام مجتہدین عصر کا کسی مسئلہ پر اتفاق ہوتا ہے شرعا اجماع منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ اجماع امت اس امت کی کرامت کی وجہ سے معتبر ہے اور وہ تمام ادلہ جو علماء نے اجماع کی حجیت پر دیئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی علماء کی وفات کی شرط نہیں لگائی گئی اگر اس شرط کی زیادتی کی جائے تو یہ زیادتی نسخ ہوگی۔

امام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لکنا نقول ما ثبت به الاجماع حجة لا فصل فيه و انما ثبت مطلقا فلا يصح الزيادة عليه و هو نسخ عندنا

(اصول البزدوي:ص:۲۴۳)

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جس چیز سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہے ان میں تفصیل نہیں ہے۔وہ مطلقا ثابت ہیں پس اس پر زیادتی کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ زیادتی ہمارے نزدیک نسخ ہے۔

شیخ ملا جیون احمد صدیقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و قال الشافعي رحمه الله :يشترط فيه انقراض العصر ،و موت جميع المجتهدين فلا يكون اجماعهم حجة ما لم يموتوا لأن الرجوع قبله محتمل،و مع الاحتمال لا يثبت الاستقرار قلنا : النصوص الدالة على حجية الاجماع لا تفصل بين أن يموتوا أو لم يموتوا۔　(نور الأنوار:ج:۱/ص:۱۸۵)

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ انعقاد اجماع میں زمانے کا گزرنا اور تمام مجتہدین کا انتقال کر جانا شرط ہے،ان کا اجماع اس وقت تک حجت نہیں ہوگا جب تک وہ انتقال نہ کر جائیں کیونکہ انتقال سے قبل رجوع کرنے کا احتمال ہے۔اور احتمال کے ساتھ اطمینان ثابت نہیں ہوگا۔ہم یہ

کہے ہیں کہ وہ تمام نصوص جو اجماع کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں ان میں مجتہدین کے انتقال کرنے یا نہ کرنے کی تفصیل نہیں ہے۔

اجماع کی شرط کے بارے میں صاحب منار فرماتے ہیں:

و الشرط اجماع الکل و خلاف الواحد مانع کخلاف الأکثر۔ (المنار: ص: ۲۱۰)

اور اجماع کی شرط، تمام مجتہدین کا اتفاق ہے۔ اور کسی ایک کا اختلاف بھی اجماع کے انعقاد میں مانع ہو گا جیسے اکثر کا اختلاف (دوسروں کے نزدیک) مانع ہوتا ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

أی فلیس با جماع أصلا فلا یکون حجۃقطعیۃ و لا ظنیۃ۔

(نسمات الأسحار: ص: ۲۱۰)

ایسا اجماع (جس سے اختلاف کوئی ایک مجتہد بھی کرے) اصلا اجماع (شرعی) نہیں ہے پس وہ نہ تو حجت قطعی ہوگا اور نہ ہی حجت ظنی۔

امام ابو اسحاق شیرازی فرماتے ہیں:

و یعتبر فی صحۃ الاجماع اتفاق جمیع علماء العصر علی الحکم فان خالف بعضھم لم یکن ذلک اجماعا قل المخالفون أو کثروا۔ (اللمع فی أصول الفقہ: ص: ۱۸۷)

اور اجماع کی صحت میں زمانہ کے تمام علماء کا حکم پر اتفاق کرنے کا اعتبار کیا جائے گا پس اگر بعض مجتہدین نے ان کی مخالفت کی تو وہ اجماع نہیں ہوگا چاہے مخالفین زیادہ ہوں یا کم۔

احناف کے نزدیک اپنے زمانے کے تمام مجتہدین کا اتفاق کرنا ضروری ہے اگر کسی ایک مجتہد، اہلیت اجماع کے حامل نے بھی اختلاف کیا تو انعقاد اجماع کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اسے اجماع نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ شاید حق اس ایک مجتہد کے ساتھ ہو جس نے اختلاف کیا ہے۔ جبکہ بعض علماء اسے اجماع شرعی تسلیم کرتے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک انعقاد اجماع میں صرف صحابہ کرام یا اہل بیت یا اہل مدینہ منورہ کا اعتبار کیا جائے گا۔اس کے بارے میں امام دبوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و من الناس من قال:ان اجماع أهل كل عصر حجة.
و منهم من قال :لا اجماع لمن بعد الصحابة
و منهم من قال :لا اجماع الا لأهل المدينة
و منهم من قال : لا اجماع الا لعترة الرسول ﷺ لأن الامام منهم و الامام معصوم عن الكذب.
و منهم من قال :لا اجماع اذا كان في السلف من خالفهم.
و الصحيح هو القول الأول ،لان الدلائل التي جعلت الاجماع حجة لم تخص قوما بنسب و لا مكان و لا قرن والأقوال الأربعة الأخيرة مهجورة۔ (تقویم الأدلۃ:۳۱)

اور لوگوں میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ ہر دور کہ علماء کا اجماع حجت ہے۔اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے بعد نہیں ہے۔اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ کہ اجماع صرف اہل مدینہ منورہ کا ہی ہے۔اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اجماع تو صرف نبی کریم ﷺ کی آل ہی کا ہی معتبر ہے کیونکہ انہی میں سے امام ہوتا ہے اور امام جھوٹ سے معصوم ہوتا ہے۔اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ وہ اجماع ہی نہیں ہے کہ جس کے مخالف سلف میں ہوں۔اور صحیح وہ پہلا قول ہے۔کیونکہ وہ تمام دلائل جن سے اجماع حجت قرار پاتا ہے وہ کسی قوم،نسب،مکان،زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔اور تمام آخری چار اقوال متروک ہیں۔

خلاصہ:

علماء عظام کے اقوال کی روشنی میں انعقاد اجماع کی شرائط کا خلاصہ یہ ہے کہ اجماع شرعی

کے انعقاد کے لئے عصر کے تمام اہلیت اجماع کے حاملین کا اتفاق کرنا ضروری ہے۔اگر کسی ایک مجتہد نے بھی اختلاف کیا تو اجماع شرعی منعقد نہ ہوگا۔ جہاں تک اجماع کے انعقاد میں کسی مسئلہ پر متفق ہونے والے تمام مجتہدین کے وفات پا جانے یا مجتہدین کا تعلق کسی خاص زمانے،علاقے، مذہب یاخاندان سے ہونے کا تعلق ہے تو احناف کے نزدیک یہ تمام اجماع کے انعقاد لئے شرط نہیں ہے۔

اجماع کی اقسام

اجماع کی باعتبار انعقاد دو اقسام ہیں:

۱۔اجماع صریح ۲۔اجماع سکوتی

۱۔اجماع صریح:

اجماع صریح سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر تمام مجتہدین اتفاق کریں اور اس رائے کی قبولیت کا اظہار صریحا کر دیں۔صراحتا اظہار کرنے کی دو صورتیں ہیں۔قولی اور عملی،قولی کی صورت تو یہ ہے کہ وہ کہہ دیں کہ ہم اس مسئلہ پر جمع ہو گئے یا اگر اس مسئلہ کا تعلق فعل سے ہے تو وہ عملی طور پر اس کے قبول کرنے کا اظہار کریں جیسے مضاربت،مزارعت یا شرکت وغیرہ میں فعلا اہل اجتہاد کا حصہ لینا۔اجماع کی یہ صورت تمام ائمہ کرام کے نزدیک بلا خلاف حجت ہے۔اجماع کے مطلقا ذکر سے عموما یہی صورت مراد ہوتی ہے۔اسے عزیمت بھی کہا جاتا ہے۔

امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> عزیمة و هو التکلم منهم:بما یوجب الاتفاق أو شروعهم فی الفعل ان کان من بابه لأن رکن کل شئ ما یقوم به ذلک الشئ و الاجماع یقوم بهما۔ (کشف الأسرار:ج:۲/ص:۱۸۰)
>
> عزیمت سے مراد مجتہدین کا ایسے بات کے ساتھ کلام کرنا ہے جو اتفاق کو واجب کر دیتی ہے یا ان کا اس فعل کو شروع کر دینا اگر وہ اس باب سے ہو۔کیونکہ ہر شے کا رکن وہ شے ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ شے قائم ہوتی ہے اور اجماع ان دونوں (قول وفعل) کے ساتھ قائم ہے۔

اجماع سکوتی:

اجماع سکوتی سے مراد یہ ہے کہ زمانے کہ بعض مجتہدین نے صراحتا اتفاق رائے کا اظہار کیا ہو اور باقی مجتہدین نے سکوت اختیار کیا ہو نیز مدت تامل گزرنے کے بعد اسے رد بھی نہ کیا ہو۔اسے رخصت بھی کہا جاتا ہے۔

امام نسفی فرماتے ہیں:

و رخصة و هو أن يتكلم أو يفعل البعض دون البعض بعد البلوغ و مضي مدة الأمل و النظر فى الحادثة۔

(کشف الأسرار: ج:۲/ص:۱۸۰)

اور رخصت سے مراد یہ ہے کہ بعض مجتہدین زبان سے یا فعل سے اتفاق کا اظہار کریں اور بعض نہ کریں جبکہ وہ مسئلہ ان تک پہنچ گیا ہو اور تامل کرنے کی مدت اور اس مسئلہ میں غور وفکر کرنے کا وقت بھی گزر جائے۔

ملا جیون اس اجماع کے بارے میں فرماتے ہیں:

و يسمى هذا اجماعا سكوتيا و هو مقبول عندنا (و فيه خلاف الشافعي رحمه الله)لأن السكوت كما يكون للموافقة يكون للمهابةولا يدل على الرضا۔ (نور الأنوار: ج:۲/ص:۱۸۰/۱۸۲)

اس کو اجماع سکوتی کہتے ہیں۔اور وہ ہمارے نزدیک مقبول ہے۔اور اس میں امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اختلاف ہے کیونکہ جس طرح سکوت موافقت کے لئے ہوتا ہے اسی طرح سکوت خوف وڈر سے بھی ہوتا ہے اور رضامندی پر دلالت نہیں کرتا۔

سبب اجماع:

سبب اجماع کے بارے میں امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و سبب الاجماع نوعان :الداعي الى انعقاد الاجماع ،و الناقل الينا۔ (کشف الأسرار: ج:۲/ص:۱۹۲)

اور اجماع کے سبب کی دو اقسام ہیں۔ انعقاد اجماع کا داعی اور دوسرا اس کو ہم تک نقل کرنے والا

سبب اجماع کی دو اقسام ہیں:

۱) انعقاد اجماع کا داعی

۲) اجماع کو ہم تک نقل کرنے والا ناقل

۱) ناقل:

نقل اجماع سے مراد یہ ہے کہ اجماع کسی زمانے کے مکلفین تک کس ذریعہ سے نقل ہو کر پہنچا ہے۔ اجماع کی منقول ہونے کے اعتبار سے تین اقسام ہیں:

۱) خبر واحد   ۲) مشہور   ۳) متواتر

خبر واحد سے مراد ایسا اجماع ہے جو اتنے راویوں سے مروی ہو جو حد تواتر تک نہ پہنچے ہوں اور متواتر سے مراد اجماع کا خبر متواتر کے طریق پر مروی ہونا ہے۔ جیسے عقیدہ ختم نبوت اور زکوۃ کے منکرین کا کافر ہونا۔

حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(و اذا انتقل الينا اجماع السلف)أي الصحابة (باجماع كل عصر على نقله كان كنقل الحديث المتواتر)فيفيد العلم الضروري(و اذا انتقل الينا بالأفراد)مثل قول أبي عبيدة بفتح العين و كسر الباء السلماني:ما اجتمع أصحاب رسول اللهﷺ كا جتماعهم على محافظة الأربع قبل الظهر و على اسفار الصبح على تحريم نكاح الأخت فى عدة الأخت (كان كنقل السنة بالاحاد)فيوجب العمل دون العلم لأن الحديث لما كان يقينا بأصله و انتقل الينا بالاحاد أوجب العمل فقط فكذا الاجماع،أشار بقوله : كنقل السنة الى أنه نقل بالشهرة كان قريبا من المتواتر كما فى التلويح،و فى التحرير و المنقول

احادا حجة ظنية تقدم على القياس فيجوز فيها الاجتهاد بخلافه

(فتح الغفار:ص:۳۵۵)

یعنی جب ہم تک صحابہ کا اجماع نقل ہو ہر دور کے اجماع کے ساتھ اس کے منقول ہونے پر تو ایسے ہی ہوگا جیسے حدیث متواتر کا منقول ہونا۔پس یہ علم ضروری کا فائدہ دے گا۔اور اگر یہ ہم تک بطریق افراد منقل ہو جیسے حضرت عبیدہ سلمانی کا فرمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب جس طرح ظہر کی نماز سے قبل چار رکعات کی حفاظت ،فجر کو روشنی میں پڑھنے اور بہن سے اس کی بہن کی عدت میں نکاح کی حرمت پر جمع تھے اس طرح کسی اور مسئلہ پر جمع نہ تھے۔تو اس صورت میں یہ اخبار احاد کے نقل ہونے کی طرح ہوگا پس یہ عمل کو واجب کرے گی علم کو نہیں کیونکہ حدیث جبکہ اپنی اصل کے اعتبار سے یقینی ہی ہوتی ہے لیکن ہم تک بطریق احاد منقول ہوتی ہے اسی لئے وہ صرف عمل کو واجب کرتی ہے ،اسی طرح اجماع ہے۔اور آپ نے اپنے قول میں اس کا اشارہ کیا ہے''جیسا کہ سنت کا نقل ہونا ہے سے لے کر اگر وہ بطریق اشتہار منقول ہو تو وہ متواتر کے قریب ہو جائے گی۔جیسا کہ تلویح میں ہے۔اور تحریر میں ہے کہ جو اجماع بطریق احاد منقول ہوگا وہ دلیل ظنی ہے اسے قیاس پر مقدم کیا جائے گا۔اور اس کے خلاف اجتہاد کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت امام بزدوی علیہ الرحمۃ خبر واحد کے طریق پر منقول اجماع کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

و سئل عبد الله بن مسعود عن تكبير الجنازة فقال كل ذلك قد كان الا أني رأيت اصحاب محمد ﷺ يكبرون اربعا۔

(اصول البزدوي:ص:۲۴۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تکبیرات جنازہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تمام طریقے پہلے

موجود تھے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے کہ وہ چار تکبیرات کہا کرتے تھے۔

حضرت امام سرخسی بطریق خبر واحد منقول اجماع کے بارے میں علماء کے اختلاف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> و من الناس من أنکر ثبوت الاجماع بخبر الواحد لأن الاجماع یوجب العلم قطعا و خبر الواحد لا یوجب ذلک،و ھذا خطأ بین فان قول رسول الله ﷺ موجب للعلم أیضا ثم یجوز أن یثبت ذلک با لنقل بطریق الاحاد علی أن یکون موجبا للعمل دون العلم ،فکذلک الاجماع یجوز أن یثبت با لنقل بطریق الاحاد علی أن یکون موجبا للعمل۔ (اصول السرخسی:ج:۱/ص:۳۰۳)

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اجماع کے بطریق خبر واحد منقول ہونے کا انکار کیا ہے کہ اجماع علم قطعی کا فائدہ دیتا ہے اور خبر واحد اس کا فائدہ نہیں دیتی ،یہ واضح غلطی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد علم کو بھی واجب کرتا ہے پھر یہ جائز ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان مبارک بطریق اخبار احاد اس طور پر منقول ہو کہ عمل کو واجب کر دے تو اسی طرح اجماع میں بھی یہ صورت جائز ہے کہ وہ بطریق اخبار احاد اس طور پر منقول ہو کہ عمل کو واجب کر دے۔

داعی:

اسے مستند الاجماع بھی کہا جاتا ہے۔اس سے مراد وہ امور ہیں جن پر اجماع کی بنیاد ہوتی ہے۔تشریع کا حق کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ہے اسی لئے اجماع کے لئے کسی ایسی سند یا بنیاد کا ہونا ضروری ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جن مسائل پر اجماع کیا ہے اس کی سند قرآن و سنت میں ہمیں ضرور ملتی ہے۔اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ اجماع کی سند قرآن حکیم اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام

ہو سکتے ہیں البتہ قیاس و استنباط کے سند ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ احناف اور جمہور علماء کے نزدیک قیاس اجماع کی سند بن سکتا ہے۔

حضرت امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اعلم بأن سبب الاجماع قد یکون توقیفا من الکتاب و السنة ،أما الکتاب فنحو الاجماع علی حرمة الأمهات و البنات ،سببه قوله تعالیٰ :حرمت علکیم امهاتکم و بناتکم، و أما من حیث السنة فنحو الاجماع علی أن فی الیدین الدیة و فی احدهما نصف الدیة ،و الاجماع علی أنه لا یجوز بیع الطعام المشتري قبل القبض و ما أشبه ذلک، فان سببه السنة المرویة فی الباب

(اصول السرخسی: ج:۱/ ص:۳۰۱)

جان لو کہ اجماع کا سبب بعض اوقات کتاب اللہ اور سنت سے توقیفی ہوتا ہے۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے تو جیسے ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح کی حرمت پر اجماع ہے۔اس کا سبب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **حرمت علکیم امهاتکم و بناتکم** تم پر تمہاری ماؤں اور بیٹیوں کو حرام کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو جیسے اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں ہاتھوں میں دیت ہے اور ایک ہاتھ میں نصف دیت ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ خریدے ہوئے کھانے کی قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں وغیرہ ان تمام کا سبب روایت کردہ احادیث ہیں۔

آگے آپ قیاس کے سند ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

و من ذلک ما یکون مستنبطا با لاجتهاد علی ما هو المنصوص علیه من الکتاب و السنة۔ (اصول السرخسی: ج:۱/ ص:۳۰۱)

اور ان میں سے ایک سبب وہ بھی ہے جو اجتہاد سے مستنبط ہوتا ہے جس پر کتاب اللہ اور سنت سے نص وارد ہوئی ہے۔

اس کی مثالیں دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

و لما اختلفوا في الخليفة بعد رسول الله عليه السلام قال عمر:ان رسول الله ﷺ اختار أبا بكر لأمر دينكم فيكون أرضى به لأمر دنياكم.فأجمعوا على خلافته ،و سبب اجماعهم على الحد على شارب الخمر على ما روى أن عمر رضى الله عنه لما شاورهم في ذلك قال على رضى الله تعالىٰ عنه:انه اذا شرب هذى و اذا هذى افترى و حد المفترين في كتاب الله ثمانون جلدة۔ (اصول السرخسی:ج:۱/ص:۳۰۱)

اور جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ بنانے پر اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمہارے دین کے امر کے لئے منتخب فرمایا تھا تو انہی کو تمہارے دنیاوی امور کا امیر بنانے پر زیادہ راضی ہوں گے۔پس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کی خلافت پر اجماع کرلیا۔اور ان کے شراب پینے والے کی حد پر اجماع کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا تو تو حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ شراب پیئے گا تو اس کی عقل خراب ہوگی اور جب اس کی عقل خراب ہوگی تو یہ تہمت لگائے گا اور تہمت لگانے والے کی حد قرآن حکیم میں اسی (۸۰) کوڑے بیان ہوئی ہے۔

ایک روایت منقول ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر بیعت نہیں کی تھی جس کی وجہ سے بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر اجماع کیونکر ہوا؟اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی طرف یہ بات غلط منسوب کی گئی ہے اور محققین کے مطابق یہ روایت موضوع ہے۔

حضرت امام ابن حجر ہیتمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و أخرج احمد أن أبا بكر رضى الله تعالىٰ عنه لما خطب يوم السقيفة لم يترك شيئا أنزل في الأنصار و ذكره رسول الله

ﷺ في شأنهم الا ذكره و قال لقد علمتم أن رسول الله ﷺ قال لو سلك الناس واديا و سلكت الأنصار واديا لسلكت وادي الأنصار و قد علمت يا سعد أن رسول الله ﷺ قال و أنت قاعد: قريش ولاة هذا الأمر فبر الناس تبع لبرهم و فاجرهم تبع لفاجرهم .فقال سعد صدقت نحن الوزراء و أنتم الأمراء. و يؤخذ منه ضعف ما حكاه ابن عبد البر أن سعدا أبى أن يبايع أبا بكر حتى لقي الله۔ (الصواعق المحرقۃ :ص:۱۲)

حضرت امام احمد نے تخریج کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یوم سقیفہ میں خطاب کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن حکیم اور سنت میں انصار کے فضائل میں سے بیان کیا تھا وہ سب ذکر کیا اور ان میں سے کچھ نہ چھوڑا۔ اور فرمایا کہ تم سب اس بات کو جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار ایک دوسری وادی میں چلیں تو میں ضرور اس وادی میں چلوں گا جس میں انصار چلیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم اس بات کو ضرور جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور تم بیٹھے ہوئے تھے کہ قریش اس امر کے سر پرست ہیں۔ لوگوں میں سے نیکو کاران کے نیک شخص کے تابع ہیں اور لوگوں میں سے فاجر ان کے فاجر کے تابع ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سچ فرمایا: ہم وزیر ہیں اور آپ امیر ہیں۔ اس سے ابن عبد البر کے نقل کردہ اس قول کا ضعف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی وفات تک ان کی بیعت نہ کی تھی۔

پھر آگے آپ فرماتے ہیں:

قد علم ما قدمناه أن الصحابة رضوان الله عليهم اجمعوا على

ذلک و أن ما حکی من تخلف سعد بن عبادة عن البیعة مردود

(الصواعق المحرقة :ص:۱۳)

اور ہم نے جو کچھ پیچھے بیان کیا ہے اس سے ہم نے یہ جان لیا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا تھا اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے رہ جانے کا جو واقعہ نقل کیا جاتا ہے وہ مردود ہے۔

اصحاب ظواہر اسے حجت نہیں مانتے۔امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ینعقد عن خبر الواحد ،و لا ینعقد عن القیاس لاختلاف الناس فی القیاس أنه حجة أم لا ،فکیف یصدر الاجماع عن نفس الخلاف　　(کشف الأسرار:ج:۲/ص:۱۹۲)

اجماع خبر واحد اور قیاس کے سبب ہونے کی صورت میں منعقد نہیں ہوتا کیونکہ قیاس کے حجت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حجت ہے یا نہیں۔تو اجماع ایسی شے سے کیسے صادر ہوگا جو خود مختلف فیہ ہے۔

اصحاب ظواہر کا یہ اختلاف درست نہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرام کا اجماع کی سند قیاس و استنباط کو ٹھہرانا ثابت ہے اسی لئے جمہور علماء اسے سند مانتے ہیں۔

حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ قیاس سند اجماع بننے کے بارے میں فرماتے ہیں:

(والقیاس)و هو قول الجمهور فهو جائز لأنه لا مانع الا الظنیة و لیست مانعة کا لاحاد۔　　(فتح الغفار:ص:۳۵۴)

اور قیاس کا سبب اجماع بننا جائز ہے۔اور یہ جمہور علماء کا قول ہے کیونکہ اس میں کوئی شے مانع نہیں ہے (دوسروں کے نزدیک) سوائے ظنیت کے تو جس طرح ظنیت اخبار احاد کے حجت ہونے میں مانع نہیں ہوتی اسی طرح یہ اس میں بھی مانع نہیں۔

یعنی جس طرح سے خبر واحد سند اجماع بن سکتی ہے اسی طرح قیاس بھی سند اجماع بن سکتا ہے کیونکہ ظنیت اجماع کی سند بننے سے مانع نہیں۔

مراتب اجماع

حضرت امام دبوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و قد حكى مشايخنا عن محمد بن الحسن نصا: أن اجماع أهل كل عصر حجة الا أنه على مراتب أربعة.

فالأقوى اجماع الصحابة نصا لأنه لا خلاف فيه بين الأمة لأن العترة يكونون فيهم ،و كذلك أهل المدينة.

ثم الذي ثبت بنص بعضهم و سكوت الباقين ،لأن السكوت في الدلالة على التقرير دون النص.ثم اجماع من بعد الصحابة على حكم لم يظهر فيه قول من سبقهم لأن الصحابة كانوا خلفاء الرسول ﷺ و من بعدهم كانوا خلفاء الصحابة ....و لأن النبي ﷺ قال:خير الناس رهطي الذين أنا فيهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يفشو الكذب،فرتبهم رسول الله ﷺ على مراتب فى الخيرية.

فكذلك نحن نرتبهم فى كونهم حجة لأنه نهاية ما ينتهي اليه صفة الخيرية.ثم اجماعهم على حكم سبقهم فيه مخالف لأن هذا فصل اختلف فيه العلماء و الفقهاء۔ (تقویم الأدلۃ:ص:۳۲)

اور ہمارے مشائخ نے حضرت امام محمد بن حسن علیہ الرحمۃ سے صراحتاً نقل کیا ہے کہ ہر زمانے کے اہل لوگوں کا اجماع حجت ہے مگر یہ کہ اس کے کچھ مراتب ہیں:

سب سے زیادہ قوی اجماع صحابہ کا صریح اجماع ہے کیونکہ اس میں امت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے اور۔ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت اور اہل مدینہ منورہ بھی انہی میں سے ہیں۔

پھر اس کے بعد وہ اجماع ہے جو بعض مجتہدین کی صراحت اور بعض کے

سکوت سے ثابت ہو کیونکہ ان کا سکوت ان کے اطمینان پر دلالت کرتا ہے۔اس کا درجہ اجماع صریح سے کم ہے۔

پھر اس کے بعد صحابہ کے بعد ایسے مسئلہ پر اجماع ہے جس کا صحابہ کے دور میں خلاف ثابت نہ ہو۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ ﷺ کے خلفاء تھے اور جو ان کے بعد کے لوگ ہیں وہ صحابہ کے خلفاء ہیں ۔۔۔۔۔۔۔اور کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہتر لوگ میرے گروہ کے لوگ ہیں جن میں موجود ہوں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہوں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہوں۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

پس رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے بہتر ہونے کے مراتب کے اعتبار سے ترتیب فرمایا۔

پس اسی طرح ہم بھی انہیں ان کے حجت ہونے کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ انتہا ہے جس پر بہتر ہونے کی صفت ختم ہو جاتی ہے۔

پھر اس کے بعد اس اجماع کا مرتبہ ہے جس میں علماء کا اجماع کسی ایسے حکم پر ہو جس میں ان کا مخالف گزر چکا ہو کیونکہ اس فصل میں علماء اور فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرت امام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ثم هذا على مراتب فاجماع الصحابة مثل الاية و الخبر المتواتر و اجماع من بعدهم بمنزلة المشهور من الحديث و اذا صار الاجماع مجتهدا فى السلف كان كالصحيح من الاحاد و النسخ فى ذلك جائز بمثله اذا ثبت حكم باجماع عصر يجوز أن يجتمع اولئك على خلافه فينسخ به الاول۔

(اصول البزدوی:ص:۲۴۷)

پھر اجماع کی تقسیم اپنے مراتب کے اعتبار سے ہے۔پس صحابہ کا اجماع آیت اور حدیث متواتر کی مثل ہے اور ان کے بعد کا اجماع حدیث مشہور کے مقام

میں ہے اور جب اجماع سلف کے مابین مقام اجتہاد بن جائے تو اس صورت میں وہ اخبار احاد میں سے صحیح کے مقام میں ہوتا ہے۔اور اس میں اسی کے مثل سے نسخ جائز ہے۔جب علمائے عصر کے اتفاق سے کوئی حکم ثابت ہو جائے تو جائز ہے کہ وہ تمام اس کے خلاف کسی امر پر اتفاق کر لیں اور اس سے پہلے والا اجماع منسوخ ہو جائے۔

حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(ثم اجماع من بعدهم على حكم لم يظهر فيه خلاف من سبقهم) ظاهره أنه متراخي المرتبة عن الاجماع السكوتي للصحابة و قد سوي بينهما في التحرير لوجود الخلاف فيهما فنزل عن القطعية .(ثم اجماعهم على قول سبق فيه مخالف)لأنه اجماع مختلف فيه ومنه الاجماع الذي ثبت ثم رجع واحد منهم لأنه مختلف فيه أيضا كما في التوضيح، و في التلويح أن هذا الاجماع لا يضلل جاحده لما فيه من الاختلاف،و في التوضيح وفى مثل هذا الاجماع يجوز التبديل فى عصر واحد وفى عصرين انتهى،و انما قيد به بناء على ما هو المختار عند الجمهور وهو أن الاجماع القطعي المتفق عليه لا يجوز تبديله وهو المراد بما سبق من أن الاجماع لا ينسخ و لا ينسخ به والمختلف فيه يجوز تبديله وتمامه فى التلويح۔　　(فتح الغفار:ص:۳۵۵)

پھر اس کے بعد صحابہ کے بعد ایسے مسئلہ پر اجماع ہے جس کا صحابہ کے دور میں خلاف ثابت نہ ہو۔ظاہر یہ ہے کہ اس کا مرتبہ صحابہ کے اجماع سکوتی سے کم ہے تحریر میں آپ (امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ) نے ان دونوں کو برابر قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے جس سے ان کی قطعیت ختم، ہو جاتی ہے۔پھر اس کے بعد صحابہ کے بعد ایسے مسئلہ پر اجماع ہے جس کا صحابہ کے دور میں خلاف ثابت ہو۔کیونکہ یہ اجماع مختلف فیہ ہے

۔اور اسی قبیل سے وہ اجماع بھی ہے جو منعقد ہو چکا ہو پھر ان اتفاق کرنے والے مجتہدین میں سے کوئی رجوع کر لے کیونکہ یہ بھی مختلف فیہ ہے جیسا کہ توضیح میں بیان کیا گیا ہے۔اور تلویح میں ہے کہ اس اجماع کے عمداً انکار پر بھی منکر کی تضلیل نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔اور توضیح میں ہے کہ اس قسم کے اجماع میں کسی ایک اور دو زمانوں میں تبدیلی جائز ہے۔

آپ نے تبدیل ہونے کی قید صرف اسی اجمع کے ساتھ اس لئے لگائی ہے کے تمام جمہور علماء کا مختار یہ ہے کہ اجماع قطعی جس پر سب کا اتفاق ہو اس میں تبدیل کرنا جائز نہیں ۔اور یہی مراد ہے اس بیان سے جو پیچھے گزرا ہے کہ اجماع نہ منسوخ ہوتا ہے ور نہ ہی منسوخ کرتا ہے اور جہاں تک مختلف فیہ کا تعلق ہے تو اس میں تبدیلی کرنا جائز ہے ۔اور اس کی پوری بحث تلویح میں ہے۔

اجماع کے ناسخ ہونے پر ایک اشکال کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

و أورد عليه قد سقط نصيب المؤلفة قلوبهم بالاجماع في زمن الصديق رضى الله تعالىٰ عنه .و أجيب بانه لسقوط سببه لا لورؤد دليل شرعي على ارتفاعه أو من انتهاء الحكم لانتهاء علته المعلولة و ليس نسخا۔ (فتح الغفار:ص:۳۳۹)

اور اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ مؤلفہ قلوب کا حصہ مصارف زکوٰۃ میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دور مبارک میں اجماع صحابہ سے ساقط کر دیا گیا (یعنی اجماع کا نسخ کرنا تو ثابت ہو گیا) تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اپنے سبب کے ساقط ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گیا نہ کہ اس کے نسخ پر کسی دلیل شرعی کے وارد ہونے کی وجہ سے یا اس کا حکم ختم ہو گیا علت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اور یہ نسخ نہیں ہے۔

خلاصہ:

۱۔ سب سے افضل اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع صریح ہے۔
۲۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سکوتی کا درجہ ہے۔
۳۔ اس کے بعد اس اجماع کا درجہ ہے جو صحابہ کرام کے بعد کسی ایسے امر پر ہو جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کوئی مخالف قول نہ ہو۔
۴۔ اس کے بعد اس اجماع کا درجہ ہے جو صحابہ کرام کے بعد کسی ایسے امر پر ہو جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہو۔
۵۔ اس کے بعد اس اجماع کا مرتبہ ہے جس کے انعقاد کے بعد کوئی مجتہد اپنی رائے سے رجوع کر لے۔

اجماع کی مختلف فیہ صورتیں:

اجماع کی بیان کردہ صورتوں میں سے ہر کسی صورت میں علماء کا کسی نہ کسی درجہ میں اختلاف رہا ہے۔صرف ایک صورت ایسی ہے کہ جو متفق علیہ ہے (اس کا بیان ان شاء اللہ آگے ہو گا)۔یہاں تک کہ صحابہ کرام کے اجماع سکوتی میں بھی اختلاف ہے۔اجماع کی مختلف فیہ صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ اجماع سکوتی۔
۲۔ صرف اجماع اہل مدینہ منورہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہم
۳۔ صرف اجماع اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم
۴۔ وہ اجماع جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہمکے بعد کسی ایسے امر پر ہو جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کوئی قول نہ ہو۔
۵۔ وہ اجماع جو صحابہ کرام کے بعد کسی ایسے امر پر ہو جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہو۔
۶۔ وہ اجماع جس کے انعقاد کے بعد کوئی مجتہد اپنی رائے سے رجوع کر لے۔
۷۔ وہ اجماع جس کی سند خبر واحد ہو۔

۸۔ وہ اجماع جس کی سند قیاس ہو۔

۹۔ وہ اجماع جو کسی ایسے مسئلہ پر کیا گیا ہو جس کی مخالفت بعض مجتہدین نے کی ہو۔

۱۰۔ وہ اجماع جس میں شرکت کرنے والے تمام مجتہدین حیات ہوں تا وقتیکہ ان کی وفات نہ ہو جائے۔

۱۱۔ وہ اجماع جو بطریق خبر واحد منقول ہو۔

اجماع کی متفق علیہ صورت:

اجماع کی صرف ایک صورت متفق علیہ ہے اور وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایسا اجماع صریح ہے جس کی سند قرآن حکیم، حدیث متواتر یا مشہور ہو اور وہ بطریق تواتر یا اشتہار منقول ہو۔

منکر اجماع کی بحث

اجماع کے تعارف کے حوالہ سے ہم نے سابقہ اوراق میں ایجازاً تمام بحث اس لئے کی ہے تا کہ ہم منکر اجماع کا حکم معلوم کرسکیں۔ سابقہ تمام ابحاث کو ذہن میں رکھتے ہوئے منکر اجماع کے کافر ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں درج ذیل امور ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱) اجماع کی وہ تمام صورتیں جو مختلف فیہ ہیں ان میں سے کسی کا بھی انکار کفر نہیں ہے کیونکہ کسی مسلمان کا (نعوذ باللہ) کافر ہو جانا اس کو مباح الدم کر دیتا ہے اسی لئے فقہاء نے اس میں کمال احتیاط سے کام لیا ہے۔ پس وہ مسئلہ جس میں اختلاف یا شبہ ہو اس پر کسی مسلمان کی تکفیر کرنا جائز نہیں۔

حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(ثم اجماعهم على قول سبق فيه مخالف)لأنه اجماع مختلف فيه ومنه الاجماع الذي ثبت ثم رجع واحد منهم لأنه مختلف فيه أيضا كما في التوضيح ،و في التلويح أن هذا الاجماع لا يضلل جاحده لما فيه من الاختلاف۔ (فتح الغفار:ص:۳۵۵)

پھر اس کے بعد صحابہ کے بعد ایسے مسئلہ پر اجماع ہے جس کا صحابہ کے دور

میں خلاف ثابت ہو کیونکہ یہ اجماع مختلف فیہ ہے ۔اور اسی قبیل سے وہ اجماع بھی ہے جو منعقد ہو چکا ہو پھر ان اتفاق کرنے والے مجتہدین میں سے کوئی رجوع کر لے کیونکہ یہ بھی مختلف فیہ ہے جیسا کہ توضیح میں بیان کیا گیا ہے۔اور تلویح میں ہے کہ اس اجماع کے عمدا انکار پر بھی منکر کی تضلیل نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔

امام برہان الدین فرماتے ہیں:

ثم ما یکون کفرہ بلا خلاف یوجب احباط العمل ،و یلزمہ اعادۃ الحج ان کان قد حج و یکون وطء ہ مع امرأتہ زنا،و الولد المتولد فی ھذہ الحالۃ یکون ولد الزنا.و ان أتی بکلمۃ الشھادۃ بعد ذلک ،اذا کان الاتیان بکلمۃ الشھادۃ علی وجہ العادۃ و لم یرجع عما قال لأن الأتیان بکلمۃ الشھادۃ علی وجہ العادۃ لا یرتفع الکفر.و ما کان فی کونہ کفرا اختلافا،فان قائلہ یؤمر بتجدید النکاح ،و بالتوبۃ و الرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط
(المحیط البرھانی:ج:۷/ص:۳۹۹)

پھر جو بغیر کسی اختلاف کے کفر ہو تو وہ اعمال کو برباد کر دے گا،اور اس صورت میں اگر اس نے حج کیا ہو تو حج کا اعادہ کرنا ہو گا،اپنی بیوی کے ساتھ وطی کرنا زنا ہو گا اور جو بچہ پیدا ہو گا وہ ولد الزنا ہو گا۔اگر وہ اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے تو اگر یہ محض عادت کے طور پر پڑھا ہو اور اس کفر سے رجوع نہ کیا ہو تو کفر اس سے دور نہ ہو گا اور وہ کافر ہی رہے گا۔اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو تو اس کے کہنے والے کو احتیاطا تجدید ایمان،توبہ اور رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و فیہ أن المسئلۃ اذا کانت مختلفا فیھا لا یجوز تکفیر مسلم بھا
(شرح الفقہ الأکبر:ص:۷۷)

اور ظہیریہ میں ہے کہ بے شک جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار دینا جائز نہیں۔

۲) وہ اجماع جس کی سند خبر مشہور، خبر واحد یا قیاس ہو تو اس کا انکار کفر نہیں ہوسکتا کیونکہ خبر واحد اور قیاس دلائل ظنیہ ہیں اور دلیل ظنی کا انکار کفر نہیں ہوتا۔ خبر مشہور قطعی الثبوت نہیں ہوتی۔

۳) اجماع سکوتی کا انکار کفر نہیں اگر چہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہی کیوں نہ ہو البتہ اس کی تضلیل کی جائے گی۔

حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لا یکفر جاحدہ و ان کان ھو من الأدلۃ القطعیۃ بمنزلۃ العام من النصوص انتھی۔ (فتح الغفار: ص:۳۵۱)

اس کا جان بوجھ کر انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا اگر چہ یہ دلیل قطعی میں سے ،عام جو نصوص میں سے ہو، کے قائم مقام ہے۔

آگے آپ فرماتے ہیں:

(ثم الذی نص البعض و سکت الباقون)لأنہ و ان کان قطعیا عندنا لم یکفر جاحدہ بمنزلۃ العام من النصوص کما فی التلویح أو لوجود الخلاف فیہ فنزل عن القطعیۃ الی الطمأنینۃ فیضلل عندنا کما فی التحریر ...لوجود الخلاف فیھما فنزل عن القطعیۃ۔ (فتح الغفار: ص:۳۵۱)

پھر اجماع سکوتی کا مقام ہے۔ اس کا جان بوجھ کر انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا اگر چہ یہ دلیل قطعی میں سے، عام جو نصوص میں سے ہو، کے قائم مقام ہے جیسا کہ تلویح میں ہے یا اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے یہ اپنی قطعیت کو کھو کر اطمینان کی حد پر آجاتا ہے تو اس کے منکر کی تضلیل کی جائے گی۔ جیسا کہ تحریر میں ہے ۔۔۔۔ کیونکہ ان دونوں میں اختلاف کی وجہ سے وہ درجہ قطعیت سے اتر جاتے ہیں۔

حضرت علامہ حسنی فرماتے ہیں:

و لا یکفر جاحدہ بل یضلل۔ (افاضۃ الأنوار: ص:۲۱۱)

اور اس کا جان بوجھ کر انکار کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی تضلیل کی جائے گی۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لکن لا یکفر جاحده و ان کان من الأدلة القطعية بمنزلة العام من النصوص، و کذا فی التلويح۔ (شرح شرح المنار:ص:۲۰۹)

اس کا جان بوجھ کر انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا اگر چہ یہ دلیل قطعی میں سے، عام جو نصوص میں سے ہو، کے قائم مقام ہے۔ اور اسی طرح سے تلویح میں ہے۔

۴) نفس اجماع کا انکار کفر ہے۔

حضرت امام بزدوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

حکمه فی الأصل أن یثبت المراد به حکما شرعيا علی سبيل اليقين۔ (اصول البز دوي:ص:۲۴۵)

اس کا حکم یہ ہے کہ اصل میں اس کی مراد بطور حکم شرعی کے یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

آگے آپ فرماتے ہیں:

ومن أنكر الاجماع فقد ابطل دينه كله لان مدار اصول الدين كلها و مرجعها الى اجماع المسلمين۔ (اصول البز دوي:ص:۲۴۷)

اور جس نے اجماع کا انکار کیا اس نے اپنے دین کو مکمل طور پر باطل کیا کیونکہ اصول دین کا مدار اور اس کا مرجع مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

حضرت شیخ عبدالعزیز بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فيكفر جاحده فی الأصل :أي يحكم بكفر من أنكر اصل الاجماع بان قال ليس الاجماع بحجة اما من أنكر تحقق الاجماع فی حكم بان قال لم يثبت فيه اجماع أو انكر الاجماع الذی اختلف فيه فلا۔ (کشف الأسرار: ج:۳/ص:۲۶۲)

اس کا جان بوجھ کر انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔یعنی جو شخص اصل اجماع کا انکار کردے اس کے کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔جیسے وہ یوں کہے کہ اجماع کوئی حجت نہیں ہے۔مگر جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو کسی مسئلہ میں اجماع کے متحقق ہونے کا انکار کردے جیسے یوں کہے کہ اس مسئلہ میں اجماع کا انعقاد ثابت نہیں یا ایسے اجماع کا انکار کردے جس میں اختلاف ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال في التلويح: و أما الحكم الشرعي المجمع عليه فان كان اجماعه ظنيا لا يكفر جاحده، و ان كان قطعيا فقيل يكفر و قيل لا، و الحق أن نحو العبادات الخمس مما علم بالضرورة كونه من الدين يكفر جاحده اتفاقا و انما الخلاف في غيره۔

(شرح شرح المنار: ص:۲۱۰)

تلویح میں ہے کہ اور جہاں تک حکم شرعی کا تعلق ہے جس پر اجماع منعقد ہو چکا ہو تو اگر وہ اجماع ظنی ہو تو اس کے انکار سے جان بوجھ کر انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا۔اور اگر اجماع قطعی ہو تو کہا جاتا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کافر نہیں ہوگا۔اور حق یہ ہے کہ ایسے مسائل پر اجماع جن کا ضروریات دین میں سے ہونا ثابت ہے جیسے پانچ اوقات کی نمازیں تو وہ بالاتفاق کافر ہو جائے گا۔اور اختلاف اس کے علاوہ دوسرے اجماع میں ہے۔

۵) یادرہے کہ اجماع کے انکار کے کفر ہونے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اس کا تعلق امور دینیہ میں سے ہو بصورت دیگر اس کے انکار سے مسلمان کافر نہیں ہوگا۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

و كذا مخالفة ما أجمع عليه و انكاره بعد العلم به يعني من أمور الدين فان من أنكر جود حاتم أو شجاعة علي رضي الله تعالىٰ عنه لا يكفر۔　(شرح الفقہ الأکبر: ص:۱۵۲)

اسی طرح وہ امر جس پر اجماع ہو چکا ہو اس کی مخالفت اور اس کا انکار جاننے کے بعد کفر ہے۔یعنی وہ اجماع جو امور دین میں سے ہو،پس جس نے حاتم طائی کی سخاوت یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت کا انکار کیا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

۶) وہ اجماع صحابہ جو صریح ہو،اس کی سند قرآن حکیم،حدیث متواتر ہو اور وہ بطریق تواتر منقول ہو۔یہی وہ اجماع ہے جو اس حد تک علم یقینی اور قطعیت کا فائدہ دیتا کہ یہ عمل اور علم دونوں کو لازم کرتا ہے لہذا اس کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

حضرت امام بزدوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فاجماع الصحابة مثل الاية و الخبر المتواترو اجماع من بعدهم بمنزلة المشهور من الحديث۔ (اصول البزدوي:ص:۲۴۷)

اور اجماع صحابہ مثل آیت اور حدیث متواتر کے ہے اور ان کے بعد کا اجماع حدیث مشہور کے قائم مقام ہے۔

حضرت امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

أن ما اجمع عليه الصحابة فهو بمنزلة الثابت با لكتاب و السنة فی كونه مقطوعا به حتی يكفر جاحده۔

(اصول السرخسی :ج:۱/ص:۳۱۸)

بے شک جس پر صحابہ کا اجماع ہو تو وہ اس کے قائم مقام ہے جو قرآن اور سنت سے ثابت ہو،اپنی قطعیت کے اعتبار سے،یہاں تک کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔

امام ابن ملک علیہ الرحمۃ اجماع صحابہ جو تواتر سے منقول ہو اس کے بارے میں کہتے ہیں:

فانه يوجب العلم و العمل قطعا كاجماعهم علی كون القرآن كتاب الله تعالیٰ و فريضة الصلاة و غيرها (شرح منار الانوار:ص:۲۵۸)

وہ علم اور عمل دونوں کو قطعی طور پر واجب کرتا ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کا قرآن کے کتاب اللہ ہونے اور نماز کے فرض ہونے پر اجماع ہونا۔

حضرت شیخ ملا جیون علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

(فا لأقوىٰ اجماع الصحابة نصا)مثل أن يقولوا :جميعاأجمعنا على كذا(فانه مثل الاية و الخبر المتواتر)حتى يكفر جاحده

(نور الأنوار: ج:۲/ص:۱۹۴)

سب سے زیادہ قوی اجماع، صحابہ کا اجماع صریح ہے جیسے سب یہ کہیں کہ ہم اس پر متفق ہیں۔ یہ آیت اور حدیث متواتر کی مثل ہے یہاں تک کہ اس کا جان بوجھ کر انکار کرنے والا کافر ہو جائے گا۔

حضرت امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و كذا مخالفة ما أجمع عليه و انكاره بعد العلم به۔

(المسایرۃ:ص:۲۸۴)

اور اسی طرح جس امر پر اجماع ہو چکا ہو اس کی مخالفت اور انکار معلوم ہونے کے بعد کفر ہے۔

آپ علیہ الرحمۃ نے معلوم ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر اجماع ضروریات دین کے علاوہ کسی اور امر پر ہو تو اس کا انکار حالت جہالت میں کفر نہیں ہوگا۔لیکن اگر وہ جاننے کے باوجود انکار کردے تو اس صورت میں اسے کافر ہی کہا جائے گا۔

حضرت ابن ابی شریف مقدسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فيحكم في هذه الحالة بكفره لظهور التكذيب (المسامرۃ:ص:۲۹۹)

اس حالت میں تکذیب کے ظاہر ہوجانے کی وجہ سے اس کے کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

شیخ ابن تیمیہ اجماع قطعی کے بارے میں لکھتے ہیں:

و مخالف مثل هذا الاجماع يكفر كما يكفر مخالف النص البين

(الایمان:ص۴۸)

اس طرح کے اجماع کا مخالف کافر ہو جائے گا جیسے واضح نص کا مخالف کافر ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن ابی شریف مقدسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و المعتمد عند الشافعية عدم اطلاق تكفير منكر المجمع عليه،قال النووى فى الروضة ليس تكفير المجمع عليه على اطلاقه ،بل من جحد مجمعا عليه فيه نص و هو من الأمور الظاهرة التي يشترك فى معرفتها الخواص و العوام كالصلاة وتحريم الخمر و نحوهما فهو كافر ،ومن جحد مجمعا عليه لا يعرفه الا الخواص كاستحقاقه بنت الابن السدس مع بنت الصلب و نحوه ،فليس بكافر قال :و من جحد مجمعا عليه ظاهرا لا نص فيه في الحكم بتكفيره خلاف۔ (المسایرۃ ص:۳۰۰)

اور شوافع کے نزدیک قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اجماعی مسائل کے منکر کی مطلقا تکفیر نہیں کی جائے گی۔امام نووی علیہ الرحمہ نے الروضۃ میں فرمایا ہے کہ اجماعی مسئلہ کے منکر کی تکفیر مطلقا نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی تکفیر کی جائے گی جو ایسے مسئلہ کا انکار کرے جس میں نص وارد ہوئی ہواور وہ ان امور میں سے ہے جن کے جاننے میں خواص وعوام سب مشترک ہوں جیسے نماز ،شراب کی حرمت وغیرہ،اس صورت میں وہ کافر ہوگا۔اور جس نے ایسے مسئلہ کا انکار کیا جس کوخواص (علماء) جانتے ہوں عوام نہ جانتے ہوں جیسے بیٹے کی بیٹی کا صلبی بیٹی کے ساتھ سدس کا مستحق ہونا تو وہ کافر نہیں ہو گا۔آپ نے فرمایا جواجماع صریح کا انکار کرے جس میں کوئی نص وارد نہ ہواس کے حکم تکفیر میں اختلاف ہے۔

ہم اس بحث کوحضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ کی نقل کردہ اس عبارت پرختم کرتے ہیں۔

انکار اجماع کے بارے میں حضرت علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و هذا موافق لما قدمنا عنه من أنه يكفر بانكار ما أجمع عليه بعد العلم به،و مثله ما فى نور العين عن شرح العمدة أطلق بعضهم أن مخالف الاجماع يكفر،و الحق أن المسائل

الاجماعية تارة يصحبها التواتر عن صاحب الشرع كوجوب الخمس و قد لا يصحبها،فا لأول يكفر جاحده لمخالفته التواتر لا لمخالفته الاجماع.ثم نقل فى نور العين عن رسالة الفاضل الشهير حسام جلبي من عظماء علماء السلطان سليم بن با يزيد ما نصه:اذا لم تكن الاية أو الخبر المتواتر قطعي الدلالة أو لم يكن الخبر متواترا،أو كان قطعيا لكن فيه شبهة،أو لم يكن الاجماع اجماع الجميع أو كان،و لم يكن اجماع الصحابة أو كان،و لم يكن اجماع جميع الصحابة ،أو كان اجماع جميع الصحابة ،و لم يكن قطعيا بأن لم يثبت بطريق التواتر أو كان قطعيا لكن كان اجماعا سكوتيا ،ففي كل من هذه الصور لا يكون الجحود كفرا،يظهر ذلک لمن نظر في كتب الأصول ،فاحفظ هذا الأصل فانه ينفعک فى استخراج فروعه حتى تعرف منه صحة ما قيل،انه يلزم الكفر فى موضع كذا و لا يلزم فى موضع آخر. (ردالمحتار:ج:٦/ص:٣٥٧)

اور یہ موافق ہے اس کے جو ہم نے ان سے نقل کرتے ہوئے پیچھے بیان کیا ہے کہ وہ جان بوجھ کر اجماعی مسائل کے انکار سے کافر ہو جائے گا۔اور اسی کی مثل نور العین میں عمدہ کی شرح سے منقول ہے۔بعض علماء نے اس کو مطلقا بیان کیا ہے کہ اجماع کا مخالف کافر ہے۔اور حق یہ ہے کہ اجماعی مسائل کبھی شارع کی طرف سے تواتر کے ساتھ ہوتے ہیں جیسے پانچ نمازوں کا وجوب ہے اور کبھی تواتر کے ساتھ نہیں ہوتے۔

تو پہلی قسم کا جان بوجھ کر انکار تواتر کی مخالفت کی وجہ سے کفر ہوگا نہ کے اجماع کی مخالفت کی وجہ سے۔پھر نور العین میں حضرت حسام چلپی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ جب آیت یا خبر متواتر قطعی الدلالۃ نہ ہو یا خبر،متواتر ہی نہ ہو یا قطعی تو ہو مگر اس میں شبہ ہو یا اجماع تمام علما کا نہ ہو یا تمام علماء کا اجماع

تو ہو مگر اجماع صحابہ نہ ہو یا اجماع صحابہ تو ہو مگر تمام صحابہ کا اجماع نہ ہو یا تمام صحابہ کا اجماع تو ہو مگر قطعی نہ ہو کہ وہ بطریق تواتر ثابت نہ ہو یا قطعی تو ہو (یعنی بطریق تواتر تو ثابت ہو) مگر اجماع سکوتی ہو، تو ان تمام صورتوں میں ان کا جان بوجھ کر انکار کرنے والا بھی کافر نہیں ہوگا۔

یہ اس پر ظاہر ہوگا جسکی کتب اصول پر نظر ہے، اس قاعدے کو یاد رکھو کیونکہ یہ تم اس کی فروعات نکالنے میں کونفع دے گا یہاں تک کہ تم اس سے اس کی صحت معلوم کر سکو گے جو کہا گیا ہے۔ بے شک یہ بعض صورتوں میں کفر کو لازم کرتا ہے اور بعض دوسری صورتوں میں نہیں کرتا۔

یاد رہے کہ اگر اجماع ضروریات دین میں سے کسی مسئلہ پر ہے تو اس کا انکار بہر صورت کفر ہے چاہے جان بوجھ کر ہو یا لاعلمی میں، لیکن اگر اجماع قطعی ہو اور ضروریات دین میں سے کسی مسئلہ پر نہ ہو تو اس کا انکار بحالت جہالت کفر نہ ہوگا البتہ اگر وضاحت کے بعد بھی وہ انکار پر مصر رہے تو پھر وہ کافر ہو جائے گا۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

شریعت کا استخفاف یا استہزاء

شریعت وہ ضابطہ حیات اور قانون الٰہی ہے جو اللہ رب العزت کی طرف سے کسی رسول کو عطا کیا جاتا ہے شرعی احکامات اپنے ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی یا ظنی ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کسی بھی امر کا انکار کفر ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً ○ (الأحزاب۳۳:۳۶)

اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرمادیں تو ان کیلئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو،اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں ہے۔

اللہ رب العزت اور رسول اللہ ﷺ کے کسی حکم کا انکار کرنا گویا ان کا ہی انکار کرنا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی فرد کسی شرعی حکم کو خفیف جانتا ہے،اس کا مذاق اڑاتا ہے،اس کی توہین کرتا ہے یا اسے قابل قدر شے نہیں سمجھتا تو یہ بھی انکار ہی ہے بلکہ انکار کی ادنی صورت ہے۔ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنے سے سخت اجتناب کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّهِ يُكَفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُواْ مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذاً مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعاً ○ (النساء۴:۱۴۰)

اور بے شک (اللہ نے) تم پر کتاب میں یہ (حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ (انکار اور تمسخر کو چھوڑ کر) کسی

دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بیشک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لاَ يَرْجِعُونَ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ○ (یٰس ۳۶: ۳۰، ۳۱، ۳۲)

ہائے (ان) بندوں پر افسوس ہے! ان کے پاس کوئی رسول نہ آتا تھا مگر یہ کہ وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر ڈالیں، کہ اب وہ لوگ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ مگر یہ کہ وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کیے جائیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلاَ تَتَّخِذُوٓاْ آيَاتِ اللّهِ هُزُواً وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ وَاتَّقُوا اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ (البقرة ۲: ۲۳۱)

اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنا لو، اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے اور دانائی (کی باتوں) کو (جن کی اس نے تمہیں تعلیم دی ہے) وہ تمہیں (اس امر کی) نصیحت فرماتا ہے، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الَّذِينَ اتَّخَذُواْ دِينَكُمْ هُزُواً وَلَعِباً مِّنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلاَةِ اتَّخَذُوهَا هُزُواً وَلَعِباً ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَعْقِلُونَ ○ (المائدة ۵: ۵۷، ۵۸)

اے ایمان والو! ایسے لوگوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، ان کو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنائے ہوئے ہیں اور کافروں کو دوست مت بناؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو بشرطیکہ تم (واقعی) صاحب ایمان ہو۔ اور جب تم نماز کے لئے (لوگوں کو بصورتِ اذان) پکارتے ہو تو یہ (لوگ) اسے ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (بالکل) عقل ہی نہیں رکھتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئاً اتَّخَذَهَا هُزُواً أُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ مِن وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا شَيْئاً وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاء وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ (الجاثیة ۴۵ : ۹)

اور جب اسے ہماری (قرآنی) آیات میں سے کسی چیز کا (بھی) علم ہو جاتا ہے تو اسے مذاق بنا لیتا ہے، ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت انگیز عذاب ہے۔ ان کے (اس عرصہ حیات کے) بعد دوزخ ہے اور جو (مال دنیا) انہوں نے کما رکھا ہے ان کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ وہ بت (ہی کام آئیں گے) جنہیں اللہ کے سوا انہوں نے کارساز بنا رکھا ہے اور ان کے لئے بہت سخت عذاب ہے۔

ان تمام آیات مقدسات سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات، اس کے رسل علیہم السلام اور احکامات کا مذاق اڑانا، ان کا استخفاف کرنا، کفار اور منافقین کا طریقہ ہے۔ جو شخص اس گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور آخرت میں اس کے لئے سخت عذاب اور رسوائی ہے۔

حضرت امام عمر نسفی فرماتے ہیں:

و الاستهانة بها كفر و الاستهزاء على الشريعة كفر

(العقائد النسفیۃ :ص:۱۶۸)

اور شریعت کی توہین کرنا کفر ہے اور شریعت کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

اس کی شرح میں سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لأن ذلک من امارات التکذیب۔ (شرح العقائد النسفیۃ:ص:۱۶۸)

کیونکہ یہ تکذیب (جھٹلانے) کی علامات میں سے ہے۔

حضرت امام دبوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الا أن یترکها استخفافا بها فیکفر أو یفسق لأن ذلک ینصرف الی واضعها۔ (تقویم الأدلۃ:ص:۷۹)

اگر کوئی سنت کو استخفافا ترک کر دیتا ہے تو وہ کافر ہو جائے یا فاسق ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ استخفاف اس کے وضع کرنے والے یعنی نبی کریم ﷺ کا استخفاف ہوگا۔

حضرت امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرض کے بارے میں فرماتے ہیں:

و حکم هذا القسم شرعا أنه موجب للعلم اعتقادا باعتبار أنه ثابت بدلیل مقطوع به و لهذا یکفر جاحده ،و موجب للعمل بالبدن للزوم الأداء بدلیله ،فیکون المؤدي مطیعا لربه،و التارک للأداء عاصیا لأنه بترک الأداء مبدل للعمل لا للاعتقاد و ضد الطاعة العصیان و لهذا لا یکفر بالامتناع عن الأداء فیما هو من أرکان الدین لا من اصل الدین الا أن یکون تارکا علی وجه الاستخفاف فان استخفاف أمر الشارع کفر فأما بدون الاستخفاف فهو عاص بالترک من غیر عذر فاسق لخروجه من طاعة ربه۔ (اصول السرخسي:ج:۱/ص:۱۱۱)

اور اس قسم (فرض) کا شرعا حکم یہ ہے کہ یہ علم کو اعتقاد کے اعتبار سے اس طرح واجب کرتی ہے کہ یہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے۔اسی لئے اس کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے۔یہ بدن پر عمل کو واجب کر دیتا ہے کیونکہ اس کی دلیل کی وجہ سے اس کو ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔پس اس کو ادا کرنے والا اپنے رب کی اطاعت کرنے والا ہوگا۔اس کو ترک کرنے والا گناہ گار

ہوگا کیونکہ وہ اس کی ادائیگی کو ترک کرنے کی وجہ سے عمل کو تبدیل کرنے والا ہے نہ کہ اعتقاد کو، اور اطاعت کی ضد نافرمانی ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ عمل کی ادائیگی سے رکنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا، اس چیز میں سے جو ارکان دین میں سے ہے نہ کہ اصل دین میں سے، لیکن اگر اس نے اس کو خفیف جانتے ہوئے ترک کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ شارع کے امر کا استخفاف کرنا کفر ہے، البتہ اگر وہ فرض کو بغیر استخفاف کے ترک کر دے تو وہ بلا عذر فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جائے گا اور فاسق ٹھہرے گا۔

یعنی اگر کوئی شخص فرض کو بلا عذر ترک کر دیتا ہے تو وہ فاسق و فاجر کہلائے گا لیکن اگر حالت اضطراری میں وہ دلیل قطعی سے ثابت ہونے والے حکم کو ترک کر دے تو وہ فاسق بھی نہیں کہلائے گا۔ البتہ اگر اس نے حکم شرعی کی توہین کرتے ہوئے اسے ترک کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ حکم شرعی کو حقیر جاننا گویا اس کی تکذیب ہی کرنا ہے۔ ایمان کا تعلق اعتقاد سے ہے عمل سے نہیں اور نہ ہی اعمال ایمان کا رکن ہیں اسی وجہ سے وہ ترک عمل کی وجہ سے فاسق کہلائے گا نہ کہ کافر۔

علامہ حصنی فرماتے ہیں:

(ویفسق تارکہ) لوجوب العمل (بلا عذر) اکراہ و لا استخفاف

(افاضۃ الأنوار: ص:۱۶۴)

یعنی اُمر شرعی کو بلا عذر ترک کرنے والا فاسق ہوگا کیونکہ اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے مجبور کیا جائے تو اس صورت میں وہ فاسق بھی نہیں ہوگا البتہ اسے خفیف سمجھ کر ترک کرنے کی صورت میں فرد کافر ہو جائے گا۔

اس کی شرح میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(قولہ و لا استخفاف) و الا فھو کافر۔ (نسمات الأسحار: ص:۱۶۴)

آپ کا استخفاف کی قید لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اس نے استخفاف کے ساتھ اسے ترک کیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اس بارے میں ابن ملک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

احترز به عن الاكراه الاأن يكون تاركا على وجه الاستخفاف فحينئذ يكفر لأن الاستخفاف با لشرائع كفر۔

(شرح منار الأنوار: ص:۱۹۵)

آپ نے 'اکراہ' فرما کر اکراہ سے احتراز کیا ہے یعنی مجبوری کی حالت میں کرنے پر وہ فاسق بھی نہیں ہوگا۔لیکن اگر اس نے استخفاف کے طور پر فرض کو ترک کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ امر شرعی کا استخفاف کفر ہے۔

حضرت امام بن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لأن مناط التكفير و هو التكذيب أو الاستخفاف بالدين عند ذلك يكون۔ (المسایرۃ: ص:۲۲۹)

کیونکہ کسی کو کافر قرار دینے کا مدار تکذیب پر ہے یا دین کا استخفاف کرنے پر ہے جبکہ اسے علم بھی ہو۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الهازى أو المستهزئ اذا تكلم بكفر استخفافا و استهزاء و مزاحا يكون كفرا عند الكل و ان كان اعتقاده خلاف ذلك۔

(الفتاویٰ الھندیۃ: ج:۲/ص:۲۷۶)

مذاق اڑانے یا مذاق اڑوانے والا جب زبان سے کلمہ کفریہ استخفاف یا استہزاء کے طور پر ادا کرے گا تو یہ تمام کے نزدیک کفر ہوگا۔اگر چہ اس کا اعتقاد اس کے خلاف ہو۔

شیخ ابن تیمیہ نقل فرماتے ہیں:

وكذلك نقل عن الشافعى أنه سئل عمن هزل بشئ من آيات الله ـ تعالىٰ ـ أنه قال: هو كافر و استدل بقول الله تعالىٰ: قل أبالله و ءاياته و رسوله كنتم تستهزء ون لا تعتذروا قد كفر تم بعد ايمانكم۔ (التوبۃ ۹: ۶۵ـ۶۶)　(الصارم المسلول: ص:۳۵۳)

اور اسی طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ آپ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نشانی کا مذاق اڑاتا ہے۔آپ نے فرمایا :وہ کافر ہے اور آپ نے اس آیت مقدسہ سے استدلال فرمایا:

فرما دیجئے : کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ (اب) تم معذرت مت کرو، بیشک تم اپنے ایمان (کے اظہار) کے بعد کافر ہو گئے ہو، اگر تم میں ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں (تب بھی) دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔

فقہائے عظام کے بیان کردہ ان تمام اصولوں اور قواعد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرعی حکم کو حکم شرعی جانتے ہوئے حقیر جاننا، اس کا استخفاف کرنا کفر ہے کیونکہ استہزاء، استحقار اور استخفاف انکار کی ادنی صورتیں ہیں۔اگر چہ اس حکم کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو۔لیکن اگر حکم شرعی کو سستی کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے تو اس پر فسق و فجور کا حکم لگایا جائے گا اور اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

خلاصہ:

ادلہ سمعیہ، ضروریات دین اور استخفاف شریعت سے متعلق اگر ہم علماء کے اقوال میں غور کریں تو استخفاف شریعت کرنے پر حکم لگانے کا درج ذیل خلاصہ ہمارے سامنے آتا ہے:

۱۔ ضروریات دین کا استخفاف عمداً کیا جائے یا نادانستہ طور پر یا جہالت کی بنا پر اس کی تحقیر کی جائے اور یہ استخفاف ترک عمل کے ساتھ ہو یا انکار کے ساتھ دونوں صورتوں میں کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

۲) ادلہ قطعیہ کا استخفاف اگر علم کے باوجود کیا جائے تو چاہے وہ انکار کے ساتھ ہو یا عمل کے ساتھ دونوں صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔البتہ اگر جہالت کے سبب وہ استخفاف امر قطعی کرتا ہے تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہو گا لیکن اگر آگاہ ہونے کے بعد بھی اس پر قائم رہے تو پھر اس کی تکفیر کی جائے گی۔

سابقہ اوراق میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں کہ فقہاء نے ضروریات دین میں جہالت کو عذر تسلیم نہیں کیا ہے البتہ ادلہ قطعیہ سے ثابت شدہ امور میں اسے عذر تسلیم کیا گیا ہے۔

۳) ظنی امور کا استخفاف اگر ان کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے کیا جائے تو یہ کفر ہے چاہے یہ استخفاف ترکِ عمل کے ساتھ ہو یا انکار کی صورت میں۔ اگر کسی ظنی امر کا استخفاف اسے امر شرعی نہ مانتے ہوئے ہو تو اس صورت میں اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

ایک اہم نکتہ:

اس باب میں ہم ایک انتہائی اہم امر کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ علمائے اصول اور فقہاء کے مابین استخفاف حدیث کا معنی مختلف فیہ ہے۔

امام دبوسی فرماتے ہیں:

الا أن یکون استخفافا بأخبار الأحاد فنفسقه لوجوب المصیر الی خبر الواحد بالاجماع۔ (تقویم الأدلۃ:ص:۷۸)

یعنی اگر کوئی اخبار احاد کا استخفاف کرے گا تو ہم اسے فاسق قرار دیں گے کیونکہ اجماعی طور پر خبر واحد کو قبول کرنا واجب ہے۔

امام بزدوی فرماتے ہیں:

و یفسق تارکه اذا استخف بأخبار الأحاد فاما متأولا فلا۔

(اصول البزدوی:ص:۱۳۷)

اور اگر کوئی واجب کو اخبار احاد کا استخفاف کرتے ہوئے ترک کر دے تو اس کو فاسق قرار دیا جائے گا لیکن اگر وہ استخفاف حدیث تاویل کرتے ہوئے کرے تو وہ فاسق نہیں ہوگا۔

صاحب منار فرماتے ہیں:

و یفسق تارکه اذا استخف بأخبار الأحاد فاما متأولا فلا۔

(المنار:ص:۱۶۵)

اور اگر کوئی واجب کو اخبار احاد کا استخفاف کرتے ہوئے ترک کر دے تو اس کو فاسق قرار دیا جائے گا لیکن اگر وہ استخفاف حدیث تاویل کرتے ہوئے کرے تو وہ فاسق نہیں ہوگا۔

اس کی شرح میں ابن ملک فرماتے ہیں:

(حتی لا یکفر جاحده و یفسق تارکه اذا استخف بأخبار الاحاد)بان لا یری العمل بها واجبا(فاما متأولا فلا)یعنی اذا ترکه لمعنی ادی اجتهاده الیه بان قال هذا الخبر غریب أو ضعیف أو مستنکر أو مخالف للکتاب لا یفسق تارکه لأن التاویل من سیرة السلف و المصنف لم یتعرض لما اذا ترکه تهاونا بلا استخفاف و لا تأویل ذکر فی الکشف الصحیح انه یفسق تارکه لا مستخفا و لا متأولا لا ن الأدلة القطعیة دلت علی وجوب العمل بخبر الواحد(شرح منار الأنوار:ص:۱۹۵۔۱۹۶)

یعنی اگر وہ استخفاف حدیث اس طور پر کرتا ہے کہ وہ اخبار احاد کو موجب عمل نہیں جانتا تو اس صورت میں اس کو فاسق قرار دیا جائے گا لیکن اگر وہ تاویل کرتے ہوئے اپنے اجتہاد سے اسے ترک کردے جیسے وہ یہ کہے کہ یہ حدیث غریب ہے یا ضعیف ہے یا منکر ہے یا کتاب اللہ کے مخالف ہے تو اس کا تارک فاسق بھی نہیں ہوگا۔کیونکہ روایات کو تاویل کرتے ہوئے ترک کردینا علماء سلف کا طریقہ ہے۔مصنف نے اس بات سے تعرض نہیں کیا ہے کہ اگر وہ اخبار احاد کو بغیر تاویل و استخفاف کے سستی کے باعث ترک کر دیتا ہے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ آپ نے کشف الاسرار میں ذکر کیا ہے کہ اگر بغیر استخفاف و تایل کے اخبار احاد کو ترک کرے گا تو اس کی تفسیق کی جائے کیونکہ ادلہ قطعیہ خبر واحد کے قبول کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس کے بارے میں ملا جیون فرماتے ہیں:

أی فاماترک العمل باخبار الاحاد بطریق التأویل بأن یقول هذا الخبر ضعیف أو غریب أو مخالف للکتاب فلا یفسق فیه لأن هذا لیس للهوی و الشهوة بل مما توارثه العلماء لأجل الدقة و الفطانة (نور الانوار:ج:۱/ص:۴۵۴)

یعنی اگر اخبار احاد پر کوئی شخص عمل تاویل کے طور پر ترک کر دے کہ یوں کہے یہ حدیث ضعیف ہے یا غریب ہے یا کتاب اللہ کے مخالف ہے تو اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا کیونکہ یہ شہوت اور نفسانی خواہش کے لئے نہیں بلکہ علماء کی ذہانت اور دقت فہم کی وجہ سے ان کی میراث میں سے ہے۔

علماء اصول کے ان اقوال سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک استخفاف حدیث سے مراد خبر واحد کو موجب عمل نہ جاننا (یعنی اسے اس درجہ قوی نہ سمجھنا جو عمل کو واجب کردے) ہے۔پس ان کے نزدیک اگر کوئی استخفاف حدیث کا ارتکاب کرے تو وہ کافر نہیں بلکہ فاسق و فاجر ہوگا کیونکہ خبر واحد کی حجیت پر اجماع ہے۔البتہ اگر کوئی عالم تاویل کرتے ہوئے کسی حدیث پر عمل کردے تو نہ تو اس کی تکفیر کی جائے گی اور نہ ہی تفسیق کیونکہ بطریق تاویل احادیث کو تعارض وغیرہ کے وقت ان کے ضعیف،غریب،مخالف کتاب یا منسوخ ہونے کے علاوہ کسی وجہ سے کردینا سیرت علماء حق ہے۔

اس کی شرح میں شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و الحق أنه ان كان متأولا فلا يضلل و لا يفسق و الا فان كان مستخفا يضلل لأن رد الخبر الواحد و القياس بدعة و ان لم يكن متأولا و لا مستخفا يفسق لخروجه عن الطاعة بترك ما وجب عليه۔ (فتح الغفار:ص:۲۵۳)

اورحق یہ ہے کہ اگر وہ تاویل کرتے ہوئے اس کا انکار کرے گا تو اسے گمراہ اور فاسق نہیں کہا جائے گا۔لیکن اگر وہ استخفاف کرے گا تو اسے گمراہ کہا جائے کیونکہ خبر واحد اور قیاس کا رد بدعت ہے۔اگر وہ بغیر تاویل اور بلا استخفاف خبر واحد کو ترک کرے گا تو اس صورت میں اسے فاسق کہا جائے گا۔کیونکہ اس صورت میں وہ اس چیز کو ترک کرنے کی وجہ سے اطاعت سے نکل جائے گا جس پر عمل کرنا واجب تھا۔

شیخ ابن نجیم کی اس وضاحت سے مزید واضح ہو گیا کہ اگر کوئی شخص بطریق تاویل استخفاف حدیث کرتا ہے یعنی اسے عمل کو واجب کرنے والا نہیں جانتا تو اس کو گمراہ اور فاسق نہیں کہا جائے گا۔لیکن اگر یہ استخفاف حدیث بغیر تاویل کے ہو تو اس کی تضلیل و تفسیق کی جائے گی کیونکہ خبر

واحد اور قیاس کا انکار بدعت ہے۔ پھر آپ فقہاء اور اصولیین کے استخفاف حدیث کے معنی میں فرق کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و فی البزازية قيل قلم الأظفار سنة فقال لا أفعل و ان كان سنة كفر ثم قال: الحاصل أنه اذا استخف بسنة أو حديث من احاديثه عليه الصلاة و السلام كفر انتهى، فقد علمت أن الاستخفاف بالحديث كفر فكيف قال الأصوليون انه يضلل و قد ظهر لی أن معنى الاستخفاف مختلف فمراد الأصوليين به الانكار بغير تاويل مع رسوخ الأدب و مراد الفقهاء الانكار مع الاستهزاء و لا شک فی کون الثانی کفرا (فتح الغفار: ص:۲۵۳)

فتاوی بزازیہ میں ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ ناخن کاٹنا سنت ہے۔ اس نے کہا[میں نہیں کاٹوں گا اگر چہ یہ سنت ہے] تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سنت یا نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث میں سے کسی حدیث کا استخفاف کرتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ پھر علمائے اصول نے ایسا کیوں کہا کہ استخفاف حدیث کرنے والے کو گمراہ کہا جائے گا۔ مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ استخفاف کے معنی میں اختلاف ہے۔ علمائے اصول کے نزدیک اس سے مراد بغیر تاویل کرتے ہوئے ،ادب کے ساتھ حدیث کا انکار کر دینا ہے جبکہ فقہاء کے نزدیک اس سے مراد مذاق اڑاتے ہوئے اس کا انکار کر دینا ہے۔ اس دوسری بات کے کفر ہونے میں شک نہیں ہے۔

شیخ ابن نجیم کی اس تصریح سے یہ واضح ہو گیا کہ فقہا کے نزدیک استخفاف حدیث سے مراد اس کے ساتھ استہزاء کرنا ہے جبکہ علمائے اصول اس سے مراد ادب کے ساتھ بغیر تاویل کے حدیث کا انکار لیتے ہیں۔ لہذا جب بھی استخفاف حدیث کرنے پر حکم لگایا جائے تو علماء کے بیان کردہ اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے تاکہ **فتصبحوا على ما فعلتم نادمين** اور **أيما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها احدهما** کی وعید سے بچ سکیں۔

خلاصہ:

۱) نبی کریم ﷺ کی حدیث کا، اسے حدیث جانتے ہوئے مذاق اڑانا کفر ہے۔

۲) استخفاف حدیث کی مختلف صورتیں ہیں:

ا۔ حدیث کو بغیر تاویل کے ادب کے ساتھ واجب العمل نہ جاننا۔

ب۔ حدیث کو تاویل کرتے ہوئے ادب کے ساتھ واجب العمل نہ جاننا۔

ج۔ حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے انکار کرنا۔

۳) پہلی دو صورتوں میں فرد کی تکفیر نہیں کی جائے گی جبکہ تیسری صورت کے کفر ہونے میں فقہاء اور اصولیین کا اتفاق ہے۔

۴) پہلی صورت میں اس کی تفسیق وتضلیل کی جائے گی۔

ہر وہ چیز جس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ہے وہ اہل ایمان ومحبت کے لئے انتہائی لائق احترام ہوتی ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے وضو کے پانی مبارک، موئے مبارک اور یہاں تک کے بول مبارک سے بھی تبرک حاصل کیا کرتے تھے۔ ہر وہ چیز جس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے یا ان کی بیان کردہ تعلیمات سے ہو ان کا ادب واحترام کرنا لازمی ہے۔ ان سے نسبت رکھنے والی اشیاء کا استخفاف کرنا اور ان کو حقیر جاننا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عمل کے شریعت میں سے ہونے کو تسلیم کرے لیکن سستی کے باعث اس پر عمل نہ کرے تو وہ فاسق وفاجر ہوگا لیکن اگر یہ ترک کرنا انہیں امر شرعی جانتے ہوئے گستاخی اور بے ادبی کے ساتھ ہو تو اس بنا پر اس کی تکفیر کی جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے اسم تصغیر استعمال کرنا:

حضرت طاہر بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لو قال لشعر محمد ﷺ شعیرا یکفر

(خلاصۃ الفتاوٰی: ج:۴/ص:۳۸۴)

اگر کسی نے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والیہ وسلم تسلیما کے موئے

مبارک (شعر/ بال) کو اسم تصغیر کے ساتھ شُعیر کہا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

فتاویٰ تا تارخانیہ میں ہے:

و لو قال لشعر النبی صلی الله علیه و اله سلم "شعیر" یکفر عند بعض المشایخ و عند البعض لا یکفر الا اذا قال ذلک بطریق الاهانة و فی الظهیریة ان أراد بالتصغیر التعظیم لا یکفر و فی الینابیع و لو عاب النبی صلی الله علیه و اله وسلم بشئ من العیوب یکفر۔ (الفتاوی التا تارخانیۃ: ج:۵/ص:۳۲۶)

اور اگر اس نے نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک کو "شعیر" کہا تو بعض مشائخ کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا اور بعض کے نزدیک وہ کافر نہیں ہو گا مگر یہ کہ وہ یہ کلمہ بطور توہین کے ادا کرے۔ ظہیریہ میں ہے کہ اگر اس نے تصغیر سے تعظیم مراد لی تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ ینابیع میں ہے کہ اگر کسی نے نبی کریم کی کسی بھی عیب کے ساتھ (نعوذ باللہ) عیب جوئی کی تو وہ کافر ہو جائے گا۔

شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و اختلف فی تصغیر شعر النبی ﷺ الا اذا اراد الاهانة، فیکفر. أما اذا أراد التعظیم ،فلا۔ (البحر الرائق: ج:۵/ص:۱۹۵)

نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک کو شعیر کہنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے مگر یہ کہ وہ اہانت کے طور پر کہے تو کافر ہو جائے گا۔ تاہم اگر اس نے تعظیم کا ارادہ کیا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

امام حموی فرماتے ہیں:

او صغره أی اسم النبی ﷺ أو عضوا من اعضائه كفر من ساعته كما فی الفتاوی الظهیرية لو قال لشعر النبی ﷺ شعیر قال بعضهم یکفر و قال بعضهم لا یکفر ان اراد به التعظیم لأن التصغیر قد یکون للتعظیم (شرح الحموی: ص:۹۰)

یعنی اگر نبی کریم ﷺ کے کسی بھی اسم کو یا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک اعضاء میں سے کسی عضو کی تصغیر کی گئی تو یہ عمل کرنے والا اسی وقت کافر ہو جائے گا۔فتاوی ظہیر یہ میں ہے کہ اگر کسی نے نبی کریم ﷺ کے بال مبارک کو شعیر کہا تو وہ کافر ہو جائے گا۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر کہنے والے نے اسم تصغیر سے مراد تعظیم لی تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہو گا کیونکہ کبھی اسم تصغیر تعظیم کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

شعیر اسم تصغیر ہے اور اسم تصغیر کے ذریعے کسی چیز کے صغر پن کو ظاہر کیا جاتا ہے۔اگر کوئی شخص اس صیغہ کو آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق کسی بھی چیز کی (نعوذ باللہ تعالیٰ) توہین وتخفیف یا مذاق کیلئے استعمال کرے گا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔البتہ اگر توہین کی نیت سے نہ ہو تو کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔بعض اوقات اسم تصغیر تعظیم کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔اگر کسی اسم تصغیر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تعظیم کے معنی میں استعمال کیا جائے تو تب بھی یہ کفر نہیں ہو گا۔

حضور نبی کریم ﷺ کا تعلق قریش سے تھا۔قریش سے اسم نسبت قرشی اور قریشی آتا ہے۔اسی لئے نبی کریم ﷺ قریشی بھی ہیں۔قریش اسم تصغیر ہے۔نضر بن کنانہ کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے۔اس کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال منقول ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑے آبی جانور کا نام ہے جو سب کو کھا جاتا ہے،تمام سمندری جانوروں پر غالب رہتا ہے اور کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔قریش کو قریش بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ غالب،قوی اور لائق تعظیم ہیں۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

و عن معاویة أنه سأل ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما :بم سمیت قریش ؟قال :بدابة فی البحر تأکل و لا تؤکل و تعلو و لا تعلا و أنشد:

و قریش هی التی تسکن البحر
بها سمیت قریش قریشا

و التصغیر للتعظیم۔　　(الکشاف:ج:۴/ص:۸۰۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ آپ کو قریش کیوں کہا جاتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہمیں ایک سمندری حیوان کی وجہ سے قریش کہا جاتا ہے جو سب کو کھالیتا ہے اوراسے کوئی نہیں کھاتا وہ سب پر غالب رہتا ہے اس پر کوئی غالب نہیں آتا۔پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر پڑھا قریش وہ ہے جو سمندر میں رہتی ہے۔اسی کی نسبت کی وجہ سے قریش کوقریش کہا جاتا ہے۔یہاں تصغیر تعظیم کیلئے ہے۔

امام بیضاوی اس بارے میں فرماتے ہیں:

وصغر الاسم للتعظیم۔ (أنوار التنزیل واسرار التأویل:ج:ا/ص:)

اوراسم کومصغر تعظیم کے لئے بنایا گیا ہے۔

اہل علم حضرات کے ان اقوال سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ قریشی ہیں۔اگرچہ قریش اسم تصغیر ہے لیکن اس کوتعظیم کے لئے بولا جاتا ہے لہٰذا اس کا استعمال نبی کریم ﷺ کے لئے بالکل جائز ہے۔پس نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے مطلقا اسم تصغیر کا استعمال کفرنہیں ہوگا بلکہ فرد کی تکفیر اس وقت کی جائے گی جب وہ کسی اسم مصغر کوتوہین کی نیت سے نبی کریم ﷺ کے لئے استعمال کرے۔اگر وہ شے فی الواقع مصغر ہوتو تب بھی اس کو نبی کریم ﷺ کے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔امام طبرانی علیہ الرحمۃ المعجم الکبیر میں روایت فرماتے ہیں:

حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمی ثنا عبد الله بن الحکم بن أبی زیاد القطرانی ثنا عبیدالله بن موسیٰ عن ابراهیم بن اسماعیل عن حبیبة بنت سمعان عن نسیکة أم عمرو بن جلاس قالت :انی لعند عائشة و قد ذبحت شاة لها ،فدخل رسو ل الله ﷺ فی یده عصیة ،فألقاهاثم هوی الی المسجد فصلی فیه رکعتین،ثم هوی الی فراشه فانطبح علیه ،ثم قال: هل من غداء ؟فأتینا ه بصحفة فیها خبز شعیر،و فیها کسرة و قطعةمن الکرش و انها لتنهشها اذا قالت :ذبحنا شاة الیوم فما أمسکنا غیر هذا

قالت :يقول رسول الله ﷺ :لا بل كلها أمسكت الا هذا.(۱)

نسیکہ ام عمرو بن جلاس فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی اور آپ کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی تھی ۔رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے آپ کے دست مبارک میں ایک چھوٹا عصا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے ڈال دیا پھر مسجد میں اتر گئے اور اس میں دو رکعت ادا فرمائی پھر آپ ﷺ اپنے بستر پر لیٹ گئے اور فرمایا: کیا دوپہر کے کھانے میں سے کچھ ہے؟ پس ہم آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ لے کر آئے اس میں جو کی روٹی تھی اور اس میں گوشت سمیت ہڈی ،اوجھڑی کا ٹکڑا اور دست تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اوجھڑی میں سے ایک ٹکڑا لیا اور آپ اسے اپنے دانتوں سے نوچتی تھیں ۔نسیکہ نے کہا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ آج ہم نے ایک بکری ذبح کی تھی اور پھر ہم نے اس کے علاوہ کچھ بھی بچا کرنہیں رکھا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ تم نے اس کے سوائے سب کچھ بچالیا ہے ۔(المعجم الکبیر: ج:۲۵/ص:۴۴،رقم الحدیث:۸۳)

اس حدیث شریف کو مجمع الزوائد میں امام نور الدین ہیثمی نے بھی باب ما جاء فی اللحم میں روایت کیا ہے۔(مجمع الزوائد: ج:۰۵/ص:۳۹)

نسیکہ کی روایت کو حضرت ابن حجر عسقلانی شافعی نے (الاصابة: ج:۴ /ص:۴۱۹) میں اور حضرت ابن اثیر جذری نے اسد الغابۃ (اسد الغابۃ: ج:۵/ص:۵۵۵۔۵۵۶) میں نسیکہ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے۔

اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عصا مبارک کو نسیکہ صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ''عصیۃ'' کہا یعنی اس تصغیر کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عصا مبارک کو ''عصیۃ'' اس لئے کہا کہ وہ حقیقت میں چھوٹا تھا۔اگر یہ کفر ہوتا تو آپ اسے ہرگز استعمال نہ فرماتیں۔پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کسی شے کے لئے اس تصغیر اس

صورت میں جائز ہے جبکہ وہ تعظیم کے لئے ہو یا وہ شے فی الواقع چھوٹی ہو اور اسے استخفاف کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ جب کبھی اسم تصغیر نبی کریم ﷺ کے لئے استعمال کیا جائے گا تو مسئلہ اکفار میں اس کے لغوی مفہوم کے ساتھ فرد کی نیت کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

چند مثالیں:

ذیل میں ہم فقہاء کرام کی بیان کردہ چند مثالیں پیش کر رہے ہیں تا کہ مسئلہ استخفاف کو سمجھنا مزید آسان ہو جائے۔

۱) فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

> و لو قال رجل مع غیرہ کان رسول اللہ ﷺ یحب کذا بان قال مثلا کان یحب القرع فقال ذلک الغیر أنا لا احبہ فھذا کفر و ھکذا روی عن أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ أیضا و بعض المتأخرین قالوا اذا قال ذلک علی وجہ الاہانۃ کان کفرا و بدونہ لا یکون کفرا۔　　(الفتاویٰ الھندیۃ:ج:۲/ص:۲۶۵)
>
> اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فلان چیز مثلا کدو پسند فرماتے تھے تو اس نے کہا کہ میں تو اسے پسند نہیں کرتا تو یہ کفر ہے۔ اور اسی طرح حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے بھی منقول ہے۔ اور بعض متاخرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اس صورت میں کفر ہوگا جب اس نے توہین کرتے ہوئے یہ بات کہی ہو ورنہ بصورت دیگر یہ کفر نہیں ہوگا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے جس چیز کو پسند کیا ہے اس کو پسند کرنا ایک مومن کے لئے ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر کوئی شخص حضور نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ شے کو اہانت کی وجہ اس لئے ناپسند کرتا ہے کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کو پسند تھی تو یہ کفر ہوگا لیکن اگر اس کا یہ عمل اپنی طبیعت کے حساب سے ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

۲) فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

> لو قال (تو یک چند گاہ نماز یکن تا حلاوۃ بے نماز بینی) کفران اراد بہ الاستھزاء۔　　(الفتاویٰ السراجیۃ:ص:۶۸)

۳) علامہ علاؤالدین حصکفی فرماتے ہیں:

وصلاته حاسرا أي كاشفا رأسه للتكاسل و لا بأس به للتذلل و أما للاهانة بها فكفر (درمختار: ج:۲/ص:۴۰۷۔۴۰۸)

کسی کا سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے تاہم اگر یہ عاجزی کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر نماز کی توہین کے لئے ہو تو کفر ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص سستی کے باعث ننگے سر نماز پڑھے تو اس میں کراہت ہے البتہ عاجزی کے لئے درست ہے لیکن اگر نماز کی اہانت کے لئے سر کو ننگا کرے گا تو یہ کفر ہوگا۔

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

لو صلى رجل مكشوف الرأس و هو يجد عمامة ان كان للتذلل و التضرع لا بأس به و ان كان على وجه التهاون يكره۔

(فتاوی قاضی خان: ج:۱/ص:۶۶)

اگر کسی شخص نے ننگے سر نماز ادا کی جبکہ اس کے پاس عمامہ بھی تھا تو اگر یہ عاجزی و انکساری کے لئے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ ''تہاون'' کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔

یہاں فقہاء کی ''تھاون'' سے مراد سستی کی وجہ سے یا ٹوپی پہننے کو اہم امر نہ سمجھتے ہوئے ننگے سر نماز ادا کرنا ہے۔علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

للتكاسل :أي لأجل الكسل ،بأن استثقل تغطيته و لم يرها أمرا مهما في الصلاة فتركها لذلك،و هذا معنى قولهم تهاونا بالصلاة و ليس معناه الاستخفاف بها و الاحتقار لأنه كفر۔

(ردالمحتار: ج:۲/ص:۴۰۷)

للتکاسل: کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص سستی کی وجہ سے سر کو نہ ڈھانکے جیسے اپنے سر کو ڈھانکنا بوجھ سمجھے اور نماز کے لئے اسے کوئی ضروری کام نہ سمجھتے ہوئے ترک کر دے۔یہاں تہاون سے یہی (سستی کے طور پر اس عمل کو ترک کرنا ہے) مراد ہے۔اس کا مطلب نماز کی تحقیر اور اسے ہلکا جانتے ہوئے ترک کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ کفر ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ کی اس تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ فقہاء نے جس معنی میں الفاظ کو استعمال کیا ہے بالخصوص مسئلہ اکفار میں ان کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان مسائل میں فرد کی نیت کا اعتبار بھی کیا جائے تاکہ اس کا یہ عمل گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے ہے یا کسی دوسرے سبب سے، البتہ بعض اوقات دلالت حال سے اس کی نیت کا تعین بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے نعوذ باللہ مصحف کو جان کر گندگی میں پھینک دینا۔ اس صورت میں اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور نیت کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

۴) شیخ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ومن وصف الله تعالیٰ بما لا يليق به أو سخر باسم من اسمائه أو بامر من اوامره أو انكر وعده أو وعيده يكفر و كذا لو تمنى ان لا يكون نبى من الانبياء على قصد استخفاف أو عداوة و كذا لو ضحك على وجه الرضاء فيمن تكلم بالكفر و كذا لو جلس على مكان مرتفع و حوله جماعة يسألونه مسائل و يضحكون و يضربونه بالوسائد يكفرون جميعا و كذا لو امر رجلا أن يكفر بالله أو عزم على ان يامره بكفره و كذا لو أفتى لامرأة بالكفر لتبيين من زوجها و كذا لو قال عند شرب الخمر و الزنا بسم الله و كذا اذا صلى بغير القبلة أو بغير طهارة معتمدا يكفر و ان وفق ذلك القبلة و كذا لو أطلق كلمة الكفر استخفافا لا اعتقادا۔ (شرح العقائد النسفیہ ص:۱۶۹)

جس نے اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت سے متصف کیا جو اس کی شان کے لائق نہیں تھی یا اس نے اللہ تعالیٰ کے کسی اسم مبارک اور حکم کا مذاق اڑایا یا اللہ تعالیٰ کے کسی وعدے یا وعید کا انکار کیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے استخفاف کرتے ہوئے یا دشمنی میں یہ تمنا کی کہ فلاں اللہ کا نبی نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی کلمہ کفر ادا کرے اور اس کے سامنے رضامندی کے ساتھ ہنسا جائے، تو یہ کفر ہے۔ ایک شخص کسی بلند جگہ پر بیٹھ جائے اور دیگر

تمام لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ جائیں، اس سے سوال کریں، ہنسیں اور اس کو تکیوں سے ماریں تو وہ سب کافر ہو جائیں گے۔ اگر کوئی شخص کسی کو کافر ہونے کا حکم دے یا ارادہ کرے تو وہ خود کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح کسی مفتی نے کسی عورت کو مشورہ دیا کہ تم کافر ہو جاؤ تا کہ تم اپنے شوہر سے جدا ہو جاؤ تو وہ مفتی کافر ہو جائے گا (چاہے وہ عورت کافر ہو یا نہ ہو۔) اسی طرح اگر کسی نے شراب پیتے ہوئے یا زنا کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص نے قبلہ کے علاوہ کسی دوسری سمت میں نماز ادا کی یا بغیر طہارت کے (استخفافا) نماز ادا کی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے کلمہ کفر کو استخفافا ادا کیا تو اگر چہ وہ اس کا اعتقاد نہ ہو وہ کافر ہو جائے گا۔

۵) حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(من هـزل بلفظ كفر ارتد و ان لم يعتقده للاستخفاف) أي تكلم به باختيار غير قاصد معناه و هذا لا ينافي ما مر من أن الايمان هو التصديق فقط أو مع الاقرار لأن التصديق و ان كان موجودا حقيقة لكنه زائل حكما لأن الشارع جعل بعض المعاصي أمارة على عدم وجوده كالهزل المذكور و كما لو سجد لصنم أو وضع مصحفا في قاذورة فانه يكفر و ان كان مصدقا لان ذلك في حكم التكذيب كما افاده في شرح العقائد، و أشار الى ذلك بقوله: "للاستخفاف" فان فعل ذلك استخفافا و استهانة بالدين فهو أمارة عدم التصديق۔ (ردالمحتار: ج:۶/ ص:۳۵۶)

(جس نے کلمہ کفر کے ساتھ مذاق کیا تو وہ استخفاف کی وجہ سے مرتد ہو جائے گا اگر چہ وہ اس کا اعتقاد نہ رکھتا ہو) یعنی جس نے کلمہ کفر اپنے اختیار سے اس کے معنی کا ارادہ نہ کرتے ہوئے کہا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے کہ ایمان محض اقرار کے

ساتھ تصدیق کا نام ہے۔ تصدیق اگر چہ حقیقتاً موجود ہو لیکن وہ حکماً زائل ہو جاتی ہے کیونکہ شارع نے بعض گناہوں کو عدم تصدیق کی علامت قرار دیا ہے۔ جیسے مذکورہ مذاق اور بت کو سجدہ کرنا یا مصحف کو گندگی میں پھینک دینا ،اگر کسی نے یہ کام کیے تو وہ کافر ہو جائے گا اگر چہ وہ تصدیق کرنے والا ہو کیونکہ حکماً جھٹلانا ہی ہے۔ جیسا کہ شرح عقائد میں ذکر ہے۔ آپ نے اس طرف ''للاستخفاف'' کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ اگر اس نے یہ استخفاف کیلئے کیا اور دین کی توہین کیلئے کیا تو یہ تصدیق کے معدوم ہونے کی علامت ہے۔

٦) امام حموی فرماتے ہیں:

أقول و قد وقع الاستفتاء عن رجل مقطوع اليدين يكتب القرآن بأصابع رجليه هل يحرم عليه،و يكفر،و مقتضى هذا الفرع أنه لا يكفر حيث لم يكن مستخفا۔ (شرح الحموی:ص:٨٧)

میں یہ کہتا ہوں کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں فتوی پوچھا گیا جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں وہ اپنی دونوں پیروں کی انگلیوں سے قرآن لکھتا ہے ۔کیا یہ حرام ہے اور کیا وہ کافر ہو جائے گا؟اس فرع کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ یہ استخفاف کے لئے نہیں ہے۔

حضرت شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

وضع المصحف تحت رأسه مكروه الا لأجل الحفظ

(الأشباہ والنظائر:ج:١/ص:٣٤٣)

قرآن مجید کو سر کے نیچے رکھنا مکروہ ہے مگر یہ کہ حفاظت کیلئے ہو تو مکروہ نہیں۔

حضرت مفتی عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

كاغذ مكتوب فيه اسم الله تعالىٰ و وضعته تحت الفراش الذي يجلسون عليها هل يكره ؟قيل نعم :و قيل لا يكره كذا في خزانة الروايات قلت :الظاهر هو أنه ان كان للحفظ أو دعت اليه داعية لا يكره كما لا يكره وضع الرأس على المصحف

للنوم حفظا له و الركوب على الدابة و عليها جوالق فيها كتب الشريعة و الا فيكره۔ (فتاوی اللکنوی:ص:۴۰۷)

ایک کاغذ پر اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک لکھا ہے اور میں نے اسے ایسے کپڑے کے نیچے رکھ دیا جس پر لوگ بیٹھتے ہیں۔کیا یہ مکروہ ہے؟

اس کا جواب دیا گیا کہ جی ہاں ،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اسی طرح خزانہ روایات میں ہے۔میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ حفظ کے لئے ہو یا کسی ضرورت کے تحت ہوتو اس میں کراہت نہیں ہوگی جیسے سونے کے لئے مصحف کو سر کے نیچے حفاظت کے لئے رکھنے اور کسی ایسے جانور پر سوار ہونے جس پر اون ہواور ان میں علوم شریعت کی کتابیں ہوں، میں کراہت نہیں۔

مذکورہ مسائل میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر یہ بنیت استخفاف کئے گئے تو دائرہ اسلام سے خروج کا سبب بن جائیں گے البتہ بلانیت استخفاف یہ اعمال مکرہ ہیں لیکن اگر ضرورت کے تحت کئے جائیں تو ان میں کراہت بھی نہیں۔اسی طرح قرآن کے نسخہ کو اگر مصلحت کے پیش نظر جلا دیا جائے جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں میں افتراق سے بچنے کے لئے کیا تھا تو یہ جائز ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہادعراق سے واپس لوٹے تو آپ نے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں میں قراءت کے اختلاف سے پریشان ہوکرعرض کیا:"يا امير المؤمنين ادرک هذه الامة قبل ان يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود و النصارىٰ" اے امیر المومنین آپ اس امت کو سہارا دیجئے قبل اس کے کہ ان میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف واقع ہو۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تمام صحف منگوا کر حضرت زید بن ثابت،عبد اللہ بن زبیر،سعید بن عاص اور عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لسان قریش پر مصحف لکھنے کا حکم دیا۔پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کو ان کے صحف واپس کر دیئے اور اس نقل کردہ مصحف کو سب جگہوں پر بھجوا دیا اور اس کے علاوہ جتنے مصاحف موجود تھے انہیں جلانے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: فضائل القرآن: باب جمع القرآن)

البتہ اگر قرآن حکیم کے اوراق کو استخفاف کے لئے جلایا گیا تو اس صورت میں یہ کفر ہو گا۔ یاد رہے کہ حضرت امام سرخسی علیہ الرحمۃ اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیتے۔

(شرح السیر الکبیر: الجزء الثالث: باب: ما تحمل علیہ الفئی)

حضرت امام ابو داؤد علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

حدثنا احمد بن حنبل نا یزید قال انا محمد بن عمرو بن ابی سلمۃ عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: المراء فی القرآن کفر۔ (سنن أبی داؤد: کتاب السنۃ، رقم الحدیث: ۴۶۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قرآن میں شک کرنا کفر ہے۔

قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

تؤول بمعنی الشک و بمعنی الجدال۔ (الشفاء: ص: ۳۰۴)

لفظ مراء کی تاویل شک اور جدال کے معنی میں کی گئی ہے یعنی قرآن حکیم میں شک کرنا اور اس کے متفق علیہ امور پر جدال کرنا کفر ہے۔

۷) شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الاستھزاء بالعلم و العلماء کفر... و بترک العبادۃ تھاونا أو مستخفا و اما اذا ترکھا متکاسلا أو مؤولا فلا،... الاستھزاء بالاذان کفر لا بالمؤذن۔ (الأشباہ والنظائر: ج: ۱/ص: ۸۷۔۸۸)

علم اور علماء کا مذاق اڑانا کفر ہے۔۔۔ اور کسی عبادت کو توہین یا استخفاف کی نیت سے ترک کر دینا کفر ہے لیکن اگر اس نے عبادت کو سستی کے باعث چھوڑا یا تاویل کرتے ہوئے ترک کیا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔۔۔ اذان کا مذاق اڑانا کفر ہے جبکہ موذن کا مذاق اڑانا کفر نہیں ہے۔

یعنی اگر کسی عبادت کو سستی کے باعث ترک کیا گیا تو اس عمل سے وہ فاسق و فاجر ہوگا اس پر اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔اسی طرح اگر کوئی شخص تاویل کرتے ہوئے کسی عبادت کو ترک کر دیتا ہے جیسے بعض ائمہ کے نزدیک دلائل شرعیہ کی وجہ سے وتر اور قربانی کا واجب نہ ہونا، تو وہ کافر یا فاسق و فاجر بھی نہیں ہوگا۔

اس کی شرح میں امام حموی فرماتے ہیں:

قال بعض الفضلاء :فيفيد هذا أن الاستخفاف بالعلماء لا لكونهم علماء بل لكونهم ارتكبوا ما لا يجوز أو من حيث الادمية ليس بكفر و.هو يفيد أيضا أنه لو استخف بالمؤذن من حيث الاذان يكفر، انتهى۔ (شرح الحموی:ج:/ص:۸۷)

بعض فضلاء نے فرمایا ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ علماء کی توہین کرنا اس صورت میں کفر ہے جب ان کی توہین ان کے دین کے عالم ہونے کی وجہ سے کی جائے لیکن اگر ان کی توہین ان کے عالم ہونے کی وجہ سے نہ کی جائے بلکہ ان کی کسی ناجائز حرکت کی وجہ سے کی جائے یا ان کی توہین ان کے آدمی ہونے کی حیثیت سے کی جائے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔اس سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ اگر کوئی شخص موذن کی اس وجہ سے تحقیر کرے یہ کہ اذان دیتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

امام حموی کی اس وضاحت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مفسر، محدث، مفتی، عالم اور موذن وغیرہ کو گالی دیتا ہے یا برا بھلا کہتا ہے اور اس کا یہ عمل ان کے کسی ذاتی فعل کی وجہ سے ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا انہیں گالی دینا ان کے اللہ کے دین کے عالم ہونے یا اذان دینے والی کی نیت سے نہیں بلکہ ان کے کردار کی خرابی کی وجہ سے ہے۔پس اگر کوئی کسی عالم کی توہین کرتا ہے یا موذن کو گالی دیتا ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے تا وقتیکہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کا توہین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دین کے عالم یا مؤذن ہونے کی وجہ سے ہے۔

امام حموی فرماتے ہیں:

قال فی البزازیۃ :الاستخفاف بالعلماء کفر ،لکونہ استخفافا

بالعلم ،و العلم صفة الله تعالیٰ منحه فضلا خیار عباده لیدلوا خلقه علی شرعه نیابة عن رسوله صلی الله علیه وا له وسلم ،فاستخفافه بهذا العلم الی من یعود۔ (شرح الحموی:ج:۱/ص:۸۷)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ علماء کا علم کی صفت کی وجہ سے استخفاف کرنا کفر ہے۔علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے بہترین بندوں کو عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نبی کریم محمد رسول صلی اللہ علیہ والیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے شریعت کا راستہ دکھا سکیں۔اسی لئے علم کا استخفاف کرنا اس کا استخفاف ہے جس کی یہ صفت ہے۔

۸) محیط برہان میں ہے:

رجل قال مع اخر :کلما کان یأکل رسول صلی الله علیه واله وسلم کان یلحس أصابعه الثلاث.فقال ذلک الرجل(نعوذ بالله):این بی ادبی است.فهذا کفر.....رجل قال لاخر :احلق رأسک و قلم أظفارک فان هذا سنة رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم فقال ذلک الرجل لا أفعل و ان کان سنة فهذا کفر لأنه قال ذلک علی سبیل الانکار و الرد و کذا فی سائر السنن خصوصا فی سنة هی معروفة و ثبوتها بالتواتر کالسواک و غیره۔ (المحیط البرهانی:ج۷/ص:۴۰۸)

ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کھانے کے بعد اپنی مبارک تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔اس پر اس شخص نے کہا(نعوذ باللہ) یہ بے ادبی ہے۔یہ کفر ہے۔۔۔اسی طرح ایک شخص نے دوسرے سے کہا اپنا سر منڈوا دو یا اپنے ناخن کاٹ لو یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔اس پر دوسرے شخص نے کہا اگر چہ یہ سنت ہو میں یہ کام نہیں کروں گا۔یہ کفر ہے کیونکہ اس نے اس یہ بات انکار اور رد کے طور پر کہی ہے۔یہی حکم تمام سنتوں کا ہے،خاص طور پر ان سنتوں کا جو معروف ہیں اور ان کا ثبوت تواتر سے ہے جیسے مسواک وغیرہ۔

۹) ملائکہ میں سے کسی کی بھی توہین کرنا یا تحقیر کرنا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ○ (البقرۃ۲:۹۸)

جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو یقیناً اللہ (بھی ان) کافروں کا دشمن ہے۔

امام علی بن حسن طرابلسی حنفی فرماتے ہیں:

ومن سب ملكا من الملائكة قتل...و وقع فی الخلاصة لو قال :لقاؤک علی کلقاء ملک الموت ،قال الحاکم عبد الرحمن ان کان قاله لکراهة الموت لا یکفر و لو قال لعداوة ملک الموت یکفر۔ (معین الحکام:ص:۲۲۸)

اور جس نے ملائکہ میں سے کسی بھی فرشتہ کو گالی دی تو اسے قتل کیا جائے گا۔ ۔۔۔۔اور خلاصہ میں ہے کہ جس نے کسی سے کہا کہ میرے لئے تیری ملاقات ایسے ہے جیسے موت کے فرشتہ سے ملاقات کرنا ،حاکم عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ موت کی ناپسندیدگی کی وجہ سے کہا ہے تو وہ کافر نہیں ہوا اور اگر اس نے یہ موت کے فرشتہ کی دشمنی میں کہا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

۱۰) کفار کے دینی شعار یا طریقہ کو اپنانا:

شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و کذا لو تزنر بزنار الیهود و النصاری (الأشباہ والنظائر:ج:۱/ص:۹۰)

اگر کسی نے یہود و نصاریٰ کی زنار باندھی تو وہ کافر ہو جائے گا۔

شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و بوضع قلنسوة المجوسي علی رأسه علی الصحیح الا

لضرورة دفع الحر أو البرد و بشد الزنار فی وسطه الا اذا فعل ذلک خديعة فی الحرب و طليعة للمسلمين

(البحر الرائق: ج:۵/ص:۱۹۹)

اور مجوسیوں کی ٹوپی سر پر رکھنے سے بھی کافر ہو جائے گا صحیح قول کے مطابق مگر یہ کہ یہ ٹوپی پہننا گرمی یا سردی سے بچنے کے لئے ہو۔ اور بیچ میں زنار باندھنے سے بھی کافر ہو جائے گا مگر یہ کہ اس کا یہ عمل کفار کو دھوکہ دینے کے لئے یا مسلمانوں کی طرف سے جاسوسی کرنے کے لئے ہو۔

اس کی شرح میں امام حموی فرماتے ہیں:

أی بقصد الاستخفاف بالاسلام يكفر و لو فعل ذلک خديعة فی الحرب و طليعة للمسلمين لا يكفر۔ (شرح الحموی: ج:/ص:۹۰)

یعنی اگر اس نے یہ کام اسلام کے ساتھ استخفاف کی نیت سے کیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے یہ کام جنگ میں کفار کو دھوکہ دینے کے لئے کیا یا مسلمانوں کے جاسوس کے طور پر کیا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

اذا وضع قلنسوة المجوس على رأسه فقد قال بعض مشايخنا لا يكفر و قال بعضهم يكفر و بعض المتأخرين قالوا: ان كان لضرورة نحو دفع البرد أو غيره بأن كانت البقرة لا تعطيه اللبن بدونها۔ (التاتارخانیۃ: ج:۵/ص:۳۵۲)

اگر کسی نے اپنے سر پر مجوسیوں کی ٹوپی رکھی تو ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ بعض متاخرین فرماتے ہیں کہ اگر وہ یہ ٹوپی سردی سے بچنے کے لئے پہنتا ہے یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے پہنتا ہے جیسے اگر اسے پہنے بغیر گائیں دودھ نہ دے تو یہ کفر نہیں ہے۔

زنار وہ زنجیر ہے جس کو کفار اپنے اور مسلمانوں میں تمیز کرنے کے لئے کمر سے مذہبی

علامت کے طور پر باندھتے تھے۔اگر کوئی اسلام کے استخفاف کی نیت سے اسے باندھے گا یا مجوسیوں و کفار کے لباس کو اپنائے گا تو کافر ہو جائے گا لیکن اگر وہ جنگ میں یا جاسوسی کے لئے بظاہر کفار کا روپ دھارتا ہے تو یہ جائز ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

الحرب خدعة

جنگ دھوکہ ہے۔

(مسلم: کتاب الجہاد، باب جواز الخدع فی الحرب، رقم الحدیث:۴۴۳۴)

اگر کسی نے اسلام کے استخفاف کی نیت یا کفر کی تعظیم کے بغیر کفار کے کسی لباس وغیرہ کو پہنا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔آج کل ہمارے زمانے میں بکثرت نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فیشن کی وبا اور ترقی کے حصول کے جنون میں پھنس کر کئی ایک اہل کفر کی عادات، وضع وقطع، انداز گفتار، خاص طریقہ لباس اور صورت و سیرت کو اختیار کرتے ہیں، اس کی وجہ سے ان کی تکفیر کرنا درست نہیں کیونکہ ان کی ارادہ محض دنیاوی اعتبار سے ان کے طریقے کو اپنانا ہوتا ہے تاکہ ان کا شمار بھی تہذیب یافتہ اور پڑھے لکھے لوگوں میں ہونے لگے۔تاہم اگر کسی نے ان کی اتباع، اسلام کے استخفاف یا کفر و اہل کفر کی کفر کی وجہ سے تعظیم کرتے ہوئے کی تو کافر ہو جائے گا۔البتہ ان کے فسق و فجور میں شک نہیں۔بعض افراد کوٹ، پینٹ، کفار کی بنائی ہوئی ٹوپیوں یا ہیٹ وغیرہ پہننے کی وجہ سے اہل اسلام کی تکفیر کر دیتے ہیں انہیں اس عمل سے اجتناب کرنا چاہیئے اور اس باب میں کفار کے دینی شعار کو استخفاف اسلام کے لئے اور فیشن کے لئے اختیار کرنے میں فرق کرنا چاہئے۔کفار کے بعض تہوار ان کے خاص دینی شعار کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے کرسمس، ہولی وغیرہ۔نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اہل اسلام کو کفار و مشرکین سے خود کو ظاہری اعتبار سے بھی علیحدہ ثابت کرنے کا حکم دیا ہے۔اسی لئے خاص وضع قطع میں مجوسیوں اور کفار کی مخالفت کرنے کا حکم ہے تاکہ اہل ایمان ان سے الگ نظر آئیں۔یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ من تشبہ بقوم فھو منھم جو جس قوم کی نقل کرے گا وہ انہیں کے ساتھ ہوگا۔اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہود یوم عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں، اس دن کو عید قرار دیتے ہیں اور اپنی عورتوں کو زیورات پہناتے ہیں۔لوگوں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ھذا الیوم الذی اظھر اللہ فیہ موسیٰ و بنی اسرائیل علی فرعون فنحن نصومہ تعظیما لہ اس دن

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا ہم اسی لئے اس دن کی تعظیم میں روزہ رکھتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:نحن اولیٰ بموسیٰ منکم ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔پھر آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس دن کی تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جب اگلا سال آئے گا تو ہم ان شاء اللہ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے۔(صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب صوم یوم عاشوراء)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نویں اور دسویں کا روزہ رکھنے کا اشاد اس لئے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت بھی قائم رہے اور مسلمان یہود و نصاریٰ سے الگ بھی نظر آئیں۔اس ضمن میں ایک بات کا لحاظ رکھنا اور ضروری ہے کہ اگر کوئی علامت کسی خاص علاقے میں اہل کفر کی مذہبی علامت سمجھی جاتی ہے تو دوسرے علاقوں میں اس کو اختیار کرنے میں قباحت نہیں اسی طرح سے اگر اس علامت کو کفار ترک کر دیں تو بعد میں اسے استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان جنگ میں اپنی زبان سے بظاہر کفار کو دھوکہ دینے کے لئے کلمات کفریہ ادا کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

> قال رسول الله ﷺ من لكعب ابن الأشرف فانه قد اذى الله و رسوله(صلى الله عليه و اله وسلم) فقال محمد بن مسلمة يا رسول الله ﷺ أتحب أن اقتله؟ قال :نعم،قال:ائذن لى فلأ قل ،قال:قل،فاتاه، فقال له:و ذكر ما بينهما و قال:ان هذا الرجل قد أراد صدقة و قد عنا نا فلما سمعه قال: و ايضا و الله لتملّنّه ،قال:انا قد اتبعناه الان و نكره ان ندعه حتى ننظر الى اى شي يصير امره قال:و قد اردت ان تسلفني سلفا قال :فما ترهنني؟قال: ما تريد؟ قال: ترهنني نسائكم ،قال:أنت أجمل العرب أنرهنک نسائنا ،قال له: ترهنوا ني اولادكم ،قال: يسب

ابن احدنا فيقال :رهن في وسقين من تمر و لكن نرهنك اللامة يعني السلاح ،قال: فنعم وواعده أن يأتيه بالحارث و أبي عبس بن جبر و عبّاد بن بشر قال :فجاء وافدعوه ليلا فنزل اليهم قال سفيان قال غير عمر و قالت له امراته: أاسمع صوتا كانه صوت دم، قال: انما هذا محمد بن مسلمة و رضيعه و ابو نائلة ان الكريم لو دعى الى طعنة ليلا لأجاب ،قال محمد :انى اذا جاء فسوف امد يدي الى راسه فاذا استمكنت منه فدونكم ،قال: فلما نزل نزل و هو متوشح فقالوا :نجد منك ريح الطيب قال :نعم تحتي فلانةهي أعطر نساء العرب قال: فتأ ذن لى ان أشم منه قال: نعم فشم فتناول فشم ثم قال :أ تاذن لى ان اعود قال فاستمكن من رأسه ثم قال دونكم قال: فقتلوه۔

(مسلم: کتاب الجہاد: باب قتل کعب بن الاشرف طاغوت الیھو د)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا، کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچائی ہے؟ سو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ علیہ الصلاۃ والسلام اس کو پسند کریں گے کہ میں اس کو قتل کر دوں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا پھر مجھے کچھ تعریضا کہنے کی اجازت دیجیئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہہ لینا، پس وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے باتیں کیں اور اپنا اور حضور ﷺ کا فرضی معاملہ بیان کیا اور کہا کہ یہ شخص ہم سے (نعوذ باللہ) صدقات لیتا ہے اور ہم کو اس نے مصیبت میں ڈال رکھا ہے، جب کعب نے یہ سنا تو کہا خدا کی قسم ابھی تو تم کو اور مصیبت پڑے گی۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا ہم اس کی اتباع کر چکے ہیں اب ہمیں اس کو چھوڑنا برا معلوم ہوتا ہے تاوقتیکہ ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ اس کا مآل کار کیا ہوتا ہے، حضرت

محمد بن مسلمہ نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے کچھ قرض دو، کعب نے کہا تم میرے پاس کیا رہن رکھو گے؟ حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا جو تم چاہو ،کعب بن اشرف نے کہا تم اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھ دو، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا تم عرب کے حسین ترین شخص ہو ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں! کعب بن اشرف نے کہا پھر اپنے بچے گروی رکھ دو ،حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا کہ پھر ہمارے بچوں کو یہ گالی دی جائے کہ یہ دو وسق کھجور کے عوض گروی رکھا گیا تھا۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھ دیں گے، کعب نے کہا اچھا ،حضرت محمد بن مسلمہ نے کعب سے وعدہ کیا کہ حارث ،ابوعبس بن جبر اور عباد بن بشر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔ سو یہ لوگ اس کے پاس گئے اور رات کو اسے بلایا، کعب ان کی طرف جانے لگا ،اس کی بیوی نے کہا مجھے ایسی آواز آرہی ہے جیسے خون کی آواز ہو، کعب نے کہا محمد بن مسلمہ، اس کا رضاعی بھائی اور ابو نائلہ ہے اور معزز آدمی کو اگر رات کے وقت نیزہ مارنے کے لئے بلایا جائے تو چلا جاتا ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اپنا ہاتھ اس کے سر کی طرف بڑھاؤں گا جب میں اس پر قابو پاؤں تو تم اس وقت اس پر حملہ کر دینا، جب کعب نیچے اترا تو وہ سر کو چادر سے چھپائے ہوئے تھا ان لوگوں نے کہا آپ سے تو خوشبو کی مہک آرہی ہے اس نے کہا ہاں میرے ہاں فلاں عورت ہے جو عرب کی سب سے زیادہ معطر عورت ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا کیا آپ مجھے یہ خوشبو سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا ہاں سونگھ لو، حضرت محمد بن مسلمہ نے اس کا سر سونگھا پھر کہا کیا آپ مجھے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت دیں گے اور پھر اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا پھر ساتھیوں سے کہا حملہ کر دو اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

محیط برہانی میں ہے:

فقد صح أن رسول الله ﷺ لما بعث جماعة من أصحابه رضي الله تعالیٰ عنهم لقتل كعب ابن الاشرف استاذنوا منه أن يقولوا أشياء يخادعونه و يعتمد هو عليهم فاذن لهم رسول الله في ذلك فقال واحد منهم لكعب: ان خروج هذا الرجل كان من البلاء علينا و لو كان ذلك كفرا لما قاله۔

(المحیط البرھانی: ج:۷/ص:۴۰۸)

نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک جماعت کو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ اس سے کچھ ایسی باتیں کہہ سکیں جو اس کو دھوکہ میں ڈال دیں اور وہ ان پر اعتماد کرلے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک نے کعب سے کہا کہ (نعوذ باللہ) اس شخص (ﷺ) کا نکلنا ہمارے لئے بڑی مصیبت اور آزمائش کا سبب بن گیا ہے۔ اگر یہ کفر ہوتا تو نبی کریم ﷺ ان کو ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے۔

اس حدیث شریف میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ بظاہر کلمات کفر اور منافقت پر مبنی ہیں لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلب مبارک ایمان پر مطمئن تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اجازت سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گستاخ رسول ﷺ کو دھوکہ دے کر قتل کرنے کیلئے بظاہر زبان سے ایسے کلمات کفر ادا کئے کہ وہ آپ کو منافق سمجھنے لگا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے اس ملعون کو قتل کرنا آسان ہوگیا۔ اگر اس طرح کے کلمات دشمن کو دھوکہ دینے کیلئے بھی کفر ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم ان کو ضرور منع فرما دیتے اور کبھی بھی اجازت مرحمت نہ فرماتے۔ پس اگر کوئی شخص جنگ میں کفار کو دھوکہ دینے اور اہل اسلام کو نفع پہنچانے کیلئے ان کی خاص وضع قطع اپناتا ہے یا ان کی بولی بولتا ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ اس کا یہ عمل مستحسن ہوگا۔

توہین الٰہی

''الدین کلہ ادب'' دین ادب کا نام ہے۔ایمان و محبت انسان کو اللہ تعالیٰ،اس کے حبیب ﷺ اور ان سے متعلقہ ہر شے کے ادب کی تعلیم دیتے ہیں۔کامل و صادق مومن وہی ہوتا ہے جس کے دل میں ایمان داخل ہو اور اس کا قلب ہر قسم کے شکوک شبہات سے پاک ہو۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی بھی قسم کی بے ادبی کا مرتکب ہونا دل کے ایمان سے خالی ہونے کی علامت ہے کیونکہ ایک مومن سے یہ بات بعید ہے کہ وہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ پر سب دشتم کرے یا کوئی بے ادبی کا کلمہ زبان پر لائے۔ہر نبی کی تعلیم کا مرکز ما من الہ غیرہ اور قولوا لاالہ الا اللہ تفلحوا رہا ہے تاکہ انسان اپنے رب وحدہ لاشریک کی کما حقہ عبادت کر سکے۔جب کوئی شخص تکبر میں انتہائی درجہ پر پہنچ جائے تو پھر وہ اللہ رب العالمین پر تکبر کرتے ہوئے أنا ربکم الاعلی کا نعرہ لگاتا ہے یا کسی اور سخت بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے۔اللہ رب العزت کی ذات اقدس کا انکار کرنا،کسی شے کو اس کا شریک ٹھہرانا یا کسی کو اس کا بیٹا یا بیٹی کہنا ظلم عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

ان الشرک لظلم عظیم o　(لقمان ۳۱:۱۳)

بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس گناہ کو معاف بھی نہیں فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ
وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا o　(النساء ۴:۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے،اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے واقعۃً زبردست گناہ کا بہتان باندھا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيْ أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ
(یٰس ۳٦:۷۷،۷۸،۷۹)

کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا پھر بھی وہ کھلے طور پر سخت جھگڑالو بن گیا۔ اور (خود ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا اور) اپنی پیدائش (کی حقیقت) کو بھول گیا۔ کہنے لگا ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ فرما دیجئے: انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدّاً تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدّاً أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَداً وَمَا يَنبَغِيْ لِلرَّحْمَنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَداً (مریم ۱۹:۸۸تا۹۲)

اور (کافر) کہتے ہیں: کہ (خدائے) رحمٰن نے (اپنے لئے) لڑکا بنالیا ہے۔ (اے کافرو!) بیشک تم بہت ہی سخت اور عجیب بات (زبان پر) لائے ہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اس (بہتان) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ کہ انہوں نے (خدائے) رحمٰن کے لئے لڑکے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور (خدائے) رحمٰن کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو اپنا) لڑکا بنائے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَن كَانَ عَدُوّاً لِّلّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ○ (البقرۃ ۲:۹۸)

جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہوا تو یقیناً اللہ (بھی ان) کافروں کا دشمن ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا عَذَاباً شَدِيْداً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِيْ كَانُوا يَعْمَلُونَ ذَلِكَ جَزَاء أَعْدَاء اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاء بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ○ (حم السجدة ۴۱:۲۶ تا ۲۸)

اور کافر لوگ کہتے ہیں: تم اس قرآن کو مت سنا کرو اور اس (کی قرأت کے اوقات) میں شور و غل مچایا کرو تاکہ تم (ان کے قرآن پڑھنے پر) غالب رہو۔ پس ہم کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ہم انہیں ان کے برے اعمال کا بدلہ ضرور دیں گے جو وہ کرتے رہے تھے۔ یہ دوزخ اللہ کے دشمنوں کی جزا ہے، ان کے لئے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا آیاتِ مقدسہ کے علاوہ بکثرت آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی قباحت کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک و کفر سے محفوظ و مامون فرمائے۔ امین۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كذبنى ابن ادم و لم يكن له ذلك شتمنى ولم يكن له ذلك وفاما شتمه اياى فقوله ان لى ولدا و انا الاحد الصمد۔

(صحیح البخاری: تفسیر القرآن: باب قولہ اللہ الصمد)

ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا، اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا، اس کا مجھے گالی دینا یہ کہنا ہے کہ میرا کوئی بیٹا حالانکہ میں یکتا، بے نیاز ہوں۔

اس حدیث شریف کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ کفار کے وہ عقائد جو ہمارے نزدیک شتم ہیں لیکن ان کے نزدیک شتم نہیں تو دنیاوی اعتبار سے ان کے معاملہ میں اسے سب و شتم میں شمار نہیں کیا جائے گا جیسے نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کسی کو اس کا بیٹا یا بیٹی قرار دیا جائے۔ وہ لم یلد ولم یولد ہے۔ البتہ اگر کسی کافر نے اللہ رب العزت کی شان میں کوئی ایسا کلمہ استعمال کیا جو توہین پر مبنی ہو

تو قاضی کو چاہیئے کہ اسے تادیبا سزا دے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

و لو قال: للہ تعالیٰ شریک أو ولد أو زوجة أو هو جاهل أو عاجز أو نقص بذاته أو صفاته کفر۔ (التاتارخانیۃ: ج:۲/ص:۳۱۵)

اور اگر کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا (نعوذ باللہ) کوئی شریک ہے یا اس کا کوئی بیٹا ہے یا بیوی ہے یا وہ جاہل ہے یا وہ عاجز ہے یا اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں نقص نکالے تو وہ کافر ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

یکفر اذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به أو سخر باسم من أسمائه أو بامر من أوامره أو انکر وعده أو وعیده أو جعل له شریکا أو ولدا أو زوجة أو نسبه الی الجهل أو العجز أو النقص و یکفر بقوله یجوز أن یفعل الله تعالیٰ فعلا لا حکمة فیه و یکفر ان اعتقد أن الله تعالیٰ یرضی بالکفر۔ (الفتاویٰ الھندیۃ: ج:۲/ص:۲۵۸)

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف کرے جو اس کی شان کے لائق نہ ہو یا اس کے نام مبارک کا یا اس کے احکامات میں سے کسی حکم کا مذاق اڑائے یا اللہ تعالیٰ کے وعدہ یا وعید کا انکار کرے یا اس کا کوئی شریک ٹھہرائے یا کسی کو اس کا بیٹا یا بیوی قرار دے یا اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت، عاجزی یا نقص کی نسبت کرے وہ کافر ہو جائے گا۔ اور جو یہ کہے کہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرے جس میں کوئی حکمت نہ ہو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہوتا ہے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فان کان مسلما وجب قتله بالاجماع. لأنه بذلک کافر مرتد، و أسوأ من الکافر فان کان الکافر یعظم الرب و یعتقد أن ما هو

عليه من الدين الباطل ليس باستهزاء بالله و لا مسبة له

(الصارم المسلول:ص:۳۷۷)

پس اگر وہ (توہین الٰہی کا مرتکب) مسلمان ہوتو اس کو بالاجماع قتل کیا جائے گا کیونکہ اس سے وہ کافر ومرتد ہو گیا بلکہ وہ کافر سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ کافر رب کی تعظیم کرتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس دین باطل پر وہ قائم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق واستہزاء نہیں ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے لئے سب وشتم ہے۔

آگے آپ لکھتے ہیں:

و كذلك ذكر أصحاب الشافعي رضى الله عنه، قالوا: سب الله ردة فاذا تاب قبلت توبته .....و هذامذهب الامام أبي حنيفة أيضا۔ (الصارم المسلول:ص:۳۷۸)

اسی طرح امام شافعی کے اصحاب نے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر سب وشتم کرنا ارتداد ہے۔ اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فمن أشرک بالله أو جحد ربوبيته أو صفة من صفاته أو بعض كتبه أو رسله أو سب الله أو رسوله صلى الله عليه و اله وسلم فقد كفر۔ (البحر رائق اصول الفقہ: ج:۲/ص:۳۳۳)

پس جس نے اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنایا یا اس کے رب ہونے کا انکار کیا یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کا انکار کیا یا اللہ کی کسی کتاب کا انکار کیا یا کسی رسول کا انکار کیا یا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو گالی دی تو اس نے کفر کیا۔

امام ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ومن سب الله تعالىٰ كفر سواء كان مازحا او جادا و كذلک من

استهزأ بالله تعالىٰ أو باياته او برسله او كتبه. قال الله تعالىٰ: قل ا بالله و اياته و رسوله كنتم تستهزء ون لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم ان نعف ان طائفة منكم نعذب طائفة بانهم كانوا مجرمين (التوبة ۹: ۶۵، ۶۶) (المغنی: ج:۱۰ / ص:۲۲۳)

اور جس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی وہ کافر ہو گیا چاہے اس نے یہ عمل مذاق میں کیا ہو یا حقیقت میں، اور اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات، رسولوں یا کتابوں کے ساتھ مذاق کیا تو وہ بھی کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فرما دیجئے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ (اب) تم معذرت مت کرو، بیشک تم اپنے ایمان (کے اظہار) کے بعد کافر ہو گئے ہو، اگر تم میں ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں (تب بھی) دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔

ان تمام اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا، اس کی طرف کسی ایسی صفت کو منسوب کرنے والا جو اس کے شایان شان نہ ہو اور اللہ رب العزت پر نعوذ باللہ سب شتم کرنے والا کافر اور مرتد ہے ایسے ملعون کی سزا قتل ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

مفتی محمد رفیق الحسنی صاحب کی کتاب

رفيق الفقهاء المسترشدين

فى الفقه والسنه والقرآن المبين

نفیس کتاب ہے............آج ہی خریدیں اور مطالعہ فرمائیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ غوثیہ پرانی سبزی منڈی کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی ..... لاہور

توہین رسالت

اللہ رب العزت نے ثقلین کی ہدایت کے لئے مختلف ادوار میں انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ نبوت کا سلسلہ حضور نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے لہذا آپ ﷺ کے بعد کسی کو بھی منصب نبوت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی تبیین کما حقہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہی کرتے ہیں اسی لئے ان کی امت پر ان کی اطاعت کرنا فرض ہوتی ہے۔ اگر کوئی ان کی تصدیق کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا ہے اور اگر کوئی ان کی تکذیب کرتا ہے تو یہ درحقیقت اللہ رب العزت کی تکذیب ہے۔ ہر دور میں صرف اللہ تعالیٰ کا نبی ہی واحد ذریعہ ہوتا ہے جو بندوں کا تعلق حقیقی طور پر معبود حقیقی سے جوڑتا ہے یعنی ہر دور میں نبی کی ذات ہی ایمان کا محور ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے بڑے ہی واشگاف الفاظ میں اس کی صراحت فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت و محبت ہی اللہ کی اطاعت و محبت ہے اور ان کی توہین کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جرم عظیم ہے جس کا ارتکاب کرنے والا دنیا و آخرت میں نامراد و بدبخت رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** (النساء۴:۸۰)
>
> جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

> **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ و یغفرلکم ذنوبکم و اللہ غفور رحیم ○** (ال عمران۳:۳۱)
>
> (اے حبیب! ﷺ) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

> **و ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوہ** (الحشر۵۹:۷)
>
> اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اس سے) رک جایا کرو۔

ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے بارے میں فرمایا:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلاً إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْراً عَظِيماً ○

(الفتح ۴۸:۸،۹،۱۰)

بیشک ہم نے آپ کو (روز قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال واحوال امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم وتکریم کرو اور (ساتھ) اللہ کی صبح شام تسبیح کرو۔ (اے حبیب ﷺ) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہو گا اور جس نے (اس) بات کو پورا کیا جس (کے پورا کرنے) پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ رب العزت کے نزدیک کسی نبی کی توہین وتحقیر نہایت ہی کبیرہ گناہ ہے۔ ابلیس کو بھی اسی لئے مردود قرار دیا گیا کہ اس نے اللہ کے نبی سیدنا وابونا آدم علیہ السلام پر تکبر کرتے ہوئے أنا خير منه (میں اس سے زیادہ بہتر ہوں) کہا اور آپ علیہ السلام کے استخفاف میں اہانتا کہا لم اکن لأسجد لبشر خلقته من صلصال من حما مسنون (میں ہر ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سن رسیدہ (اور) سیاہ بودار بجنے والے گارے سے تخلیق کیا ہے) اور سجدہ تعظیمی کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی پر فرمایا:

فاخرج فانک رجیم ○　　(الحجر ۱۵:۳۴)

(اللہ نے) فرمایا: تو یہاں سے نکل جا پس بیشک تو مردود (راندۂ درگاہ) ہے۔

بنی اسرائیل پر ذلت ومسکنت کو اسی وجہ سے مسلط کیا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار

کیا، اللہ کے نبیوں کو ناحق شہید کیا اور ان کی نافرمانی کر کے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآؤُواْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُواْ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَواْ وَّكَانُواْ يَعْتَدُونَ ○ (البقرۃ ۲:۶۱)

اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں لوٹ گئے، یہ اس وجہ سے (ہوا) ہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، اور یہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور (ہمیشہ) حد سے بڑھ جاتے تھے۔

ابولہب نے جب نبی کریم ﷺ کے لئے (نعوذ باللہ) تبا لک کہا تو اللہ عزیز حکیم نے پوری سورت کا نزول فرما کر اس کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا اعلان فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ. مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلَى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ ○ (سورۃ أبی لھب ۱۱۱)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے (اس نے ہمارے حبیب ﷺ پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی ہے)۔ اسے اس کے (موروثی) مال نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور نہ ہی اس کی کمائی نے۔ عنقریب وہ شعلوں والی آگ میں جا پڑے گا۔

اسی طرح اس کی بیوی جو آپ ﷺ کی راہوں میں کانٹے چن کر بچھاتی تھی اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے مقابلہ میں لوگوں کو بھڑکاتی تھی اس کے بارے میں فرمایا:

وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ○

(سورۃ أبی لھب ۱۱۱)

اور اس کی (خبیث) عورت (بھی) جو (کانٹے دار) لکڑیوں کا بوجھ (سر پر) اٹھائے پھرتی ہے، (اور ہمارے حبیب ﷺ کے تلووں کو زخمی کرنے کے لئے رات کو ان کی راہوں میں بچھا دیتی ہے)۔ اس کی گردن میں کھجور کی

چھال کا (وہی) رسہ ہوگا (جس سے وہ کانٹوں کا گٹھا باندھتی ہے)۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر جب ابوجہل ملعون نے اوجھڑی رکھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا کرنے سے روکنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْداً إِذَا صَلَّى أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَى أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّى أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ فَلْيَدْعُ نَادِيَه سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب (العلق ۹۶:۹ تا ۱۹)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ (اللہ کے) بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔ یا وہ (لوگوں کو) پرہیز گاری کا حکم دیتا (تو کیا خوب ہوتا)۔ اب بتایئے! اگر اس نے (دین حق کو) جھٹلایا ہے اور (آپ سے) منہ پھیر لیا ہے (تو اس کا حشر کیا ہوگا)؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ (اس کے سارے کردار کو) دیکھ رہا ہے؟ خبردار! اگر وہ (گستاخی رسالت اور دین حق کی عداوت سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے۔ پس وہ اپنے ہم نشینوں کو (مدد کے لئے) بلالے۔ ہم بھی عنقریب (اپنے) سپاہیوں (یعنی دوزخ کے عذاب پر مقرر فرشتوں) کو بلالیں گے۔ ہرگز نہیں! آپ اس کے کہنے کی پرواہ نہ کیجئے اور (اے حبیب مکرم! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سر بسجود رہئے اور (ہم سے مزید) قریب ہوتے جایئے۔

جب مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنی بے سروسامانی کے باوجود قیصر سے جنگ کرنے کے لئے تیاریاں کرنے لگے تو منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا (نعوذ باللہ) تمسخر اڑانے لگے۔ ایک منافق نے کہا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، بزدل ہیں، دیکھو اب یہ شہنشاہ روم سے لڑنے چلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی ان باتوں سے مطلع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو بلایا اور فرمایا تم نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں وہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف

مذاق اور دل لگی کررہے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

یحذر المنافقون ا ن تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم قل استھزء وا ان اللہ مخرج ما تحذرون و لئن سألتھم لیقولن انما کنا نخوض و نلعب قل ا باللہ و ایاتہ و رسولہ کنتم تستھزء ون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ان نعف ان طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانھم کانوا مجرمین ٥　　(التوبۃ ۹:۶۴،۶۵،۶۶)

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل کر دی جائے جو انہیں ان باتوں سے خبردار کر دے جو ان (منافقوں) کے دلوں میں (مخفی) ہیں۔فرما دیجئے:تم مذاق کرتے رہو،بیشک اللہ وہ (بات) ظاہر فرمانے والا ہے جس سے تم ڈر رہے ہو۔اور اگر آپ ان سے دریافت کریں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔فرما دیجئے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟(اب)تم معذرت مت کرو،بیشک تم اپنے ایمان (کے اظہار) کے بعد کافر ہو گئے ہو،اگر تم میں ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں (تب بھی) دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و الذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم ٥　　(التوبۃ ۹:۶۱)

اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں ادنی سی بھی گستاخی کرنے والا دائرہ اسلام سے بالاتفاق خارج ہو جاتا ہے۔آپ ﷺ کی محبت ہی ایمان ہے اور کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک وہ نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبت نہ کرے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی أکون أحب الیه من والده و ولده و الناس اجمعین۔ (رواہ البخاری: باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

تم میں سے کوئی (کامل) ایمان والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب ترین نہ ہو جاؤں۔

محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب سے تعلق رکھنے والی ہر شے سے محبت کی جائے اور اس کی تعظیم و توقیر بھی کی جائے کہ اس کا تعلق محبوب سے ہے۔ پس جس طرح محبوب کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر لازمی ہے اسی طرح ہر شے جو آپ ﷺ سے تعلق رکھتی ہے اس کی تعظیم کرنا اور اس سے محبت رکھنا جزو ایمان ہے۔

توہین رسالت کی شناعت اور قرآن حکیم:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○ (الحجرات ۴۹: ۱-۲)

اے ایمان والو! (کسی بھی معاملہ میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں رسول ﷺ کی بے ادبی نہ ہو جائے)، بیشک اللہ (سب کچھ) سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

۲) وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ○

(ابراھیم ۱۴: ۱۳)

اور کافر لوگ اپنے پیغمبروں سے کہنے لگے: ہم بہر صورت تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تمہیں ہمارے مذہب میں لوٹ آنا ہوگا، تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔

۳) وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِيْ وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّيْ رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِيْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ۝ (الصف ٦١:٥)

جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے اذیت کیوں دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔ پھر جب انہوں نے کج روی جاری رکھی تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

۴) إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيْلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئاً وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ۝

(محمد ۴۷:۳۲)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا اور رسول (ﷺ) کی مخالفت (اور ان سے جدائی اختیار) کی اس کے بعد کہ ان پر ہدایت (یعنی عظمت رسول ﷺ کی معرفت) واضح ہو چکی تھی وہ اللہ کا ہرگز کچھ نقصان نہیں کر سکیں گے اور اللہ ان کے سارے اعمال کو نیست و نابود کر دے گا۔

۵) وَلَوْلَا أَن كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاء لَعَذَّبَهُمْ فِيْ الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِيْ الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب ۝ (الحشر ۵۹:۳۔۴)

اور اگر اللہ نے ان کے حق میں جلا وطنی لکھ نہ دی ہوتی تو وہ انہیں دنیا میں (اور سخت) عذاب دیتا، اور ان کے لئے آخرت میں درد ناک عذاب ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے شدید عداوت کی (ان کا سرغنہ کعب بن اشرف بد نام گستاخ رسول ﷺ تھا) اور جو شخص اللہ (اور رسول ﷺ کی) مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

۶) إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُّهِيناً ○ (الاحزاب ۳۳:۵۷)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور ان کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کیا گیا ہے۔

۷) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّى حِينٍ ○ (المومنون ۲۳:۲۳، ۲۴، ۲۵)

اور بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے؟ تو ان کی قوم کے سردار جو کفر کر رہے تھے کہنے لگے: یہ شخص محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے (اس کے سوا کچھ نہیں)، یہ تم پر (اپنی) فضیلت و برتری قائم کرنا چاہتا ہے، اور اگر اللہ (ہدایت کے لئے کسی پیغمبر کو بھیجنا) چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا، ہم نے تو یہ بات اپنے اگلے آباء و اجداد میں (کبھی) نہیں سنی۔ یہ شخص تو سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اسے دیوانگی (کا عارضہ لاحق ہو گیا) ہے سو تم ایک عرصہ اس کا انتظار کرو۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَراً مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذاً لَّخَاسِرُونَ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَاباً وَعِظَاماً أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ

كَذِباً وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَبِّ انصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُونِ قَالَ عَمَّا
قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِيْنَ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاء
فَبُعْداً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ٥　　(المومنون۲۳:۳۳ تا۴۱)

اور ان کی قوم کے (بھی وہی) سردار بول اٹھے جو کفر کر رہے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلا رہے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں (مال و دولت کی کثرت کے باعث) آسودگی (بھی) دے رکھی تھی (لوگوں سے کہنے لگے) کہ یہ شخص تو محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، وہی چیزیں کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی کچھ پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔

اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت کر لی تو پھر تم ضرور خسارہ اٹھانے والے ہو گے۔کیا یہ تم سے یہ وعدہ کر رہا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور تم مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (دوبارہ زندہ ہو کر) نکالے جاؤ گے۔بعید (از قیاس) بعید (از وقوع) ہیں وہ باتیں جن کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔وہ (آخرت کی زندگی کچھ) نہیں ہماری زندگانی بس یہی دنیا تو ہے ہم (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور (بس ختم)،ہم (دوبارہ) نہیں اٹھائے جائیں گے۔یہ تو محض ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے اور ہم بالکل اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔(پیغمبر نے) عرض کیا: اے میرے رب! میری مدد فرما اس صورتحال میں کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ارشاد ہوا تھوڑی ہی دیر میں وہ پشیماں ہو کر رہ جائیں گے۔پس سچے وعدے کے مطابق انہیں خوفناک آواز نے آپکڑا سو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا، پس ظالم قوم کیلئے (ہماری رحمت سے) دوری و محرومی ہے۔

۸) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَى رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ أَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِباً أَم بِهِ جِنَّةٌ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِيْ الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيْدِ٥

(السبا۳۴:۷،۸)

اور کافر لوگ (تعجب واستہزاء کی نیت سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہیں ایسے شخص کا نہ بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (مرکر) بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو یقیناً تمہیں (ایک) نئی پیدائش ملے گی۔ (یا تو) وہ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے یا اسے جنون ہے، (ایسا کچھ بھی نہیں) بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

۹) إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ إِنَّكُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○

(الصافات ۳۷: ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹)

یقیناً وہ ایسے لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں؟ (وہ نہ مجنون ہے نہ شاعر) بلکہ وہ (دین) حق لے کر آئے ہیں اور انہوں نے (اللہ کے) پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔ بے شک تم درد ناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو۔ اور تمہیں (کوئی) بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر صرف اسی کا جو تم کیا کرتے تھے۔

۱۰) أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ○ (الدخان ۴۴: ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶)

اب ان کا نصیحت ماننا کہاں (مفید) ہوسکتا ہے حالانکہ ان کے پاس واضح بیان فرمانے والے رسول آ چکے۔ پھر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور (گستاخی کرتے ہوئے) کہنے لگے: (وہ) سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ بیشک ہم تھوڑا سا عذاب دور کئے دیتے ہیں تم یقیناً وہی (کفر) دہرانے لگو گے۔ جس دن ہم بڑی سخت گرفت کریں گے تو (اس دن) ہم یقیناً انتقام ہی لیں گے۔

۱۱) وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ

وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ○ (الذاریات ۵۱:۳۸،۳۹،۴۰)

اور موسیٰ (علیہ السلام کے واقعہ) میں (نشانیاں ہیں) جب ہم نے انہیں فرعون کی طرف واضح دلیل دے کر بھیجا۔ تو اس نے اپنے اراکین سلطنت سمیت روگردانی کی اور کہنے لگا: (یہ) جادوگر یا دیوانہ ہے۔ پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو (عذاب کی) گرفت میں لے لیا اور ان (سب) کو دریا میں غرق کر دیا اور وہ تھا ہی قابل ملامت کام کرنے والا۔

۱۲) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ وَلَقَدْ تَّرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ○

(القمر ۵۴:۹،۱۰،۱۱،۱۲،۱۳،۱۴،۱۵،۱۶)

ان سے پہلے قوم نوح نے (بھی) جھٹلایا تھا۔ سو انہوں نے ہمارے بندۂ (مرسل نوح علیہ السلام) کی تکذیب کی اور کہا: (یہ) دیوانہ ہے اور انہیں دھمکیاں دی گئیں۔ سو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں (اپنی قوم کے مظالم سے) عاجز ہوں پس تو انتقام لے۔ پھر ہم نے موسلا دھار بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے۔ اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے، سو (زمین و آسمان کا) پانی ایک ہی کام کے لئے جمع ہو گیا جو (ان کی ہلاکت کے لئے) پہلے سے مقرر ہو چکا تھا۔ اور ہم نے ان کو (یعنی نوح علیہ السلام کو) تختوں اور میخواں والی (کشتی) پر سوار کر لیا۔ جو ہماری نگاہوں کے سامنے (ہماری حفاظت میں) چلتی تھی، (یہ سب کچھ) اس شخص کا بدلہ لینے کی خاطر کیا گیا تھا جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور بے شک ہم نے اس (طوفان نوح علیہ السلام کے آثار کو) نشانی کے طور پر باقی رکھا تو کیا

کوئی سوچنے (اور نصیحت قبول کرنے والا) ہے؟ سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔

۱۳) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِىْ جَمَعَ مَالاً وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ○ (سورۃ الھمزۃ)

ہر اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو (روبرو) طعنہ زنی کرنے والا ہے (اور پس پشت) عیب جوئی کرنے والا ہے۔ (خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ ہرگز نہیں! وہ ضرور حطمہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ حطمہ کیا ہے؟ (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی۔ بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی۔ (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔

یہ سورت ان لوگوں کے لئے نازل کی گئی جو نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی غیبت کیا کرتے تھے۔

۱۴) يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُون أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ○ (یسین ۳۶: ۳۰، ۳۱، ۳۲)

ہائے (ان) بندوں پر افسوس! ان کے پاس کوئی رسول نہ آتا تھا مگر یہ کہ وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر ڈالیں، کہ اب وہ لوگ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ مگر یہ کہ یہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کئے جائیں گے۔

۱۵) وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ○

(النساء۴:۱۱۵)

اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے بعد کے اس پر ہدایت واضح ہو چکی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

۱۶) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ○ (البقرۃ۲:۱۰۴)

اے یمان والو! (نبی اکرم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) راعنا مت کہا کرو بلکہ (ادب سے) انظرنا (ہماری طرف نظر کرم فرمائیے) کہا کرو اور (ان کا ارشاد) بغور سنتے رہا کرو، اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

۱۷) كيف يهدى الله قوما كفروا بعد ايمانهم و شهدوا ان الرسول حق و جاء هم البينت والله لا يهدى القوم الظلمين. اولئک جزاؤهم ان عليهم لعنة الله و الملئكة و الناس اجمعين. خلدين فيها لا يخفف عنهم العذاب و لا هم ينظرون الا الذين تابوا من بعد ذلک و اصلحوا فان الله غفور رحيم. ان الذين كفروا بعد ايمانهم ثم ازدادوا كفرا لن تقبل توبتهم و اولئک هم الضالون ان الذين كفروا وماتوا وهم كفار فلن يقبل من احدهم ملء الارض ذهبا و لو افتدى به اولئک لهم عذاب اليم و ما لهم من نصرين ○

(ال عمران۳:۸۶۔۸۷۔۸۸۔۸۹۔۹۰۔۹۱)

اللہ ان لوگوں کو کیونکر ہدایت فرمائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ وہ اس امر کی گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آ چکی تھیں، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔ ایسے

لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت پڑتی رہے۔ وہ اس پھٹکار میں ہمیشہ (گرفتار) رہیں گے اور ان سے اس عذاب میں کمی نہیں کی جائی گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور (اپنی) اصلاح کر لی، تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا اور پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور حالت کفر میں ہی مر گئے سو ان میں سے کوئی شخص اگر زمین بھر سونا بھی (اپنی نجات) کیلئے معاوضہ میں دینا چاہے تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، انہی لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکے گا۔

۱۸) **و منهم الذين يؤذون النبي و يقولون هو اذن قل اذن خير لكم يؤمن بالله و يؤمن للمؤمنين و رحمة للذين امنوا و الذين يؤذون رسول الله لهم عذاب اليم يحلفون بالله لكم ليرضوكم و الله و رسوله احق ان يرضوه ان كانوا مؤمنين الم يعلموا انه من يحادد الله و رسوله فان له نار جهنم خالدا فيها ذلك الخزى العظيم o**

(التوبۃ ۹: ۶۱، ۶۲، ۶۳)

اور ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (مکرم ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ وہ تو کان (کے کچے) ہیں۔ فرما دیجئے: تمہارے لئے بھلائی کے کان ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان (کی باتوں) پر یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہیں، اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ مسلمانو! یہ (منافقین) تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے

کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے) کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ (مقرر) ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ زبردست رسوائی ہے۔

۱۹) إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ○ (الکوثر ۱۰۸:۳)

بیشک آپ کا دشمن ہی بے نسل اور بے نام ونشاں ہوگا۔

خلاصہ:

مذکورہ بالا آیات مقدسہ سے درج ذیل نکات مستفاد ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرام اور بالخصوص خاتم النبیین محمد رسول اللہ علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں بے ادبی یا گستاخی کرنا، ان کے ساتھ استہزاء کرنا انتہائی کبیرہ گناہ اور کفر عظیم ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بے ادبی کرنے والے کے اعمال برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

۳۔ سابقہ امتوں میں سے جس کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے نبی کا مذاق اڑایا اللہ تعالیٰ نے ان پر انتہائی سخت عذاب نازل فرمایا اور آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

۴۔ جو لوگ نبی کریم ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اللہ رب العزت کی طرف سے ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے انتقام بھی لے گا۔

۶۔ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی نعوذ باللہ غیبت کی یا تنقیص کرنے کی کوشش کی تو ان کے لئے جہنم کی گہرائی میں ایک ایسی عذاب کی وادی ہے جہاں جہنمیوں کے زخموں کا پانی بہتا ہے۔ انہیں اس میں ڈالا جائے گا اور حدیث کے مطابق اس کی تہہ میں پہنچنے سے قبل وہ چالیس سال تک اس میں گرتے رہیں گے اس کا نام ویل ہے۔ اللہ رب العزت نے ایسے بدبختوں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے جو ان کو پیس دے گی اور ان کے دلوں تک پہنچ جائے گی۔

۷۔ بارگاہ رسالت میں ایسا لفظ بھی استعمال نہیں کرنا چاہیئے جس میں ذرا بھی بے ادبی کا شائبہ ہو۔

۸۔ جو لوگ نبی کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے کے بعد کفر کرتے ہیں ایسے لوگ ظالم ہیں۔

ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت پڑتی رہتی ہے۔ وہ اس پھٹکار میں ہمیشہ (گرفتار) رہیں گے اور ان سے اس عذاب میں کمی نہیں کی جائی گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ اگر ان کا انتقال کفر پر ہی ہو تو اگر وہ زمین بھر سونا بھی (اپنی نجات) کیلیئے معاوضہ میں دینا چاہے تو ان سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، انہی لوگوں کیلیئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مدد گار نہیں ہو سکے گا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے دشمنی کرے گا تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہے گا۔

گستاخ رسول صلی اللہ علہ والہ وسلم کا حکم اور اس کی سزا:

علماء عظام نے قرآن وسنت کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کو نعوذ باللہ گالی دینے والے اور آپ کی شان اقدس میں بے ادبی کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے۔ سب وشتم کرنا تنقیص کرنا، استخفاف واستحقار کرنا، یہ تمام تکذیب کی ہی علامات ہیں بلکہ تکذیب کا ادنی طریقہ ہیں۔ اسی لئے مجتہدین نے گستاخ رسول ﷺ کو بالاجماع کافر قرار دیا ہے۔ جہاں تک شاتم رسول ﷺ کی سزا کا تعلق ہے تو تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی سزا قتل ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اسے ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا یا حد کی وجہ سے، تاہم قبل از توبہ اسے قتل کرنے میں سب کا اتفاق ہے۔ گستاخ اور شاتم رسول ﷺ بالاجماع کافر ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔ سابقہ اوراق میں ہم آیات قرآنیہ کی روشنی میں تفصیلا اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ شان رسالت میں گستاخی کرنا کفر عظیم ہے۔ اب ہم علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں اس کا ذکر کریں گے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

> **سئل أبو حنيفة عمن يقول: ان محمدا رسول الله (ﷺ) الا أنه يحب أن يشتمه قال: هذا الرجل لم يعرف الله تعالىٰ لأنه لو عرفه لم يحب أن يشتم رسوله ﷺ** (التاتارخانیة: ج:۲/ص:۳۲۷)

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ

اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن (نعوذ باللہ) وہ آپ ﷺ پر سب وشتم کو پسند کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا کیونکہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کو جانتا تو اس کے رسول ﷺ کے لئے سب وشتم کو حلال نہ سمجھتا۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و حاصله أنه نقل الاجماع على كفر الساب۔

(ردالمحتار: ج:۶/ص:۳۷۱)

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ شاتم رسول ﷺ کے کفر پر اجماع منقول ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

قال الامام خاتمة المجتهدين تقى الدين ابو الحسن على بن عبد الكافى السبكى رحمه الله تعالىٰ فى كتابه السيف المسلول على من سب الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم: قال القاضى عياض اجمعت الامة على قتل منتقصه من المسلمين و سابه قال ابو بكر ابن المنذر اجمع عوام اهل العلم على ان من سب النبى صلى الله تعالى عليه وسلم عليه القتل و ممن قال ذلک مالک بن انس و الليث و احمد اسحاق و هو مذهب الشافعي قال عياض و بمثله قال ابو حنيفة و اصحابه والثورى و اهل الكوفة و الاوزاعى فى المسلم و قال محمد بن سحنون اجمع العلماء على ان شاتم النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و المنتقص له كافر و الوعيد جار عليه بعذاب الله تعالىٰ له و من شک فى كفره و عذابه كفر و قال ابو سليمان الخطابى لا اعلم احدا من المسلمين اختلف في وجوب قتله اذا كان مسلماو عن اسحاق بن راهويه احد الأئمة الاعلام قال: اجمع المسلمون ان من سب الله تعالىٰ أو سب رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو دفع شيئا مما أنزل الله تعالىٰ أو قتل نبيا من انبياء الله عز وجل انه

کافر بذلک و ان کان مقرا بکل ما انزل الله تعالیٰ *و هذه نقول معتضدة بدليلها و هو الاجماع،و لا عبرة بما اشار اليه ابن حزم الظاهری من الخلاف فی تكفير المستخف به فانه شئ لا يعرف لاحد من العلماء و من استقرأ سير الصحابة تحقق اجماعهم علی ذلک فانه نقل عنهم فی قضايا مختلفة منتشرة يستفيض نقلها و لم ينكره احدو ما حكی عن بعض الفقهاء من انه اذا لم يستحل لا يكفر زلة عظيمة و خطأ عظيم لا يثبت عن احد من العلماء المعتبرين و لا يقوم عليه دليل صحيح فاما الدليل علی كفره فالكتاب و السنة و الاجماع و القياس۔

(تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم خیر الانام :ص:۳۱۶)

خاتمۃ المجتہدین امام تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی ـ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ اپنی کتاب ''السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ'' میں فرماتے ہیں: قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ امت کا مسلمان میں سے اس شخص کے قتل پر اجماع ہے جو آپ ﷺ کی (نعوذ باللہ) عیب جوئی کرے اور گالی دے۔امام ابوبکر ابن المنذر نے فرمایا کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔ یہ مذہب امام مالک بن انس ،امام لیث ،امام احمد اور امام اسحاق علیہم الرحمۃ کا ہے اور یہی قول امام شافعی علیہ الرحمۃ کا ہے۔قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس کے مثل امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ،امام ثوری اور اہل کوفہ اور امام اوزاعی علیہم الرحمۃ نے مسلمان کے بارے میں کہا ہے۔ امام محمد بن سحون مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تمام علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ و الہ وسلم اور نبی کریم ﷺ کی (نعوذ باللہ) عیب جوئی کرنے والا کافر ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے اور جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا اس نے

کفر کیا۔ ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو نہیں جانتا کہ اس نے شاتم کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو جبکہ وہ مسلمان ہو۔ اسحاق بن راہویہ علیہ الرحمۃ سے مروی ہے جو ائمہ اعلام میں سے ایک ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دی یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اس میں سے کسی شے کا انکار کر دیا یا اللہ عز وجل کے انبیاء میں سے کسی نبی کو شہید کر دیا، ان تمام اعمال سے وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ وہ ان تمام چیزوں کا اقرار کرتا ہو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں۔ یہ اپنی دلیل کے ساتھ مضبوط ہے اور وہ اجماع ہے۔ اس چیز کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس کی طرف ابن حزم ظاہری نے اشارہ کیا ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا استخفاف کرے اس کے کافر ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کے حوالہ سے کوئی عالم معروف نہیں ہے۔ جس کسی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس پر علماء کا اجماع متحقق ہو چکا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مختلف فیصلوں میں یہی بات منقول ہے جس کا منقول ہونا مشہور ہے۔ کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ بعض فقہاء سے جو یہ حکایت کیا گیا ہے کہ جو نبی کریم ﷺ پر سب و شتم کو حلال جان کر نہ کرے وہ کافر نہیں ہوگا، یہ بہت عظیم خطا اور عظیم غلطی ہے۔ کسی ایک بھی معتبر عالم سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اس پر کوئی صحیح دلیل قائم نہیں ہے۔ جہاں تک اس کے کفر پر دلیل کا تعلق ہے تو وہ کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع سے ثابت ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نقل کرتے ہیں:

وقال محمد بن سحنون: اجمع العلماء على ان شاتم النبی ﷺ المنتقص له كافر، و الوعيد جار عليه بعذاب الله له و حكمه عند الأمة القتل، ومن شك فی كفره و عذابه كفر۔

(الصارم المسلول: ص:۹)

امام محمد بن سحنون علیہ الرحمۃ نے فرمایا: تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ آپ ﷺ کی عیب جوئی کرنے والا کافر ہے۔اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے۔تمام امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہوگیا۔

امام ابوبکر رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و قال وهب بن منبه :قرأت احدى و سبعين كتابا فوجدت فى كله لو جمع عقول جميع الخلائق من الأولين و الاخرين و يوضع عند عقل النبى ﷺ كان عقولهم عند عقله مثل رملة عند رمال القيامة لأن الله تعالىٰ جعل العقل ألف جزء أعطى من ذلک تسعمائة و تسعة و تسعين لمحمد ﷺ و أعطى واحدا لمن يشاء من عباده،فمن قال عقل الكافر مع عقل محمد ﷺ سواء فهو مبتدع منافق،و فلاسف و زنادق و ملعون و مخذول و الله اعلم۔ (شرح بدء الامالی:ص:۸۱)

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکہتر کتابوں کا مطالعہ کیا تو میں نے ہر ایک میں یہ پایا کہ اگر جمیع مخلوق میں سے سب اگلوں اور پچھلوں کی عقلوں کو جمع کیا جائے اور اسے نبی کریم ﷺ کی مبارک عقل و ذہانت کے سامنے پیش کیا جائے ،تو ان تمام کی عقلیں بارگاہ رسالت میں ایسی ہی ہیں جیسے قیامت کی ریت کے سامنے ایک ریت کا ذرہ ۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کے ایک ہزار حصہ فرمائے اور اس میں سے نو سو ناوے محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمادیئے جبکہ ایک حصہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا عطا فرمادیا۔ پس جس کسی نے یہ کہا کہ کافر کی عقل اور (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ ﷺ کی عقل برابر ہے تو وہ بدعتی ہے ،منافق ہے، فلسفی ہے، زندیق ہے، ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہے۔

شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و یکفر من أراد بغض النبی صلی الله علیه و اله وسلم بقلبه

(البحر الرائق: ج:۵/ص:۱۹۵)

اور جس نے نبی کریم ﷺ سے (نعوذ باللہ) بغض رکھنے کا دل میں ارادہ کیا وہ کافر ہو جائے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

عن جعفر فیمن یقول امنت بجمیع أنبیائه و لاأعلم ان آدم نبی ام لا یکفر کذا فی العتابیة سئل عمن ینسب الی الانبیاء الفواحش کعزمهم علی الزنی و نحوه الذی یقوله الحشویة فی یوسف علیه السلام قال یکفر لانه شتم لهم و استخفاف بهم۔

(الفتاویٰ الھندیۃ: ج:/ص:۲۶۳)

حضرت جعفر سے منقول ہے کہ جس نے کہا میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لایا اور میں یہ نہیں جانتا کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں یا نہیں وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح عتابیہ میں ہے کہ اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف فحش باتوں کو منسوب کرتے ہیں جیسے (نعوذ باللہ) ان کا زنا کا ارادہ کرنا وغیرہ جو حشویہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ ان کے لئے سب وشتم اور استخفاف ہے۔

و من قال :لا أدری أن النبی صلی الله علیه و اله وسلم کان انسیا او جنیا یکفر کذا فی الفصول العمادیة۔

(الفتاویٰ الھندیۃ: ج:/ص:۲۶۳)

اور جس نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ (نعوذ باللہ) انسان تھے یا جن وہ کافر ہو جائے گا اسی طرح فصول عمادیہ میں ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ومن قال کل معصیة کفر و قال مع ذلک :ان الانبیاء عصوا فهو کافر لأنه شاتم۔ (التاتارخانیۃ: ج:۲/ص:۳۲۵)

اور جس نے کہا کہ ہر گناہ کرنا کفر ہے اور پھر اس کے ساتھ کہا کہ (نعوذ باللہ) بے شک انبیاء نے گناہ کیا تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ وہ شاتم ہے۔

حضرت امام ولوالجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

رجل عاب علی النبی ﷺ من شی یکفر لأنہ استخفاف بہ

(الفتاویٰ الولوالجیۃ: ج:۵/ص:۴۱۹)

کسی آدمی نے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر (نعوذ باللہ) کوئی بھی عیب لگایا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اعلم وفقنا اللہ و ایاک ان جمیع من سب النبی ﷺ أو عابہ أو الحق بہ نقصا فی نفسہ أو نسبہ أو دینہ أو خصلۃ من خصالہ أو عرض بہ أو شبہہ بشیٔ علی طریق السب لہ أو الازراء علیہ أو التصغیر لشأنہ أو الغض منہ و العیب لہ فھو ساب لہ و الحکم فیہ حکم لساب یقتل　(الشفا: ج:۲/ص:۲۱۴)

جان لو اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں توفیق عطا فرمائے کہ جس کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی یا آپ علیہ الصلاۃ و السلام کی ذات اقدس یا آپ ﷺ کے دین یا آپ ﷺ کی عادات مبارکہ میں سے کسی عادت کے ساتھ کسی نقص کو ملحق کیا یا اشارتا آپ ﷺ کے لئے کوئی نا مناسب بات کہی یا آپ ﷺ کو کسی شے کے ساتھ (نعوذ باللہ) گالی کے طور پر تشبیہ دی یا آپ ﷺ پر عیب لگایا یا آپ ﷺ کے لئے اسم تصغیر (اہانت کے طور پر) استعمال کیا یا آپ ﷺ کی شان و قدر کو گھٹانے کی کوشش کی یا آپ ﷺ کی طرف کسی برائی کی نسبت کی تو وہ درحقیقت ان تمام صورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر سب وشتم کرنے والا ہے۔اور۔ اس کا حکم شاتم کا ہے یعنی اسے قتل کیا جائے گا۔

علماء عظام کے ان تمام تر اقوال سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شان رسالت میں گستاخی

کرنے والا اور تنقیص وسب شتم کرنے والا ملعون اور خارج از اسلام ہے۔اس امر پر امت کا اجماع ہے۔ایمان کا محور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے لہذا اگر کوئی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتو اگر چہ وہ تمام ایمانیات واعتقادیات کا مقراور تمام احکام پر عامل ہی کیوں نہ ہو وہ مرتد وکافر ہے،اسے قتل کیا جائے گا۔

گستاخ رسول ﷺ کا قتل اور احادیث شریفہ:

(۱) امام بخاری علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

حدثنا ابو النعمان محمد بن الفضل قال حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن عکرمة قال اتی علی بزنادقة فاحرقهم فبلغ ذلک ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقهم لنهی رسول الله ﷺ لا تعذبوا بعذاب الله و لقتلتهم لقول رسول الله ﷺ: من بدل دینه فا قتلوه (صحیح البخاری: کتاب استتابۃ المعاندین والمرتدین وقتالھم: باب:حکم المرتد والمرتدۃ)(قد سبق تخریجہ)

حضرت عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ''زنادقہ'' کو لایا گیا تو آپ نے ان کو جلا دیا۔یہ خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا:اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو میں ان کو نبی کریم ﷺ کے منع فرمانے کی وجہ سے نہ جلاتا آپ ﷺ نے فرمایا:''اللہ کے عذاب سے تکلیف نہ دو''اور ان کو ضرور قتل کر دیتا نبی ﷺ کے قولِ مبارک کی وجہ سے،آپ ﷺ نے فرمایا:جس کسی نے اپنا دین تبدیل کیا تو اس کو قتل کردو۔

۲) امام مسلم روایت فرماتے ہیں:

حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة حدثنا حفص بن غیاث و ابو معاویة و وکیع عن الاعمش عن عبد الله بن مرة عن مسروق عن عبد الله قال :قال رسول الله ﷺ :لا یحل دم امرئ مسلم یشهد

ان لا اله الا الله و انی رسول الله الا باحدی ثلاث الثیب الزانی و النفس بالنفس و التارک لدینه المفارق للجماعة۔

(مسلم: رقم الحدیث: ۴۲۶۲)

کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے اور میں اللہ کا رسول ہوں، سوائے تین کے،

۱) شادی شدہ زانی

۲) جان کے بدلے جان

۳) اپنے دین کو ترک کرنے والا جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔

اس کے علاوہ آپ نے اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: کتاب الدیات: باب قول اللہ ان النفس بالنفس)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی اپنی سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

(ابوداؤد: کتاب الحدود: باب الحکم فیمن ارتد)

اس کے علاوہ آپ نے اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی اسناد کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

(سنن النسائی: کتاب المحاربۃ: ذکر ما یحل بہ دم المسلم / الحکم فی المرتد)

اس کے علاوہ آپ نے اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کیا ہے نیز یہ کہ باب الحکم فی المرتد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی اپنی اسناد سے نقل فرمایا ہے۔

(جامع الترمذی: ابواب الفتن: باب ما جاء فی لا یحل دم امرأ مسلم الا باحدی الثلاث)

اس کے علاوہ آپ نے اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہونے کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی اپنی اسناد سے نقل فرمایا ہے۔

(ابن ماجہ: ابواب الحدود: باب لا یحل دم امرأ الا فی ثلاث)

اس کے علاوہ آپ نے اس روایت کو حضرت عثمان اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی سنن کبری اپنی اسناد سے نقل فرمایا ہے

(کتاب المرتد: باب قتل من ارتد عن الاسلام)

اس حدیث کو امام دارقطنی نے بھی اپنی اسناد سے نقل فرمایا ہے۔

(کتاب الحدود والدیات: ج:۳/ص:۸۱)

اس حدیث کو حضرت عائشہ، حضرت عثمان، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تمام کبار مجتہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان سے روایت کرنے والے تمام تابعین و اتباع تابعین مرتد کے قتل کئے جانے کے قائل تھے۔ اگر اس حدیث شریف کے تمام طرق میں تامل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث محدثین کی اصطلاح کے مطابق "حدیث مشہور" ہے۔

۳) امام بخاری روایت فرماتے ہیں:

حدثنا يحي بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب قال اخبرني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ان ابا هريرة قال: لما توفي النبي ﷺ و استخلف ابو بكر و كفر من كفر من العرب. قال عمر: يا ابا بكر كيف تقاتل الناس و قد قال النبي ﷺ: امرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قال لا اله الا الله عصم مني ماله و نفسه الا بحقه و حسابه على الله. قال ابو بكر: والله لاقاتلن من فرق بين الصلوٰة و الزكوٰة فان الزكوٰة حق الله و الله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها الى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها (صحیح البخاری: ج:۲/ص:۱۰۲۳)

جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوگیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور عرب میں سے بعض نے کفر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کر سکتے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے مجھ سے اپنے مال اور جان کو محفوظ کرلیا سوائے اس کے حق کے، اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں اس سے ضرور بالضرور قتال کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی، کیوں کہ زکوٰۃ اللہ کا حق ہے، اللہ کی قسم میں ان سے ضرور قتال کروں گا اگر انہوں نے مجھے (زکوٰۃ کا) ایک بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کیا جس کو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

اس روایت کو امام مسلم نے بھی نقل فرمایا ہے (مسلم: رقم الحدیث: ۳۲)

اس کے علاوہ کئی ایک کتب حدیث میں یہ واقعہ درج ہے۔

اس حدیث شریف سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتد کی سزا کو عام سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے مرتدین سے قتال کیا جس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر نگرانی کثیر تعداد میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حصہ لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مرتد کو قتل کرنے پر اجماع ہے۔

مذکورہ بالا تینوں احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ گستاخ رسول ﷺ جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ مرتد و کافر اور اپنے دین کو تبدیل کرنے والا ہے لہذا اس کی سزا بھی قتل ہے۔

۴) حضرت امام مسلم فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ من لكعب ابن الأشرف فانه قد اذى الله و رسوله(صلى الله عليه و اله وسلم) فقال محمد بن مسلمة يا

رسول الله ﷺ أتحب أن اقتله؟ قال :نعم،قال:ائذن لی فلأ قل ،قال:قل،فاتاه، فقال له:و ذكر ما بينهما و قال:ان هذا الرجل قد أراد صدقة و قد عنا نا فلما سمعه قال: و ايضا و الله لتملّنّه ،قال:انا قد اتبعناه الآن و نكره ان ندعه حتى ننظر الى اى شئ يصير امره قال:و قد اردت ان تسلفني سلفا قال :فما ترهنني؟قال: ما تريد؟ قال: ترهنني نسائكم ،قال:أنت أجمل العرب أنرهنک نسائنا ،قال له: ترهنوا نی اولادكم ،قال: يسب ابن احدنا فيقال :رهن في وسقين من تمر و لكن نرهنک اللامة يعني السلاح ،قال: فنعم وواعده أن يأتيه بالحارث و أبي عبس بن جبر و عبّاد بن بشر قال :فجاء وافدعوه ليلا فنزل اليهم قال سفيان قال غير عمر و قالت له امراته: أسمع صوتا كانه صوت دم، قال: انما هذا محمد بن مسلمة و رضيعه و ابو نائلة ان الكريم لو دعى الى طعنة ليلا لأجاب ،قال محمد :انى اذا جاء فسوف امد يدي الى راسه فاذا استمكنت منه فدونكم ،قال: فلما نزل نزل و هو متوشح فقالوا :نجد منک ريح الطيب قال :نعم تحتی فلانةهی أعطر نساء العرب قال: فتأ ذن لی ان أشم منه قال: نعم فشم فتناول فشم ثم قال :أ تاذن لی ان اعود قال فاستمكن من رأسه ثم قال دونكم قال: فقتلوه۔

(مسلم: کتاب الجہاد: باب قتل کعب بن الاشرف طاغوت الیھود)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کے لئے کون ہے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچائی ہے سو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ علیہ الصلاۃ والسلام اس کو پسند کریں گے کہ میں اس کو قتل کردوں۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہاں!انہوں

نے عرض کیا پھر مجھے کچھ تعریضا کہنے کی اجازت دیجیئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہہ لینا، پس وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے باتیں کیں اور اپنا اور حضور ﷺ کا فرضی معاملہ بیان کیا اور کہا کہ یہ شخص ہم سے (نعوذ باللہ) صدقات لیتا ہے اور ہم کو اس نے مصیبت میں ڈال رکھا ہے، جب کعب نے یہ سنا تو کہا: خدا کی قسم ابھی تو تم کو اور مصیبت پڑے گی۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا ہم اس کی اتباع کر چکے ہیں۔ اب ہمیں اس کو چھوڑنا برا معلوم ہوتا ہے تاوقتیکہ ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ اس کا مآل کار کیا ہوتا ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے کچھ قرض دو، کعب نے کہا تم میرے پاس کیا رہن رکھو گے؟ حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا جو تم چاہو، کعب بن اشرف نے کہا تم اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھ دو، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا تم عرب کے حسین ترین شخص ہو ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں! کعب بن اشرف نے کہا پھر اپنے بچے گروی رکھ دو، حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا کہ پھر ہمارے بچوں کو یہ گالی دی جائے کہ یہ دو وسق کھجور کے عوض گروی رکھا گیا تھا۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھ دیں گے، کعب نے کہا اچھا، حضرت محمد بن مسلمہ نے کعب سے وعدہ کیا کہ حارث، ابوعبس بن جبر اور عباد بن بشر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔ سو یہ لوگ اس کے پاس گئے اور رات کو اسے بلایا، کعب ان کی طرف جانے لگا، اس کی بیوی نے کہا مجھے ایسی آواز آرہی ہے جیسے خون کی آواز ہو، کعب نے کہا محمد بن مسلمہ، اس کا رضاعی بھائی اور ابو نائلہ ہے اور معزز آدمی کو اگر رات کے وقت نیزہ مارنے کے لئے بھی بلایا جائے تو چلا جاتا ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اپنا ہاتھ اس کے سر کی طرف بڑھاؤں گا جب میں اس پر قابو پاؤں تو تم اس وقت اس پر حملہ کر دینا، جب کعب نیچے اترا تو وہ سر کو چادر سے چھپائے ہوئے تھا ان لوگوں

نے کہا آپ سے تو خوشبو کی مہک آرہی ہے ۔اس نے کہا ہاں میرے ہاں فلاں عورت ہے جو عرب کی سب سے زیادہ معطر عورت ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا: کیا آپ مجھے یہ خوشبو سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا ہاں سونگھ لو، حضرت محمد بن مسلمہ نے اس کا سر سونگھا پھر کہا کیا آپ مجھے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت دیں گے اور پھر اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا پھر ساتھیوں سے کہا: حملہ کردو اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: باب قتل کعب بن الاشرف)

اس واقعہ کو امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے بھی السنن الکبریٰ میں بھی نقل فرمایا ہے۔

(السنن الکبریٰ باب: قتل کعب بن الاشرف)

اس واقعہ کو امام عبدالرزاق علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

(المصنف: ۹۳۸۸)

اس واقعہ کو امام حاکم علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

(المستدرک: باب ذکر مناقب محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس واقعہ کو امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

(دلائل النبوۃ: باب ما جاء فی قتل کعب ابن الاشرف)

اس واقعہ کو امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

(مشکل الاثار: رقم الحدیث ۱۷۴)

اس واقعہ کو امام ابوداود علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

(سنن ابی داود: رقم الحدیث: ۳۰۰۰)

اس حدیث مبارکہ میں وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے کہ کعب بن اشرف یہودی جو نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتا تھا، اپنے اشعار واقوال میں نبی کریم ﷺ کی نعوذ باللہ ہجو بیان کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے اس عمل قبیح کی وجہ سے اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے کلمات مبارکہ **فانہ قد اذی اللہ و رسولہ** اور **فقد استعلن بعداوتنا و ھجائنا**

خاص طور پر اس کی وجہ قتل کو بیان کرتے ہیں۔اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر ''امیر'' چاہے تو کفار میں سے بھی گستاخی کرنے والوں کوقتل کرواسکتا ہے۔

۵) حضرت امام ابوداود علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

حدثنا عباد بن موسیٰ الختلی نا اسمعیل بن جعفر المدنی عن اسرائیل عن عثمان الشحام عن عکرمة قال نا ابن عباس ان اعمی کانت لہ ام ولد تشتم النبی ﷺ و تقع فیہ فینھاھا فلا تنتھی و یزجرھا فلا تنزجر قال فلما کانت ذات لیلة جعلت تقع فی النبی ﷺ و تشتمہ فاخذ المغول فوضعہ فی بطنھا و اتکأ علیھا فقتلھا فوقع بین رجلیھا طفل فلطخت ما ھناک بالدم فلما اصبح ذکر ذلک للنبی ﷺ فجمع الناس فقال انشدا للہ رجلا فعل ما فعل لی علیہ حق الاقام فقام الاعمی یتخطی الناس و ھو یتزلزل حتی قعد بین یدی النبی ﷺ فقال :یا رسول اللہ ﷺ انا صاحبھا کانت تشتمک و تقع فیک فانھا ھا فلا تنتھی و ازجرھا فلا تنزجر ولی منھا ابنان مثل اللؤ لؤتین و کانت بی رفیقة فلما کان البارحة جعلت تشتمک و تقع فیک فاخذت المغول فوضعتہ فی بطنھا و اتکأت علیھا حتی قتلتھا فقال النبی ﷺ :الا اشھدوا ان دمھا قد ھدر

(سنن أبی داوٗد: باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۴۳۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک ام ولد تھی۔وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالی دیتی تھی اور غیبت کرتی تھی۔وہ صحابی اسے منع کرتے تھے لیکن وہ رکتی نہیں تھی۔وہ اسے ڈانٹتے تھے لیکن وہ ڈرتی نہیں تھی۔ایک دفعہ رات کو وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی (نعوذ باللہ) غیبت کرنے لگی اور گالیاں دینے لگی تو اس صحابی رضی اللہ عنہ نے پھاوڑا لیا اور اس کے پیٹ پر رکھ دیا

،اس پر ٹیک لگایا اور اسے قتل کر دیا۔ان کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ایک بچہ گرا اور وہ عورت خون میں لت پت ہوگئی۔جب صبح ہوئی تو اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا گیا۔لوگ جمع ہو گئے ۔آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بھی یہ کام کیا ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے ۔وہ نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو پھلانگتے ہوئے آگے آئے ۔وہ لرز رہے تھے یہاں تک آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اس کا آقا ہوں ۔یہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دیتی تھی اور غیبت کیا کرتی تھی ۔میں اسے روکتا تھا اور ڈانٹتا تھا لیکن یہ نہ رکتی تھی اور نہ ہی ڈرتی تھی ۔میرے اس سے دو بچے بھی ہیں جو موتی کی طرح ہیں ۔یہ مجھے بہت محبوب تھی ۔گزشتہ رات اس نے (نعوذ باللہ) آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی غیبت کی اور گالیاں دینا شروع کیا۔میں نے پھاوڑا لیا اور اس کے پیٹ پر رکھ کر ٹیک لگایا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خبردار گواہ بن جاؤ اس کا خون باطل ہے۔

۲) آپ روایت فرماتے ہیں:

حدثنا عثمان بن ابی شیبة و عبد الله بن الجراح عن جریر عن مغیرة عن الشعبي عن علي ان یهودیة کانت تشتم النبی ﷺ و تقع فیه فخنقها رجل حتی ماتت فابطل رسول الله ﷺ دمها

(سنن أبي داوٗد: باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۴۳۶۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ پر (نعوذ باللہ) سب وشتم کرتی تھی اور آپ ﷺ کی (العیاذ باللہ) غیبت کرتی تھی تو ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا، نبی کریم ﷺ نے اس کا خون باطل (یعنی مباح) قرار دیا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کافر شان رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

۷) آپ فرماتے ہیں:

حدثنا موسیٰ بن اسماعیل نا حماد عن یونس عن حمید بن هلال عن النبی ﷺ ح و نا هارون بن عبد الله و نصیر بن الفرج قالا نا ابو اسامة عن یزید بن زریع عن یونس بن عبید عن حمید ابن هلال عن عبد الله بن مطرف عن ابی برزة قال: کنت عند ابی بکر فتغیظ علی رجل فاشتد علیه فقلت: تاذن لی یا خلیفة رسول الله ﷺ اضرب عنقه قال: فاذهبت کلمتی غضبه فقام فدخل فارسل الی فقال: ما الذی قلت انفا ؟قلت :ائذن لی اضرب عنقه قال: أکنت فاعلا لو امرتک قلت :نعم ،قال :لا و الله ما کانت لبشر بعد محمد علیه الصلاة و السلام

(سنن أبی داوٗد: باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۴۳۶۳)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غضبناک ہوئے تو اس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سختی کی۔ میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میری بات سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ ختم ہو گیا۔ آپ کھڑے ہوئے اور ایک جگہ تشریف لے گئے اور مجھے بلوا کر پوچھا: تم نے ابھی کیا کہا تھا؟ میں نے عرض کی کہ میں نے یہ کہا تھا کہ آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن کاٹ دوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: اگر میں تجھے حکم دے دیتا تو تو ایسا کر دیتا؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نہیں! اللہ کی قسم محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی انسان کی خاطر ایسا کرنا جائز نہیں۔

۸) حضرت امام طبرانی علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

حدثنا عبید الله بن محمدالعمری القاضی بمدینة طبریةسنة

سبع و سبعین و مائتین، حدثنا اسماعیل بن ابی اویس، حدثنا موسی بن جعفر بن محمدعن ابیه عن جده علی بن الحسین، عن الحسین بن علی عن علی رضی الله تعالیٰ عنهم، قال: قال رسول الله ﷺ: من سب الانبیاء قتل و من سب اصحابی جلد۔

(المعجم الصغیر رقم: الحدیث: ٦٦٠)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی نبی کو (نعوذ باللہ) گالی دی اسے قتل کیا جائے اور جس نے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو (نعوذ باللہ) گالی دی اس کو کوڑے مارے جائیں۔

مذکورہ بالا تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو مسلمان نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اس کی سزا قتل ہے۔ وہ بالاتفاق مرتد اور کافر ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ذمی یا کافر شان رسالت میں بے ادبی و گستاخی کرے تو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے اور اگر امیر چاہے تو معاملات کے پیش نظر اسے بھی قتل کرنے کا حکم سنا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایک احادیث ہیں جن کو ہم نے بخوف اطناب ترک کر دیا ہے۔

گستاخ رسول ﷺ کا قتل اور اجماع امت:

- مرتد و گستاخ رسول ﷺ کے قبل از توبہ قتل کئے جانے پر تمام امت کا اجماع ہے۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

- و الحاصل أنه لا شک و لا شبهة فی کفر شاتم النبی ﷺ و فی استباحة قتله و هو المنقول عن الأئمة الأربعة

(ردالمحتار: ج:٦/ ص:٣٧٨)

اور خلاصہ یہ ہے کہ شاتم رسول ﷺ کے کفر اور اس کے مباح الدم ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور یہی ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔

امام جصاص علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لأن المرتد لا محالة مستحق للقتل بالاتفاق (احکام القرآن: ج:٤/ ص:٥٥)

یعنی مرتد لامحالہ قتل کا مستحق ہوتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

امام ابن منذر فرماتے ہیں:

و أجمعوا علی ان من سب النبی ﷺ أن له القتل۔

(الاجماع:ص:۷۶)

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔

حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و فی کتاب محمد أخبرنا أصحاب مالک أنه قال من سب النبی ﷺ أو غیره من النبیین من مسلم أو کافر قتل و لم یستتب (الشفا:۲:/ص:۲۱۶)

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس مسلمان یا کافر نے نبی کریم ﷺ کو یا آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی نبی کو (نعوذ باللہ) گالی دی اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی۔

آگے آپ فرماتے ہیں:

و کذلک اقول حکم من غمصه او عیره برعایة الغنم أو السهو او النسیان أو السحر أو ما اصابه من جرح أو هزیمة لبعض جیوشه أو اذی من عدوه أو شدة من زمنه أو بالمیل الی نسائه فحکم هذا کله لمن قصد به نقصه القتل۔ (الشفا:۲:/ص:۲۱۹)

میں یہ کہتا ہوں کہ اسی طرح جس کسی نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) حقیر جانا یا آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) بکریاں چرانے یا سہو یا نسیان یا جادو میں مبتلا ہونے یا زخمی ہونے یا آپ ﷺ کے بعض لشکروں کو شکست کا سامنے کرنے یا دشمن کی طرف سے تکلیف پہنچنے یا اپنے زمانہ کی سختی کی وجہ سے یا عورتوں کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے عار دلائی تو اس کا حکم وہی ہوگا جو آپ ﷺ کی عیب جوئی کرنے والے کا ہے یعنی اسے قتل کیا جائے گا۔

شیخ ابن تیمیہ نقل کرتے ہیں:

و قال الخطابی :لا اعلم احدا من المسلمین اختلف فی وجوب قتلہ۔ (الصارم المسلول:ص:۹)

امام خطابی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: میں مسلمانوں میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے شاتم رسول ﷺ کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو۔

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قد انعقد الاجماع علی قتل المرتد

(المجموع شرح المھذب :ج:۱۹/ص:۲۲۸)

مرتد کے قتل پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

امام موفق الدین ابن قدامہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و أجمع اهل العلم علی وجوب قتل المرتد ،و روی ذلک عن أبی بکر و عمر و عثمان و علی ومعاذ,و أبی موسی و ابن عباس وخالد و غیرهم و لم ینکر ذلک فکان اجماعا.

(المغنی:ج:۱۰/ص:۷۲)

اہل علم کا مرتد کے وجوب قتل پر اجماع ہے،اور یہ حضرت ابو بکر،حضرت عمر،حضرت عثمان،حضرت علی ،حضرت معاذ،حضرت ابو موسیٰ،حضرت ابن عباس اورحضرت خالد رضوان اللہ علیہم اجمعین کےعلاوہ دیگر صحابہ کرام سے بھی مروی ہے۔اس کا انکارنہیں کیا گیا پس یہ اجماع ہے۔

امام موفق الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ومن قذف أم النبی صلی اللہ علیه واله وسلم قتل مسلما کان او کافرا یعنی حدہ القتل و لا تقبل توبته نص علیه احمد و حکی ابو طالب روایة اخری أن توبته تقبل و به قال ابو حنیفة و الشافعی مسلما کان او کافرا لان هذا منه ردة و المرتد یستتاب و تصح توبته...و الحکم فی قذف النبی ﷺ کالحکم فی

قذف امه لأن قذف امه انما أوجب القتل لكون قذفا للنبي ﷺ و قد حا في نسبه۔ (المغنی:ج:۱۰/ص:۲۲۳)

اور جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کی والدہ ماجدہ پر (نعوذ باللہ) تہمت لگائی اسے قتل کیا جائے گا چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔یعنی اس کی حد قتل ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔اسی کو امام احمد نے بیان کیا ہے۔ابو طالب نے ایک دوسری روایت بھی بیان کی ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔یہی موقف ابو حنیفہ اور شافعی کا ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، کیونکہ یہ ارتداد ہے اور مرتد کی توبہ صحیح ہے۔۔۔۔اور نبی کریم ﷺ پر (نعوذ باللہ) تہمت لگانے کا حکم وہ ہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگانے کا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگانا قتل کو واجب کرتا ہے اس لئے کہ اس سے نبی کریم ﷺ کے نسب طاہر میں عیب کو ثابت کرنا ہے۔

ان تمام اقوال علماء علیہم الرحمۃ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کافر ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔علماء کا یہ اجماع قبل از توبہ اسے قتل کرنے پر ہے کیونکہ بعد از توبہ فقہاء کا قتل کرنے میں اختلاف ہے جس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

ذمی کا حکم:

ذمہ کا لغوی معنی امان،ضمان اور کفالت کے ہیں۔ذمی سے مراد وہ کافر شخص ہے جو جزیہ ادا کرتا ہو اور مسلمان اس کے بدلے اسے امان دیں اور اس کی جان اور مال کے ضامن بن جائیں۔ یعنی جزیہ کے بدلے مسلمانوں کے امیر یا اس کے نائب کا کفار کو اپنے ملک میں امان دینا، ان کی حفاظت کرنا اور ان کی طرف سے مدافعت کرنا ذمہ ہے۔عقد ذمہ حضور نبی کریم ﷺ کے دور مبارک کے مشرکین عرب اور کسی بھی دور کے مرتدین سے نہیں ہوسکتا۔اسی طرح عقد ذمہ دائمی ہونا چاہیئے۔

ان کے بارے میں حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فلو اعلن بشتمه أو اعتاد قتل ولو امرأة و به يفتي اليوم

(ردالمحتار:ج:٦/ص:۳۴۴)

پس اگر اس نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) اعلانیہ گالی دی یا اس عمل قبیح کا وہ عادی ہو گیا تو اسے قتل کیا جائے گا اگر چہ وہ عورت ہو اور آج اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔

آگے آپ فرماتے ہیں:

و رایت فی کتاب الصارم المسلول لشیخ الاسلام ابن تیمیه الحنبلي ما نصه:

و أما ابو حنیفة و اصحابه فقالوا: لا ینتقض العهد بالسب و لا یقتل الذمي بذلک، لکن یعزر علی اظهار ذلک کما یعزر علی اظهار المنکرات التی لیس لهم فعلها من اظهار أصواتهم بکتابهم و نحو ذلک، و حکاه الطحاوی عن الثوری، و من أصولهم: یعنی الحنفیة ان ما لا قتل فیه عندهم مثل القتل بالمثقل و الجماع فی غیر القبل اذا تکرر فللامام أن یقتل فاعله، و کذلک له ان یزید علی الحد المقدر اذا رای المصلحة فی ذلک و یحملون ما جاء عن النبی ﷺ و اصحابه من القتل فی مثل هذه الجرائم علی أنه رای المصلحة فی ذلک و یسمونه القتل سیاسة. و کان حاصله ان له ان یعزر بالقتل فی الجرائم التی تعظمت بالتکرار و شرع القتل فی جنسها و لهذا أفتی أکثرهم بقتل من أکثر سب النبی ﷺ من أهل الذمة و ان اسلم بعد أخذه، و قالوا یقتل سیاسة و هذا متوجه علی اصولهم اهـ فقد أفاد ان یجوز عندنا قتله اذا تکرر منه ذلک و اظهره۔

(ردالمحتار: ج:۶/ص:۳۴۵-۳۴۶)

میں نے الصارم المسلول میں دیکھا ہے جو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ہے جس کا متن یہ ہے:

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ ذمی کا عہد شتم رسول صلی اللہ

علیہ والہ وسلم سے نہیں ٹوٹتا اور ذمی کو اس وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔البتہ اس کے اظہار پر تعزیرا اسے سزا دی جائے گی جیسے اسے دیگر برائیوں کے اظہار پر سزا دی جاتی ہے جن کا اظہار ان کی کتاب کو بلند آواز پڑھنے میں سے نہیں ہے۔امام طحاوی نے ثوری سے اور ان کے اکابرین یعنی احناف سے حکایت کیا ہے کہ جن معاملات میں ان کے نزدیک قتل نہیں ہے جیسے بوجھ والی چیز سے قتل کرنا یا قُبل کے علاوہ دوسری جگہ جماع کرنا ،اگر انہیں بار بار کیا جائے تو امام وقت کو چاہیئے کہ اسے قتل کردے۔ اسی طرح وہ مصلحت کے پیش نظر مقررہ حد سے زیادہ سزا بھی دے سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو اس طرح کے قتل اس قسم کے جرائم کی سزا کے طور پر منقول ہیں حنفی علماء انہیں اسی پر محمول کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مصلحت کے پیش نظر ایسا فرمایا اور وہ ایسے قتل کو سیاسی قتل کہتے ہیں ۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جرائم جو تکرار کی وجہ سے عظیم ہو جائیں تو امام مجرم کو تعزیرا قتل کر سکتا ہے۔قتل اپنی جنس کے اعتبار سے مشروع ہے۔اسی لئے اکثر احناف نے اس ذمی کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جو بکثرت نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیتا ہو اگر چہ وہ بعد میں اسلام قبول کر لے۔احناف نے یہ کہا ہے کہ اسے سیاسی طور پر قتل کیا جائے گا اور یہ ان کے اصولوں کے مطابق ہے۔انتھی۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک امام کے لئے اسے قتل کرنا جائز ہے جب وہ یہ عمل قبیح بار بار دہرائے اور اس کا اظہار کرے۔

علامہ شامی کی اس تصریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک ذمی اگر شان رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو تو اسے تعزیرا سزا دی جائے گی اور اگر وہ یہ عمل قبیح اعلانیہ کرے یا اس کو اپنی عادت بنالے تو قاضی یا امیر سیاسی طور پر تعزیرا اسے قتل بھی کروا سکتا ہے۔

کیا گستاخ رسول ﷺ کی توبہ قبول ہے؟

گستاخ رسول ﷺ کی توبہ کی قبولیت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔بعض اس کی توبہ کی قبولیت کے جبکہ بعض عدم قبولیت کے قائل ہیں۔اس اختلاف کی بنیادفقہاء کا یہ اختلاف ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کوارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا یا موت کی سزا اسے بطور حد دی جائے گی۔

مشہور اقوال کے مطابق احناف وشوافع گستاخ رسول ﷺ کی توبہ کی قبولیت کے قائل ہیں جبکہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں اور اسے ہر صورت میں قتل کیا جائے گا۔یادرہے کہ جب توبہ کے قبول نہ ہونے کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اس کی توبہ قبول ہوگی البتہ دنیا میں اس کی توبہ اسے نفع نہ دے گی اوراس کوسزاضرور ملے گی۔یعنی اسے قتل کیا جائے گا۔جس طرح سے ایک چوری کرنے والا جب پکڑا جائے اورشرعا اس کا چوری کرنا ثابت ہو جائے تواس کا ہاتھ **فاقطعوا ایدیھما** کے بموجب حدا کاٹا جائے گا۔اگر وہ پکڑا جانے کے بعدتوبہ کربھی لےتو اس کا گناہ تو عنداللہ معاف ہو جائے گا تاہم دنیا میں توبہ کرنا حد سے اس کو نہ بچا سکے گا۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> **و انما الخلاف فی قبول توبتہ اذا اسلم فعندنا وھو المشھور عند الشافعیۃ القبول و عند المالکیۃ و الحنابلۃ عدمہ بناء علی أن قتلہ حدا أو لا؟۔** (ردالمحتار:ج:٦/ص:٣٧٨)
>
> اختلاف شاتم کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں ہے جب وہ اسلام قبول کر لے۔ ہمارے نزدیک اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق اس کی توبہ مقبول ہے جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں۔اس اختلاف کی بنیاداس بات پر ہے کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> **فاعلم ان مشھور مذھب مالک و اصحابہ و قول السلف و**

جمهور العلماء قتله حدا لا كفرا ان اظهر التوبة منه و لهذا لا تقبل عندهم توبته (الشفا: ج:۲/ص:۲۵۴-۲۵۵)

جان لو کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب اور سلف کا قول اور جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ اس کو حد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا نہ کہ کفر کی وجہ سے۔ اگر چہ اس سے توبہ کا اظہار ہو۔ اسی لئے ان کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں۔

شیخ ابن تیمیہ کرتے ہیں:

قال الامام احمد فی رواية حنبل: كل من شتم النبی ﷺ و تنقصه مسلما كان أو كافرا فعليه القتل و أرى أن يقتل و لا يستتاب۔　(الصارم المسلول: ص:۲۰۷)

امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جس کسی نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی اور آپ ﷺ کی عیب جوئی کی چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کیا جائے گا اور میری رائے یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ کو طلب بھی نہیں کیا جائے گا۔

آپ لکھتے ہیں:

و قال عبد الله: سألت أبي عمن شتم النبی ﷺ يستتاب؟ قال: قد وجب عليه القتل و لا يستتاب۔

(الصارم المسلول: ص:۲۰۸)

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا شاتم رسول ﷺ سے توبہ کو طلب کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: اس پر قتل لازم ہے اور اس کو توبہ کی ترغیب نہیں دی جائے گی۔

آگے آپ ذکر کرتے ہیں:

و كذلك ذكر جماعات آخرون من اصحابنا انه يقتل ساب النبی ﷺ و لا تقبل توبته سواء كان مسلما او كافرا و مرادهم

بانه لا تقبل توبته ان القتل لا يسقط عنه بالتوبة۔

(الصارم المسلول:ص:۲۰۹)

اسی طرح ہمارے علماء میں سے دیگر جماعتوں نے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ شاتم رسول ﷺ کو قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر ہو اور ان کی مراد توبہ قبول نہ ہونے سے یہ ہے کہ توبہ سے قتل اس سے ساقط نہیں ہوگا۔

آپ لکھتے ہیں:

و قد ثبت ان حده القتل بالسنة و الاجماع

(الصارم المسلول:ص:۲۰۷)

اور یہ سنت واجماع سے ثابت ہو گیا ہے کہ شاتم کی سزا قتل ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ان اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک گستاخ رسول ﷺ کی قتل کی سزا حد ہے اور اس کی توبہ ان کے نزدیک قبول نہیں یعنی یہ سزا توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتی تاہم عند اللہ اس کی توبہ قبول ہے۔

احناف وشوافع اور گستاخ رسول ﷺ کی قبولیت توبہ:

جہاں تک احناف وشوافع کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک گستاخ رسول ﷺ مرتد ہے اور اس ملعون کو مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا تاہم اگر وہ توبہ کر لے تو وہ دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا نیز اس کی توبہ اسے نفع دے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

حضرت قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال أبو يوسف :و أيما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ أو كذبه أو عابه أو تنقصه فقد كفر بالله تعالىٰ و بانت منه أمرأته فان تاب و الا قتل،و كذلک المرأة،الا ان أبا حنيفة قال:لا تقتل المرأة و تجبر على الاسلام اهـ　　(کتاب الخراج:ص:۱۹۸)

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے فرمایا:اور جس کسی مسلمان نے رسول اللہ ﷺ

کو (نعوذ باللہ) گالی دی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی یا آپ ﷺ کی عیب جوئی کی یا آپ ﷺ میں نقص تلاش کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور اس کی بیوی اس سے بائنہ ہوگئی اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کیا جائے گا اور اسی طرح عورت کو بھی قتل کیا جائے گا البتہ امام اعظم کے نزدیک عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ شاتم رسول ﷺ کی توبہ کی قبولیت کے قائل تھے اور آپ کا یہ فرمانا کہ الا ان ابا حنیفۃ اس بات پر دلالت کرتا ہے امام اعظم ابوحنیفۃ علیہ الرحمۃ بھی اس بات کے قائل تھے البتہ آپ کے نزدیک عورت کو قتل نہیں کیا جائے بلکہ اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

و لو قال رجل لغیره :کان رسول ﷺ یحب کذا بأن قال مثلا یحب القرع ،فقال ذلک الغیر انا لا أحبه فهذا کفر هکذا روي عن أبي یوسف نصا،و حکی عن أبي یوسف أنه کان جالسا مع هارون الرشید علی المائدة فروی عن النبي صلی الله علیه و اله وسلم حدیثا أنه کان یحب القرع فقال حاجب من حجابه:أما أنا فلا أحبه فقال أبو یوسف :یا امیر المؤمنین انه کفر فان تاب و اسلم و الا فاضرب عنقه فتا ب و استغفر الله تعالیٰ حتی امن القتل ذکره فی الظهیریة۔		(التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۲۷)

اور اگر کسی آدمی نے دوسرے سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ یہ شے پسند فرماتے تھے مثلاً اس نے کہا کہ آپ ﷺ کدو پسند فرماتے تھے تو اس دوسرے شخص نے کہا میں اسے پسند نہیں کرتا، تو یہ کفر ہے۔ اسی طرح امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ آپ ہارون رشید کے دسترخوان پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث روایت کی کہ آپ ﷺ کو کدو کھانا پسند تھے۔ بادشاہ کے ایک دربان نے کہا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تو

اسے پسند نہیں کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین اس نے کفر کیا ہے اگر یہ توبہ کر لے اور اسلام قبول کر لے تو بہتر ورنہ اس کی گردن مار دیجئے ۔اس نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی یہاں تک کہ قتل سے محفوظ ہو گیا۔اسی طرح ظہیریہ میں ہے۔

حضرت قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے مذکورہ بالا فیصلہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ گستاخ رسول ﷺ کی توبہ کی قبولیت کے قائل تھے خاص طور پر آپ کے کلمات **فان تاب و اسلم و الا فاضرب عنقه** اس پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک اس کی توبہ اس کو نفع دینے والی ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔یہ واقعہ کئی ایک کتب میں درج ہے۔

حضرت امام قاضی ابوالحسن سغدی حنفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و السابع من سب رسول صلى الله عليه و اله وسلم فانه مرتد وحكمه حكم المرتدو يفعل به ما يفعل بالمرتد فان ارتد الرجل عن الاسلام استتابه الامام فان تاب و الا قتل۔ (النتف :ص:۴۲۷)

ساتواں شاتم رسول ﷺ ہے۔وہ مرتد ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو مرتد کا حکم ہے اور اس کے ساتھ وہی کیا جائے گا جو مرتد کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی اسلام سے پھر جائے تو امام اس سے توبہ طلب کرے گا۔پس اگر وہ توبہ کرلے تو بہتر ورنہ اسے قتل کیا جائے گا۔

قدس شریف کے قاضی امام علی بن خلیل طرابلسی حنفی معین الحکام میں فرماتے ہیں:

لو شهد شاهد ان أحدهما عدل ان رجلا سب النبى صلى الله عليه و اله وسلم فانه يلزمه الادب الوجيع و التنكيل و يطال سبحنه حتى تظهر توبته۔ (معین الحکام :ص:۲۲۸)

اگر دو گواہ یہ گواہی دیں جبکہ ان میں سے ایک عادل بھی ہو کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی ہے تو اسے دردناک طریقے سے ادب سکھایا جائے اور عبرت کا نشان بنایا جائے گا اور اسے جیل میں طویل عرصہ تک رکھا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔

صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں:

و لو عاب نبیا من الانبیاء علیهم الصلاۃ و السلام قبل توبته کما فی شرح الطحاوی و غیره۔　　(جامع الرموز: ج:۲/ص:۵۸۲)

اور اگر اس نے کسی بھی نبی پر عیب لگایا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی جیسا کہ شرح طحاوی اور دیگر میں ہے۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

سئل فی مسلم سب خیر خلق الله تعالیٰ أجمعین محمدا رسول الله رب العالمین صلی اله علیه و اله وسلم و شتمه فی وسط السوق مرتکبها أعظم الفسوق فما حکم هذا الشقی اللعین أفتونا ماجورین (أجاب)حکمه حکم المرتدین و به صرح فی النتف حیث قال من سب رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم فانه مرتد و حکمه حکم المرتدین و یفعل بی ما یفعل بالمرتدین و ممن صرح بذلک ابن افلاطون فی کتابه المسمی بمعین الحکام حیث قال ناقلا عن شرح الطحاوی ما صورته و من سب النبی (ﷺ)أو أبغضه صلی الله علیه و اله وسلم کان ذلک منه ردة و حکمه حکم المرتدین (کتاب الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ:ص:۱۰۳)

اس مسلمان کے بارے میں سوال کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بہترین مخلوق محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالی دیتا ہے جو تمام عالمین کے رب کے رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کو برا کہتا ہے۔ایسا شخص کبیرہ گناہ کرنے والا ہے۔اس بد بخت لعین شخص کا کیا حکم ہے؟ ہمیں اس بارے میں حصول اجر کے طالب بنتے ہوئے فتویٰ دیں۔

آپ نے جواب دیا کہ اس کا حکم مرتدین کا حکم ہے اور یہی وضاحت النتف میں کی گئی ہے۔آپ نے فرمایا کہ جس نے (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کو گالی دی وہ مرتد ہے۔اس کا حکم مرتدین کا ہے اور اس کے ساتھ وہی کیا

جائے گا جو مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔اس طرح اس کی وضاحت جن لوگوں نے کی ہے ان میں ابن افلاطون بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب معین الحکام میں شرح الطحاوی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا یا آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ بغض رکھنا ارتداد ہے اور اس کا حکم مرتدین کا حکم ہے۔

اس کے بعد آپ نے فتاویٰ بزازیہ، الصارم المسلول اور الاشباہ والنظائر کی متابعت میں توبہ کی عدم قبولیت پر فتویٰ دیا ہے۔علامہ شامی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں:

و هكذا نقل الخير الرملي فى حاشية البحر :أن المسطور فى كتب المذهب أنها ردة و حكمها حكمها،ثم نقل عبارة النتف و معين الحكام :و العجب منه انه أفتى بخلافه فى الفتاوى الخيرية
(ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۷۳)

اور اسی طرح سے خیر رملی نے البحر کے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ مذہب حنفی کی کتب میں یہ درج ہے کہ یہ عمل قبیح ارتداد ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو ارتداد کا ہے۔پھر آپ نے نتف اور معین الحکام کی عبارات نقل کی ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ نے اس کے باوجود فتاوی خیریہ میں اس کے خلاف فتوی دیا ہے۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

و قد صرح فى النتف و معين الحكام و شرح الطحاوى و حاوى الزاهدى و غيرها بأن حكمه كالمرتدو لفظ النتف من سب الرسول ﷺ فانه مرتد وحكمه حكم المرتد و يفعل به ما يفعل بالمرتد انتهى و هو ظاهر فى قبول التوبة كما مر عن الشفا اهـ. فليحفظ۔ (الدر المختار: ج:۶/ص:۳۷۴)

خلاصۃ الفتاوی اور نتف، معین الحکام، شرح طحاوی اور حاوی زاہدی میں وغیرہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس کا حکم وہی ہے جو مرتد کا حکم ہے

اور تنف ۔کے الفاظ یہ ہیں کہ جس نے (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کو گالی دی وہ مرتد ہے اور اس کے ساتھ وہی کیا جائے گا جو مرتد کے ساتھ کیا جاتا ہے انتہی اور یہ ظاہر ہے اس کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں جیسا کہ قاضی عیاض کی شفا کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

و فی شرح الطحاوی کل من سب رسول الله ﷺ أو ینقصه کان فیه ردة۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ج:۴/ص:۳۸۶) امجد اکیڈمی لاہور پاکستان

اور شرح طحاوی میں ہے کہ جس کسی نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی یا آپ ﷺ کا نقص بیان کیا اس میں ارتداد ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و انما الخلاف فی قبول توبته اذا اسلم فعندنا وهو المشهور عند الشافعية القبول و عند المالكية و الحنابلة عدمه بناء على أن قتله حدا أو لا؟۔ (ردالمحتار: ج:۶/ص:۳۷۸)

اختلاف شاتم کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں ہے جب وہ اسلام قبول کر لے۔ ہمارے نزدیک اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق اس کی توبہ مقبول ہے جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں۔ اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

تنبیہ الولاۃ میں آپ فرماتے ہیں:

و رأيت فی فتاوی مؤيد زاده ما نصه و كل من سب النبی صلی الله عليه واله وسلم او ابغضه كان مرتدا ...ثم قال و من سب النبی صلی الله عليه و اله وسلم أو أبغضه كان ذلك منه ردة و حكمه حكم المرتدين شرح الطحاوی قال ابو حنيفة و اصحابه من برئ من محمد (ﷺ) أو كذب به فهو مرتد حلال الدم الا

ان يرجع من الشفاء انتهى...و في نور العين اصلاح جامع الفصولين عن الحاوى من سب النبى صلى الله عليه او اله وسلم يكفر و لا توبة له سوى تجديد الايمان انتهى

(تنبیہ الولاۃ والحکام: ج:۱/ص:۳۲۵)

اور میں نے موید زادہ کے فتاویٰ میں دیکھا ہے جس کا متن یہ ہے کہ جس کسی نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی یا آپ ﷺ کے ساتھ بغض رکھا وہ مرتد ہے۔۔۔پھر آپ نے فرمایا اور جس کسی نے آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی یا آپ ﷺ کے ساتھ بغض رکھا وہ مرتد ہے اور اس کا حکم مرتدین کا حکم ہے، شرح طحاوی، امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا ہے کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ سے براءت کا اظہار کرے یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے وہ مرتد اور مباح الدم (اس کا خون حلال) ہے مگر یہ کہ وہ لوٹ آئے، اور نور العین میں ہے کہ جس کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی وہ کافر ہے اور اس کی تجدید ایمان کے سوا کوئی توبہ نہیں ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

و قد ذكرنا ان المشهور عن مالك و أحمد أنه لا يستتاب ولا يسقط القتل عنه توبته .....و حكى عن مالك و احمد انه تقبل توبته و هو قول أبي حنيفة و اصحابه و هو المشهور من مذهب الشافعي بناء على قبول توبة المرتد۔ (الصارم المسلول: ص:۲۱۶)

اور ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ امام مالک اور امام احمد سے یہی مشہور ہے کہ شاتم سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی اور اس کی توبہ اس سے قتل کو ساقط نہیں کرے گی۔ امام مالک اور امام احمد سے یہ حکایت کیا جاتا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائیگی۔ اور یہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے اور یہی امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مشہور مذہب ہے۔ اس کی بنیاد ان کے نزدیک مرتد کی توبہ کا قبول ہونا ہے۔

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

لأن عامة هؤلاء لما ذكروا هذه المسألة قالوا خلافا لأبي حنيفة و الشافعي في قولهما ان كان مسلما يستتاب فان تاب و الا قتل كالمرتد،وان كان ذميا فقال ابو حنيفة لا ينتقض عهده و اختلف أصحاب الشافعي فيه.فعلم انهم أرادوا بالتوبة توبة المرتد و هى الاسلام و لأنهم قد حكموا بانه مرتد و قد صرحوا بأن توبة المرتد أن يرجع الى الاسلام۔ (الصارم المسلول :ص:۲۰۹)

کیونکہ تمام فقہاء نے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے ۔انہوں نے ابوحنیفہ اور شافعی کے قول کے خلاف مسئلہ بیان کیا ہے۔(وہ دونوں یہ کہتے ہیں) کہ اگر شاتم مسلمان ہوتو اس سے توبہ کوطلب کیا جائے گا اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اسے مرتد کی طرح قتل کر دیا جائے گا۔اگر وہ ذمی ہوتو ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ اس سے اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا اور شافعی کے اصحاب اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کی توبہ سے مراد مرتد کی توبہ ہے یعنی اسلام قبول کرنا اور کیونکہ انہوں نے اس بات کا حکم بتایا ہے کہ وہ مرتد ہے اور انہوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ مرتد کی توبہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں:

قال ابو بكر بن المنذر أجمع عوام أهل العلم على ان من سب النبي ﷺ يقتل و ممن قال ذلک مالک بن انس و الليث و احمد و اسحاق و هو مذهب الشافعي قال القاضي ابو الفضل و هو مقتضى قول ابى بكر الصديق رضى الله عنه و لا تقبل توبته عند هؤ لاء ،و بمثله قال أبو حنيفة و أصحابه و الثوري و أهل الكوفة و الأوزاعي في المسلمين لكنهم قالوا :هى ردة و روى مثله الوليد بن مسلم عن مالک و حكى الطبرى مثله عن أبى

حنیفة و أصحابه فیمن تنقصه ﷺ أو برئ منه أو کذبه۔

(الشفا: ج:۲/ص:۲۱۵)

امام ابو بکر بن منذرؒ فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دی اسے قتل کیا جائے گا۔ یہ بات مالک بن انس، لیث، احمد اور اسحاق نے کہی ہے اور یہی شافعی کا مذہب ہے۔ قاضی ابو الفضل فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا اقتضاء ہے اور ان کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی کے مثل ابو حنیفہ، ان کے اصحاب، ثوری، اہل کوفہ اور اوزاعی نے مسلمان کے بارے میں کہا ہے۔ لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ارتداد ہے۔ اسی کی مثل ولید بن مسلم نے مالک سے نقل کیا ہے۔ طبری نے اسی کی مثل ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے نقل کیا ہے اس کے بارے میں جو آپ ﷺ کی (نعوذ باللہ) عیب جوئی کرے یا آپ ﷺ سے براءت کا اظہار کرے یا آپ کی تکذیب کرے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ ان عبارات کے بارے میں فرماتے ہیں:

وحاصله أنه نقل الاجماع علی کفر الساب، ثم نقل عن مالک و من ذکر بعده أنه لا تقبل توبته، فعلم أن المراد من نقل الاجماع علی قتله قبل التوبة، ثم قال: وبمثله قال أبو حنیفة و أصحابه الخ: أي قال انه یقتل: یعنی قبل التوبة لا مطلقا، و لذا استدرک بقوله لکنهم قالوا: هی ردة: یعنی لیست حدا ثم ذکر أن الولید روی عن مالک مثل قول أبي حنیفة فصار عن مالک روایتان فی قبول التوبة و عدمه و المشهور عنه عدمه، و لذا قدمه و قال فی الشفاء فی موضع اخر: قال أبو حنیفة و أصحابه: من برئ من محمد ﷺ أو کذب به فهو مرتد حلال الدم الا أن یرجع اهـ. فهذا تصریح بما علم من عبارته الأولیٰ. و قال فی موضع بعدا

ن ذكر عن جماعة من المالكية عدم قبول توبته :و كلام شيوخنا هؤلاء مبني على القول بقتله حدا لا كفرا. وأما على رواية الوليد عن مالک و من وافقه على ذلک من أهل العلم فقد صرحوا أنه ردة قالوا:و يستتاب منها فان تاب نكل و ان أبى قتل،فحكموا له بحكم المرتد مطلقا،و الوجه الأول أشهر و أظهراهـ يعنى أن قول مالک بعدم قبول التوبة أشهر و أظهر مما رواه عنه الوليد،فهذا كلام الشفاء صريح في ان مذهب أبي حنيفة و أصحابه القول بقبول التوبة كما هو روايةالوليد عن مالک ،و هو أيضا قول الثوري و أهل الكوفة و الأوزاعي في المسلم :أي بخلاف الذمي اذا سب فانه لا ينتقض عهده عندهم كما مر تحريره في الباب السابق.ثم ان ما نقله عن الشافعي خلاف المشهور عنه و المشهور قبول التوبة على تفصيل فيه۔

(ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۷۱_۳۷۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے شاتم کے کافر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔پھر آپ نے امام مالک اور جن کا ذکر بعد میں کیا ہے ان سے نقل کیا ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔پس اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ یہاں اجماع کے منقول ہونے سے مراد یہ ہے کہ شاتم کے قتل پر توبہ سے قبل اجماع ہے۔پھر آپ نے فرمایا:اسی کی مثل امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب سے منقول ہے الخ یعنی انہوں نے کہا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا یعنی توبہ سے قبل اسے قتل کیا جائے گا نہ کہ مطلقا،اسی لئے آپ نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا:لیکن ان کے نزدیک یہ ارتداد ہے،یعنی ان احناف کے نزدیک یہ حد نہیں ہے۔پھر آپ نے ذکر کیا ہے کہ ولید نے امام مالک سے امام ابوحنیفہ کی مثل نقل کیا ہے،اس طرح امام مالک سے مروی شاتم کی توبہ کے بارے میں دو روایتیں ہوگئیں۔ایک توبہ کی قبولیت کی اور ایک عدم

قبولیت کی، امام مالک سے مشہور یہی ہے کہ آپ اس کی توبہ کی عدم قبولیت کے قائل ہیں۔اسی لئے آپ نے اس کو مقدم فرمایا ہے۔آپ نے شفاء میں ایک اور مقام پر فرمایا ہے: امام ابو حنیفہ اوران کے اصحاب نے کہا کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ سے بری ہوا یا اس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی تو وہ مرتد اور مباح الدم ہے مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔یہ وضاحت ہے اس کی جو پہلی عبارت سے معلوم ہوا ہے۔آپ ایک اور جگہ مالکیہ کا عدم قبولیت کا قول بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اور ہمارے ان شیوخ کا کلام ان کے اس قول پر مبنی ہے کہ اسے حد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا نہ کہ کفر کی وجہ سے۔ جہاں تک ولید کی امام مالک سے روایت کا (یعنی شاتم کی توبہ کا قبول ہونا) اور جن اہل علم نے ان کی اس پر موافقت کی ہے، کا تعلق ہے تو انہوں نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ ارتداد ہے۔انہوں نے کہا ہے کہ اس سے توبہ کو طلب کیا جائے گا۔اگر وہ توبہ کر لے تو اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی اور اگر توبہ سے انکار کر دے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔انہوں نے اس کے لئے مطلقا مرتد کا حکم لگایا ہے۔پہلی بات (توبہ کے قبول نہ ہونے کی) زیادہ مشہور اور غالب ہے۔یعنی امام مالک کا قول توبہ کے قبول نہ ہونے کے بارے میں زیادہ مشہور اور غالب ہے اس قول سے جو ولید نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔یہ شفاء کا کلام ہے جس میں وضاحت کے ساتھ امام ابو حنیفہ اوران کے اصحاب کا یہ مذہب بیان کیا گیا ہے کہ شاتم کی توبہ مقبول ہے جیسا کہ یہ ولید کی امام مالک سے روایت ہے۔اور یہی قول امام ثوری، اہل کوفہ، اور امام اوزاعی علیہم الرحمۃ کا مسلمان کے بارے میں ہے۔یعنی بخلاف ذمی کے جب وہ سب وشتم کرے۔کیونکہ اس کا عہد ان کے نزدیک اس سے نہیں ٹوٹتا جیسا اس کا ذکر گزشتہ باب میں گزر چکا ہے۔پھر آپ نے جو امام شافعی علیہ الرحمۃ کے بارے میں نقل کیا ہے وہ ان سے مروی مشہور قول کے خلاف ہے اور آپ سے مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی اس میں تفصیل ہے۔

تنبیہ الولاۃ میں آپ فرماتے ہیں:

فانظر كيف صرح فى هذه المواضع المتعددة مع نقله عن جماعات من أئمة مذهب الحنابلة بان مذهب أبي حنيفة قبول توبته و كفى بهؤلاء الأئمة حجة فى اثبات ذلك،فقد اتفق على نقل ذلك عن الحنفية القاضى عياض و الطبرى و السبكى و ابن تيمية و ائمة مذهبه و لم يذكر واحد منهم خلاف ذلك عن الحنفية.بل يكفى فى ذلك الامام السبكى و حده فقد قيل فى حقه لو درست المذاهب الاربعة لاملاها من صدره۔

(تنبیہ الولاۃ والحکام :ج:۱/ص:۳۲۴)

آپ دیکھیں کے انہوں نے کیسے اس کی متعدد مقامات پرمذہب حنبلی کے ائمہ کی جماعتوں سے نقل کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔اس بات کے ثبوت کے لئے (کہ احناف کے نزدیک شاتم کی توبہ قبول ہے)ان ائمہ کا ذکر دلیل ہونے کے لئے کافی ہے۔احناف کے اس موقف کو احناف سے نقل کرنے میں قاضی عیاض ،طبری،سبکی ،ابن تیمیہ اور ان کے مذہب کے ائمہ متفق ہیں اور ان میں سے کسی ایک نے بھی احناف سے اس کا خلاف ذکر نہیں کیا۔بلکہ اس کے لئے تو صرف امام سبکی اکیلے ہی کافی ہیں کیونکہ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر آپ سے مذاہب اربعہ سیکھے جائیں تو اپنے سینہ سے ہی ان کو ایسا سکھائیں گے کہ بھر دیں گے۔

ان تمام عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ احناف وشوافع گستاخ رسول ﷺ کی توبہ کی قبولیت کے قائل ہیں۔احناف کے نزدیک گستاخ رسول ﷺ کا حکم وہی ہے جو مرتد کا ہے یعنی اسے ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ اسے نفع دے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ مرتد کی توبہ مقبول ہے۔

امام محمد علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

أخبـرنا مالک أخبرنا عبد الرحمن بن محمد بن عبد القاری عن أبيه قـال: قـدم رجـل على عمر ابن الخطاب رضى الله عنه من قبـل ابى موسى فسأله عن الناس فاخبره ثم قال: هل عندكم من مـغـربة خبر ،قال: نعم رجل كفر بعد اسلامه فقال: ماذا فعلتم به قـال :قـربـنـاه فـضربنا عنقه قال: عمر رضى الله عنه فهلا طبقتم عـلـيـه ثلثا و اطعمتموه كل يوم رغيفا فا ستبتموه لعله يتوب و يرجـع الـى امـر الـلـه الـلهـم انـى لم امر و لم احضر و لم ارض اذ بلـغـنـى .قـال مـحمد ان شاء الامام اخر المرتد ثلثا ان طمع فى تـوبتـه اوسـألـه عـن ذلک الـمرتد وان لم يطمع فى ذلک ولم يسأله المرتد فقتله فلا بأس بذلک (الموطا:ابواب السير :باب المرتد)

ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے آیا تو آپ نے اس سے لوگوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے آپ کو ان کے بارے میں خبر دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی نئی خبر ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں،ایک آدمی اسلام لانے کے بعد کافر ہوگیا۔آپ نے پوچھا تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ ہم نے اس کی گردن مار دی۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم نے اسے تین دن تک بند کیوں نہیں رکھا اور اسے ہر روز چپاتی کیوں نہیں کھلائی کہ تم اس سے توبہ کو طلب کرتے ،ہوسکتا تھا کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ کے امر کی طرف لوٹ آتا۔اے اللہ بے شک میں نے اس کا حکم نہیں دیا اور میں وہاں حاضر نہیں تھا اور جب یہ بات مجھ تک پہنچی ہے تو میں اس پر راضی نہیں ہوا۔

امام محمد الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں:

و يعرض على المرتد حرا كان أو عبدا الاسلام فان ابى قتل

(الجامع الصغیر:ص:۲۵۱)

اور اس پر اسلام پیش کیا جائے گا چاہے وہ آزاد ہو یا غلام پس اگر اس نے انکار کر دیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

امام قدوری فرماتے ہیں:

اذا ارتد المسلم عن الاسلام عرض علیه الاسلام فان کانت له شبهة کشف له و یحبس ثلثة ایام فان اسلم و الا قتل فان قتله قاتل قبل عرض الاسلام علیه کره له ذلک ولا شیئ علی القاتل

(القدوری: ص: ۲۵۶)

جب کوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام کو پیش کیا جائے گا، اگر اس کو کوئی شبہ ہو تو اس کے شبہ کو دور کیا جائے گا اور اسے تین دن کے لئے قید کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اگر اسے کسی قتل کرنے والے نے اسلام کے پیش کئے جانے سے قبل قتل کر دیا تو اس کے لئے مکروہ ہے جبکہ قاتل پر کچھ نہیں ہوگا۔

امام نسفی فرماتے ہیں:

یعرض الاسلام علی المرتد و تکشف شبهته و یحبس ثلاثة أیام فان اسلم و الا قتل۔ (کنز الدقائق: ص:)

مرتد پر اسلام کو پیش کیا جائے گا اور اس کے شبہ کو دور کیا جائے گا اور اسے تین دن تک قید میں رکھا جائے گا پھر اگر وہ اسلام قبول کر لے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

انکار الردة توبة .فاذا شهدوا علی مسلم بالردة و هو منکر لا یتعرض له لتکذیب الشهود و العدول ،بل لأن انکاره توبة و رجوع، کذا فی فتح القدیر۔ (الاشباہ والنظائر: ج:/ص:۸۵)

اپنے مرتد ہونے کا انکار کرنا بھی توبہ ہے، پس جب لوگ کسی مسلمان کے مرتد ہونے کی گواہی دیں اور وہ اپنے مرتد ہونے سے انکار کر دے تو اس

کے درپے نہیں ہوا جائے گا۔اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس انکار کی وجہ سے گواہوں اور عادلوں کی تکذیب ہو جاتی ہے بلکہ اس کا انکار کر دینا توبہ اور رجوع ہے،اسی طرح فتح القدیر میں ہے۔

علامہ تمرتاشی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

من ارتد عرض علیہ الاسلام استحبابا و تکشف شبھتہ و یحبس ثلاثۃ ایام ان استمھل فان اسلم و الا قتل (تنویر الابصار:ج:۶/ص:۳۶۱)

جوکوئی اسلام سے پھر جائے اس پر اسلام استحبابی طور پر پیش کیا جائے گا اور اس کے شکوک وشبہات کو دور کیا جائے گا اور اگر اس نے مہلت طلب کی تو اسے تین دن تک بند رکھا جائے گا،اگر وہ اسلام قبول کرلے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک گستاخ رسول ﷺ مرتد ہی کی طرح ہے جیسا کہ امام قاضی ابو یوسف،امام طحاوی،امام سغدی،ابن افلاطون اور دیگر سے منقول ہے۔مرتد کی توبہ کیونکہ قبول ہے لہذا گستاخ رسول ﷺ کی توبہ بھی مقبول ہے اور اسے دنیا و آخرت میں نفع دے گی۔پس شاتم رسول ﷺ کو تین دن تک قید میں رکھنے کے ساتھ اس پر اسلام کو پیش کرنا چاہیئے تاکہ اس کے ذہن میں اگر کوئی شک وشبہ ہو تو نکل جائے اور وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تاہم اگر وہ قبول اسلام سے انکار کر دے تو اس ملعون کو قتل کر دیا جائے۔مرتد پر اسلام پیش کرنا اور اسے مہلت دینا مستحب ہے اگر حاکم نے اسے بغیر مہلت کے قتل کیا تو یہ بھی جائز ہے البتہ اس میں کراہت ہے اور اگر کسی مسلمان نے اس گستاخ ومرتد کو خود قتل کر دیا تو اس پر کوئی حد یا تعزیر نہیں ہوگی۔اسی طرح اگر کسی مرتد نے اپنے ارتداد کو قبول ہی نہیں کیا تو اس کو اس کی توبہ سمجھا جائے گا اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا تاہم اس کو تجدید نکاح و ایمان کے ساتھ اس گناہ عظیم کی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا اور اس گناہ سے رجوع کرنا ضروری ہے۔

صاحب فتاوی بزازیہ کا تسامح:

متقدمین کی کتب میں شاتم رسول ﷺ کے حوالے سے احناف کا یہی مذہب منقول ہے

کہ وہ مرتد ہے اور اس کے ساتھ مرتد کا معاملہ ہی کیا جائے گا نیز فقہاء کا اس مسئلہ کو حدود کے بجائے ارتداد کے باب میں نقل کرنا اور مرتد کی توبہ کی قبولیت کو مطلقا بیان کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شاتم رسول ﷺ مرتد ہے اور کیونکہ مرتد کی توبہ اسے نفع دیتی ہے لہذا شاتم رسول ﷺ کی توبہ یعنی اسلام کی طرف لوٹنا اس پر سے قتل کو ساقط کردے گی۔

شاتم رسول ﷺ کی توبہ کی قبولیت کا مسئلہ فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے اور ہم سابقہ اوراق میں احناف کا مسلک بیان کر چکے ہیں کہ وہ اس کی توبہ کی قبولیت کے قائل ہیں۔اس مسئلہ میں احناف کا مسلک بیان کرنے میں کئی ایک علماء سے تسامح ہوا ہے۔یہاں تک کہ کئی ایک احناف نے بعض اکابرین کی اتباع میں احناف کا مسلک توبہ کی عدم قبولیت ذکر کیا۔کسی مجتہد کا اس مسئلہ میں اختلاف رکھنا اور چیز ہے اور احناف کا مسلک بیان کرنا اور چیز ہے۔پس ان اکابرین کا احناف کے مسلک کو انہی کی معتمد علیہ کتب سے بیان کرنا زیادہ مناسب تھا۔فتاوی بزازیہ میں اس مسئلہ میں احناف کے بارے میں تساہل سے کام لیا گیا ہے۔فتاویٰ بزازیہ علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی رحمۃ اللہ علیہ کا مرتب کردہ فتاویٰ ہے۔آپ کا وصال ۸۴۷ہجری میں ہوا۔حنفی ہونے کی بناء پر انہیں ائمہ احناف کی کتب سے اس مسئلہ کو بیان کرنا چاہیے تھا مگر انہوں نے الشفاء اور الصارم المسلول کی عبارات کو نقل کیا۔بعض بعد میں آنے والے علماء نے احناف کے بیان مسلک میں فتاوی بزازیہ، الشفاء،الصارم المسلول اور السیف المسلول میں ذکر کردہ اقوال سے یہ سمجھا کہ احناف کا مسلک بھی عدم قبولیت توبہ ہے۔ہمارے زمانے میں بھی اکثر علماء،واعظین، خطباء اور آن لائن مفتیان کرام اسی بات کو بڑی شدت سے اپنے مطالعہ کے مطابق شفا اور الصارم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ شاتم رسول ﷺ کی توبہ کسی کے نزدیک بھی قبول نہیں حالانکہ ہم الشفا اور الصارم المسلول کے حوالے سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ خود قاضی عیاض مالکی اور شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے احناف کا مسلک توبہ کی قبولیت بیان کیا ہے۔علامہ حسام چلپی اور علامہ شامی علیہما الرحمۃ نے اس مسئلہ پر بڑی تحقیق فرمائی ہے۔حضرت حسام چلپی علیہ الرحمۃ نے فتاوی بزازیہ کے رد میں اس مسئلہ کی بابت ایک رسالہ مرتب فرمایا ہے جبکہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ میں احناف کے بیان مسلک اور اس پر اعتراضات کے مفصلا جوابات کی صورت میں ایک رسالہ [تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الأنام ﷺ] تحریر فرمایا ہے۔اس مسئلہ کی مزید تفصیلات کے لئے ان کا مطالعہ ان شاء اللہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

علامہ حصکفی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں:

زاد المصنف في شرحه :و قد سمعت من مفتي الحنفية بمصر شيخ الاسلام ابن عبد العال أن الكمال و غيره تبعوا البزازي والبزازي تبع صاحب [السيف المسلول]عزاه اليه و لم يعزه لأحد من علماء الحنفية۔ (الدر المختار: ج:٦/ص:٣٧٣)

مصنف نے اپنی شرح میں اس کا اضافہ کیا ہے کہ میں نے احناف کے مصر میں مفتی شیخ الاسلام ابن عبد العال سے سنا کہ کمال اور دیگر علماء نے بزازی کی اتباع کی ہے اور بزازی نے صاحب سیف مسلول کی اتباع کی ہے اور خود کو ان کی طرف منسوب کیا ہے اور علمائے احناف میں سے کسی کی طرف خود کو منسوب نہیں کیا۔

امام حموی شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ کے اس فتویٰ کے بارے میں فرماتے ہیں جو آپ نے شاتم کی توبہ کی عدم قبولیت پر دیا تھا:

و قد أنكرها على المصنف رحمه الله أهل عصره كالبر همتوشي و الشيخ أمين الدين بن عبد العال ،انتهى۔

(شرح الحموی: ج:١/ص:٧٩)

مصنف۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ ان کے زمانے کے (حنفی) علماء نے رد کیا تھا جیسے برہمتوشی اور شیخ امین الدین بن عبد العال۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس بارے میں فرماتے ہیں:

(والبزازي تبع صاحب [السيف المسلول])الذى قاله البزازي:انه يقتل حدا و لا توبة له اصلا سواء بعد القدرة عليه و الشهادة أو جاء تائبامن قبل نفسه كالزنديق لأنه حد وجب،فلا يسقط بالتوبة و لا يتصور فيه خلاف لأحد لأنه تعلق به حق العبد الى ان قال: دلائل المسألة تعرف في كتاب [الصارم المسلول على شاتم الرسول ﷺ]اهـ.و هذا كلام يقتضي منه غاية

العجب، كيف يقول لا يتصور فيه خلاف لأحد بعد ما وقع فيه الأئمة المجتهدون مع صدق الناقلين عنهم كما أسمعناك و عزوه المسألة الى كتاب الصارم المسلول و هو ابن تيمية الحنبلي يدل على أنه لم يتصفح ما نقلناه عنه من التصريح بأن مذهب الحنفية و الشافعية قبول التوبة فى مواضع متعددة و كذلك صرح به السبكي فى السيف المسلول و القاضي عياض فى الشفا كما سمعته ،مع أن عبارة البزازي بطولها أكثرها مأخوذ من الشفا.

فقد علم أن البزازي قد تساهل غاية التساهل فى نقل هذه المسألة ،و ليته حيث لم ينقلها عن أحد من أهل مذهبنا بل استند الى ما فى الشفا و الصارم ،أمعن النظر فى المراجعة حتى يرى ما هو صريح فى خلاف ما فهمه ممن نقل المسألة عنهم،و لا حول و لا قوة الا بالله العلي العظيم.فلقد صار هذا التساهل سببا لوقوع المتأخرين عنه فى الخطأ حيث اعتمدوا على نقله و قلدوه فى ذلك،و لم ينقل أحد منهم المسألة عن كتاب من كتب الحنفية بل المنقول قبل حدوث هذا القول من البزازي فى كتبنا و كتب غيرنا خلافه. (ردالمحتار:ج:٦/ص:٣٧٣)

(بزازی نے صاحب السیف المسلول کی اتباع کی ہے)بزازی نے جو کہا ہے وہ یہ ہے کہ اسے حد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اوراس کی توبہ اصلا قبول نہیں کی جائے گی۔چاہے اس کا شاتم ہونا اس پر قدرت پا جانے کے بعد ثابت ہو یا گواہی کے ذریعہ یا وہ خودتوبہ کرتے ہوئے سامنے آجائے جیسے زندیق کیونکہ یہ حد ہے جو واجب ہوگئی ہے۔پس اس لئے یہ توبہ سے ساقط نہیں ہوگی۔اس مسئلہ میں کسی کے اختلاف کا تصور بھی نہیں ہے۔کیونکہ اس کے ساتھ بندے کا حق معلق ہے۔آگے جا کر فتاوی بزازیہ والے نے یہاں

تک کہا کہ اس مسئلہ کے دلائل کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ میں ہیں۔

یہ کلام انتہائی تعجب میں ڈالتا ہے۔انہوں نے یہ کیسے کہا کہ اس مسئلہ میں کسی کے اختلاف کا تصور بھی نہیں ہے؟ جبکہ ائمہ مجتہدین سے ان سے روایت کرنے والے ناقلین کے صدق کے ساتھ اس مسئلہ میں اختلاف منقول ہے۔جیسا کہ ہم نے آپ کو پہلے بتایا ہے۔انہوں نے اس مسئلہ کی نسبت کتاب الصارم المسلول کی طرف کی ہے جو ابن تیمیہ حنبلی کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے انہوں نے اس حصہ کو غور سے نہیں پڑھا جو ہم نے بھی ابن تیمیہ سے بڑی وضاحت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ احناف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔اس کا ذکر ابن تیمیہ نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔اسی طرح سبکی نے السیف المسلول میں اور قاضی عیاض مالکی نے الشفاء میں اس کی وضاحت کی ہے جیسا کہ ہم آپ کو بتا چکے ہیں۔حالانکہ بزازی کی عبارت کا اکثر حصہ اپنی طوالت کے ساتھ شفاء سے ماخوذ ہے۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ بزازی نے اس مسئلہ کو نقل کرنے میں بہت زیادہ تساہل پسندی سے کام لیا ہے۔میں نے ان کو پایا ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کو احناف کے اہل مذہب سے نقل کرنے کے بجائے اس چیز پر تکیہ کیا ہے جو شفاء اور صارم میں ہے۔ان کو چاہیئے تھا کہ اس کی تہہ میں پہنچتے تا کہ وہ اس کو پا لیتے جو صریح ہے۔برخلاف اس کے جو انہوں نے ان سے سمجھا جنہوں نے اس مسئلہ کو ائمہ سے نقل کیا ہے۔اور نہیں ہے نیکی کرنے کی توفیق اور نہ ہی گناہ سے بچنے کی قوت مگر اللہ کی طرف سے جو بہت بلند اور عظیم ہے۔ان کا تساہل متاخرین کے خطا میں واقع ہونے کا سبب بنا کیوں کہ انہوں نے ان کی نقل پر اعتماد کیا اور اس میں ان کی پیروی کی۔ان میں سے کسی نے بھی اس مسئلہ کو احناف کی کتب میں سے کسی بھی کتاب سے نقل نہیں کیا

بلکہ بزازی کے قول سے قبل ہمارے مذہب کی اور دوسروں کی کتابوں میں
اس کے برخلاف ہی نقل کیا گیا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اس تمام تقریر پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فتاوی بزازیہ، فتح القدیر، الاشباہ و النظائر، البحر اور دیگر کتب حنفیہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ شاتم رسول ﷺ کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لہذا احناف کا مسلک یہی ہے کہ اس ملعون کی توبہ اسے نفع نہ دے۔

علامہ شامی نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ نے اس کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

> و اذا كان معه احد صاحبيه كابى حنيفة و ابى يوسف او كابى حنيفة و محمد فهو كالحكم فيما اذا حصلت الموافقة بين الكل و ان حصلت المخالفة منهما له يؤخذ بقوله و لا يخير فى ذلك المفتى، و فى شرح الطحاوى المفتى بالخيار ان شاء اخذ بقول ابى حنيفة و ان شاء اخذ بقولهما و قال عبد الله بن المبارك ينبغى ان يؤخذ بقول أبي حنيفةو فى قاضى خان ان كان مع ابى حنيفة احد صاحبيه يؤخذ بقولهما لوفور الشرائط و استجماع ادلة الصواب و ان خالفاه فلا يخلو اما ان يكون المخالفة حجة و برهان فيوخذ بقول الامام او مخالفة عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة فيؤخذ بقولهمالتغير احوال الزمان و فى المزارعة و المعاملة يختار قولهما لاجتماع المتأخرين على ذلك و فيما سوى ذلك يخير المفتى المجتهد و يعمل بما افضى اليه رايه و قال ابن المبارك يؤخذ بقول ابى حنيفة و الاصح ان العبرة لقوة الدليل.... و المراد بالمفتى الذى يتخير بين الاقوال هو المجتهد الذى له قوة نظر و استنباط و اما اهل

زماننا و اشیاخهم و اشیاخ اشیاخهم فلا یسمون مفتین بل ناقلون حاکون. (تنبیہ الولاۃ والحکام:ص:۳۲۹)

جب امام صاحب کے ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک ہو جیسے امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف یا امام ابو حنیفہ اور امام محمد ،تو اس صورت میں یہ ایسے حکم ہی کی طرح ہے جس میں تمام کے مابین موافقت پائی گئی ہو۔اگر صاحبین کا قول امام صاحب کے خلاف ہو تو امام اعظم کے قول کو اختیار کیا جائے گا اور مفتی کو اس میں اختیار نہ ہوگا۔شرح طحاوی میں ہے کہ مفتی کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو امام ابو حنیفہ کے قول کو اختیار کرے اور اگر چاہے تو صاحبین کے قول کو اختیار کرلے۔عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قول کو اختیار کیا جائے۔فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ کے ساتھ اگر صاحبین میں سے کوئی ایک ہو تو اس صورت میں ان دونوں کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔کیونکہ اس میں شرائط زیادہ پوری ہوتی ہیں اور درست ہونے کے دلائل زیادہ ملتے ہیں۔اور اگر صاحبین امام صاحب کے خلاف ہوں تو یہ معاملہ دو صورتوں سے خالی نہ ہوگا۔ایک صورت تو یہ کہ یا تو یہ اختلاف کسی حجت و دلیل کی وجہ سے ہوگا تو امام صاحب کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔جبکہ دوسری صورت یہ ہے کہ اختلاف کی وجہ وقت و زمانہ کا بدل جانا ہو جیسے قضاء کے مسائل میں عدل کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ،تو اس صورت میں زمانہ کے حالات بدل جانے کی وجہ سے صاحبین کے قول کو لیا جائے گا۔اسی طرح مزارعت اور معاملات میں بھی ان کے قول کو اختیار کیا جائے گا اس پر متاخرین کے اتفاق کی وجہ سے۔اس کے علاوہ جتنے مسائل ہیں ان میں مفتی کو اختیار دیا جائے گا اور وہ اس پر عمل کرے گا جسے اس کی رائے اختیار کرے۔عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قوت دلیل کا اعتبار کیا جائے گا (یعنی جس کی دلیل زیادہ

مضبوط ہوگی اس کے قول کو اختیار کیا جائے گا)۔۔۔۔۔۔۔اور وہ مفتی جس کو ان حضرات کے اقوال میں اختیار دیا گیا ہے اس سے مراد وہ مجتہد ہے جس کے لئے قوت نظر اور مسائل کو استنباط کرنے کا ملکہ ہو۔ جہاں تک ہمارے زمانے کے علماء اور ان کے اساتذہ اور ان کے اساتذہ کے اساتذہ کا تعلق ہے تو وہ مفتی نہیں کہلاتے بلکہ وہ تو (مفتیوں کے کلام کو) نقل کرنے والے اور حکایت کرنے والے ہیں۔

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ صاحب فتاوی بزازیہ نے اس مسئلہ میں احناف کے بیان مسلک میں تساہل سے کام لیا ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ کو کتب احناف سے بیان کرنے کے بجائے الشفاء اور الصارم المسلول سے بیان کیا ہے حالانکہ ان کو چاہیئے تھا کہ وہ احناف کی کتب مذہب سے اس مسئلہ کو بیان کرتے اور بعد میں آنے والے علماء نے فتاوی بزازیہ کی متابعت کرتے ہوئے احناف کی کتب مذہب سے اس مسئلہ کو نقل کرنے کے بجائے انہی کی تحریر کردہ بات کو اعتماد کرتے ہوئے آگے نقل کر دیا۔ جب امام ابو یوسف کی کتاب الخراج سے امام اعظم ،امام ابو یوسف کا مسلک واضح ہو گیا ہے اور شرح الطحاوی، النتف ،معین الحکام میں بھی احناف کا مسلک یہی نقل کیا گیا ہے کہ شاتم کی توبہ اسے دنیا میں نفع دے گی اور اس کا حکم وہی ہے جو مرتد کا ہے جس کی تائید دیگر مسالک کے علماء کے بیان سے بھی ہوتی ہے تو ہمیں اصول وقواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسی مسئلہ کو قبول کرنا چاہیئے جو امام اعظم اور قاضی ابو یوسف علیہما الرحمۃ سے منقول ہے جبکہ فتاوی بزازیہ سے قبل کسی بھی مذہب حنفی کی کتاب میں شاتم رسول ﷺ کی توبہ قبول نہ ہونے مسلک احناف بیان نہیں کیا گیا۔

مزید تفصیل کے لئے نور العین ،منح الغفار، الدر المختار، تنبیہ الولاۃ و الحکام علی شاتم خیر الانام ﷺ کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ:

۱۔ شاتم رسول ﷺ قرآن وسنت کی رو سے اللہ تعالیٰ اور تمام ملائکہ کی لعنت کا مستحق ہے۔ قیامت میں ایسے ملعون شخص کے لئے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

۲۔ شاتم رسول ﷺ کافر وملعون ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

۲۔ تمام فقہاء کرام شاتم رسول ﷺ کو قبل از توبہ قتل کرنے پر متفق ہیں۔

۳۔ شاتم رسول ﷺ کی توبہ علماء کے نزدیک عنداللہ مقبول ہے۔

۴۔ شاتم رسول ﷺ کو دنیا میں توبہ کے نفع دینے میں علماء کا اختلاف ہے۔احناف وشوافع اس کی توبہ کی قبولیت اور قتل کے ساقط ہونے کے قائل ہیں ۔احناف کے نزدیک شاتم رسول ﷺ مرتد ہے اور اسے تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے ۔اگر وہ اسلام قبول کر لے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ حکام کے قتل سے قبل اگر کوئی مسلمان اسے قتل کر دے تو اس پر کوئی حد ،قصاص یا تعزیر نہیں ہو گی۔اگر قاضی چاہے تو شاتم وگستاخ کو حالات اور واقعات کے پیش نظر تعزیرا توبہ کے بعد بھی قتل بھی کرسکتا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی توبہ اس سے قتل کو ساقط نہیں کرے گی یعنی اسے توبہ کے بعد بھی حداً قتل ہی کیا جائے گا۔

۵۔ اگر کوئی ذمی یا کافر گستاخی کا مرتکب ہو تو سیاسی طور پر تعزیرا قاضی اس کو قتل کرنے کا حکم صادر کر سکتا ہے۔

دینی مدارس کے درجہ عالمیہ سے
فراغت پانے والے طلبہ کی توجہ کے لئے

آپ نے درجہ عالمیہ کے امتحان کے لئے ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہوگا ،اگر وہ کسی فقہی معاملہ پر ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ شائع ہو اور لوگ اس سے استفادہ کریں ،تو آپ اپنے مقالہ کی کاپی ہمیں ارسال فرمائیں ......

اگر مقالہ تحقیقی اعتبار سے معیاری ہوا تو ہم اسے شائع کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں............مقالہ کی جلد اشاعت کے لئے مقالہ کی کاپی اور اس کے ساتھ اس کی سی ڈی بھجوائیں ......　(مجلس ادارت مجلّہ فقہ اسلامی)

من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر

بحمد اللہ تعالیٰ ہم سابقہ اوراق میں شاتم رسول ﷺ کے کفر، قتل اور توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کے متعلق بحث کر چکے ہیں۔ اب ہم شاتم رسول ﷺ سے متعلق علماء کے قول ''من شک فی کفرہ وعذابہ کفر'' ''یعنی'' جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہو گیا'' کے بارے میں بحث کریں گے۔

حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال محمد بن سحنون أجمع العلماء أن شاتم النبی ﷺ المنتقص له کافر و الوعید جار علیه بعذاب الله له و حکمه عند الامة القتل ومن شک فی کفره و عذابه کفر

(الشفاء: ج:۲/ص:۲۱۵_۲۱۶)

محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بے شک شاتم نبی ﷺ، آپ ﷺ کی عیب جوئی کرنے والا کافر ہے اور اس کے لئے اللہ کے عذاب کی وعید ہے۔ اس کا حکم امت کے نزدیک قتل ہے اور جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہو گیا۔

شیخ ابن تیمیہ نقل کرتے ہیں:

وقال محمد بن سحنون :أجمع العلماء علی أن شاتم النبی ﷺ المنتقص له کافر،و الوعید جار علیه بعذاب الله له و حکمه عند الأمة القتل ،و من شک فی کفره و عذابه کفر۔

(الصارم المسلول:ص:۹)

امام محمد بن سحنون علیہ الرحمۃ نے فرمایا: تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ، آپ ﷺ کی عیب جوئی کرنے والا کافر ہے۔ اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے۔ تمام امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہو گیا۔

حضرت علامہ حصکفی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں:

و من شک فی عذابه و کفره کفر۔ (الدر المختار: ج:۲/ص:۳۷۰)

جس نے اس کے عذاب اور کفر میں شک کیا وہ کافر ہو گیا۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس بارے میں فرماتے ہیں:

(و تمامه فی الدرر)حیث قال نقلا عن البزازیة ،وقال ابن سحنون المالكي :أجمع المسلمون أن شاتمه كافر،و حكمه القتل و من شک فی عذابه و کفره کفر اهـ

(رد المختار: ج:۲/ص:۳۷۰)

آپ نے یہ بات فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمائی ہے اور ابن سحنون مالکی فرماتے ہیں تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم نبی ﷺ کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے۔ جس نے اس کے عذاب اور کفر میں شک کیا وہ کافر ہو گیا۔

علماء عظام کا یہ قول شاتم رسول ﷺ سے متعلق ہے جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ شاتم رسول ﷺ کا کافر ہونا اور مستحق عذاب ہونا قرآن وسنت سے اس قدر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اگر اس کے کفر میں کوئی شک کرے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ ہماری معلومات کے مطابق شاتم رسول ﷺ کے بارے میں علمائے اہل سنت میں سے سب سے پہلے یہ قول امام ابن سحنون مالکی نے فرمایا تھا جسے بعد میں آنے والے مختلف مذاہب کے علماء نے اس مسئلہ کی بحث میں نقل کیا ہے۔آپ کا وصال ۲۶۵ھ میں ہوا۔

اسی طرح کا ایک قول امام سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ نے معتزلہ کے امام ابو علی جبائی کا بھی نقل فرمایا ہے۔آپ نقل فرماتے ہیں:

وقالت قدماء المعتزلة بكفر القائلين بالصفات القديمة و بخلق الاعمال و كفر المجبرة حتىٰ حكى عن الجبائى انه قال: المجبر كافر و من شك فی كفره فهو كافر و من شك فی كفر من شك فی كفره فهو كافر و منهم من بلغ الغاية فی

الحماقة و الوقاحة۔　　(شرح المقاصد: ج:۲ /ص:۲۶۹)

قدیم معتزلہ اس کے کفر کے قائل ہیں جو صفات قدیمہ کی بات کرے یا اعمال کے مخلوق ہونے کی بات کرے اورانہوں نے مجبرہ کی بھی تکفیر کی ہے۔ یہاں تک کہ جبائی سے حکایت ہے کہ اس نے کہا: مجبر کافر ہے۔ جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے اور جس نے اس کے کفر میں شک کیا جس نے مجبر کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو انتہائی درجہ کی حماقت اور بے شرمی کو پہنچ گئے ہیں۔

اس قول کے بیان، اس کے اطلاق اور تشریح وتوضیح میں کئی ایک امور کوملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ یہ قرآن حکیم کی آیت یا حدیث شریف کا مبارک قطعہ نہیں بلکہ ایک مالکی فقیہ کا قول ہے۔

۲۔ یہ قول صرف ایسے متفق علیہ فرد پر صادق آتا ہے جس کا کافر ہونا قطعی ہو کیونکہ جہاں ظن یا اختلاف ہو وہاں فرد کی تکفیر جائز نہیں۔

۳۔ اس سے مراد قبل از توبہ شاتم رسول ﷺ کا کافر ہونا اور مستحق عذاب ہونا ہے کیونکہ کئی ایک مجتہدین اس کی توبہ کی قبولیت کے قائل ہیں اور اس کی توبہ کو نافع سمجھتے ہوئے قتل کو اس سے ساقط سمجھتے ہیں۔ ان میں امام اعظم ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف، امام ثوری، امام اوزاعی، امام شافعی رحمہم اللہ اور دیگر کئی بلند پایہ محققین شامل ہیں۔ حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ نے یہ قول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ سے بھی روایت کیا ہے کہ شاتم رسول ﷺ سے توبہ کو طلب کیا جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں:

وحکی ابن المنذر عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه یستتاب۔　　(الشفاء: ج:۲/ص:۲۵۵)

ابن منذر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کے اس (شاتم) سے توبہ کو طلب کیا جائے گا۔

جبکہ دیگر ائمہ کرام جو اس کی توبہ کی قبولیت کے قائل نہیں ان کے نزدیک بھی عند اللہ اس کی توبہ قبول ہے یعنی وہ عذاب نہیں دیا جائیگا۔ اس کی وضاحت ہم سابقہ اوراق میں کر چکے ہیں۔

حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

و هذه العبارة مذكورة في الشفاء للقاضي عياض المالكي،نقلها عنه البزازي و أخطأ في فهمها لأن المراد بها ما قبل التوبة و الا لزم تكفير كثير من الأئمة المجتهدين القائلين بقبول توبته و سقوط القتل بها عنه على أن من قال يقتل و ان تاب يقول انه اذا تاب لا يعذب في الاخرة كما صرحوا به،و قدمناه انفا فعلم أن المراد ما قلناه قطعا۔ (ردالمحتار:ج:٦/ص:٢٧٠)

خلاصہ: یہ عبارت قاضی عیاض مالکی کی شفا شریف میں ذکر کی گئی ہے، بزازی نے اس عبارت کو وہیں سے نقل کیا ہے اور اس کو سمجھنے میں خطا کی ہے کیونکہ اس سے مراد توبہ سے پہلے کی صورت ہے ورنہ اس سے بکثرت ائمہ مجتہدین کو کافر قرار دینا لازم آئے گا جو شاتم کی توبہ کی قبولیت کے قائل ہیں اور اس توبہ کی وجہ سے قتل کو ساقط قرار دیتے ہیں جبکہ وہ علماء جو یہ کہتے ہیں کہ توبہ کے بعد بھی اسے قتل کیا جائے گا وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کر لے تو اسے آخرت میں عذاب نہیں ہوگا۔اس کا ذکر انہوں نے وضاحت سے کیا ہے اور ہم اس کا ذکر ابھی کر چکے ہیں۔پس یہ معلوم ہو گیا کہ جو مراد ہم نے لی ہے وہی بلاشبہ پر درست ہے۔

تنبیہ الولاۃ میں آپ فرماتے ہیں:

فمرادهما حكاية الاجماع على كفره و ردته قبل التوبة و الدليل على ذلك قول سحنون و من شك في عذابه و كفره كفر اذ لا يصح حمل ذلك على ما بعد التوبة لانه يلزم عليه تكفير الأئمة المجتهدين القائلين بقبول توبته و عدم قتله كأبي حنيفة و الشافعي و الثوري و الاوزاعي و غيرهم فتعين ما قلنا

(تنبیہ الولاۃ والحکام:ص:٣٣٠)

ان دونوں کی شاتم کے کفر اور ارتداد پر اجماع سے مراد توبہ سے قبل اس

کے کافر ہونے پر اجماع ہونا ہے اور اس پر دلیل ابن سحنون کا یہ قول ہے کہ جس نے اس کے عذاب اور کفر میں شک کیا وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس کو توبہ کے بعد کی صورت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے ورنہ اس صورت میں کئی ایک ائمہ مجتہدین کی تکفیر لازم آئے گی جو اس کی توبہ کی قبولیت اور اسے توبہ کے بعد قتل نہ کرنے کے قائل ہیں۔ جیسے امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام ثوری، امام اوزاعی رحمہم اللہ وغیرہ پس جو ہم نے کہا ہے وہ متعین ہو گیا۔

علامہ شامی کی اس تصریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ابن سحنون علیہ الرحمۃ کی اس سے مراد ایسا شاتم رسول ﷺ ہے جو توبہ نہ کرے کیونکہ توبہ کرنے کی صورت میں کئی ایک علماء اس سے سقوط قتل کے قائل ہیں جبکہ تمام علماء کے نزدیک اگر چہ وہ اس کی توبہ کے نافع ہونے (قتل کو ساقط کرنے) کے قائل نہ بھی ہوں تو تب بھی ان کے نزدیک اس کا ایمان قابل قبول ہو گا اور آخرت میں اسے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی ایسے شاتم کے کفر اور عذاب میں شک کرے جس نے توبہ نہ کی ہو تو وہ کافر ہو گا کیونکہ ایسے ملعون کا کافر ہونا اور مستحق عذاب شدید ہونا قطعی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے مشابہ بعض دیگر اقوال بھی علماء سے منقول ہیں۔ امام سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں:

و قال الأستاذ ابو اسحاق الأسفرائني: يكفر من يكفرنا و من لا فلا۔ (شرح المقاصد: ج:۲/ص:۲۶۹)

استاذ ابو اسحاق اسفرائنی نے فرمایا: وہ کافر ہو جاتا ہے جو ہماری تکفیر کرتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر نہیں۔

اسی طرح شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و أجمعوا أن من شك في ايمانه فهو كافر و هو أن يكون مصدقا لكن شك ان هذا التصديق ايمان أو كفر۔

(البحر الرائق: ج:۵/ص:۲۰۰)

تمام علماء کا اجماع ہے کہ بے شک جس نے اپنے ایمان میں شک کیا وہ کافر

ہو گیا اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ تصدیق کرنے والا ہو لیکن یہ شک بھی رکھتا ہو کہ میری یہ تصدیق ایمان ہے یا کفر۔

حضرت امام ابوبکر رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

والشک فی اصل الایمان کفر و ضلالۃ (شرح بدء الامالی:ص:۵۱)

اصل ایمان میں شک کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

اجتمعت الفقهاء من أهل السنة والجماعة أن من شك فی ایمانه فانه یصیر كافرا و معنی الشك فی الایمان هو ان یعرف الله تبارك و تعالیٰ و یعرف رسوله ﷺ و یقول: لااله الا الله محمد رسول الله و یصدق فی ذلك ثم یشك فیه بأن هذا الایمان و هذا القول هل هو ایمان منه؟أم هو یزیل الكفر أم لا فهذا هو الشك فی الایمان و الایمان لا یثبت مع الشك

(التاتارخانیۃ:ج:۵/ص:۳۶۲)

اہل سنت و جماعت کے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ایمان میں شک کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔اور اپنے ایمان میں شک سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو جانتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اس کی تصدیق کرتا ہے۔پھر اس میں شک کرتا ہے کہ یہ ایمان یا یہ قول ایمان ہے یا نہیں؟ یا یہ کفر کو زائل کرتا ہے یا نہیں؟ پس یہ ایمان میں شک ہے اور ایمان شک کے ساتھ قائم نہیں رہتا۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لا شك فی تكفیر من قذف [illegible] عائشة رضی الله تعالیٰ عنها۔ (ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۷۸)

حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والے کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

حضرت امام ابوبکر رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و نقول أن الکافرین فی النار بلا شک فاذا شک فیه فقد کفر
لأنه أنکر النصوص۔　　　(شرح بدء الامالی:ص:۲۳۴)

اور ہم یہ کہتے ہیں کہ بے شک تمام کافر بلا شک وشبہ جہنم میں ہوں گے اگر اس میں کسی نے شک کیا تو اس نے کفر کیا کیونکہ اس نے اس صورت میں نصوص کا انکار کیا۔

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

من قال: لا أعرف الکافر کافرا فهو الکافر۔

(شرح بدء الامالی:ص:۳۵)

جس نے یہ کہا کہ میں کافر کو کافر نہیں سمجھتا تو وہ خود کافر ہے۔

کسی فرد کا خود کو قطعی طور پر بلا شک وشبہ مومن جاننا ضروری ہے کیونکہ ایمان شک کو کسی طور پر قبول نہیں کرتا پس اگر اس کے دل میں اپنے ایمان سے متعلق شک وشبہ ہو تو یہ کفر ہے۔اسی لئے امام اسفرائنی نے اپنے آپ کو کافر کہنے والے کے لئے یکفر من یکفرنا کہا جو آپ کے ایمان کی پختگی اور یقین جازم کے حامل ہونے کی دلیل ہے۔تاہم ان کی یہ بات غیر مشروع ہونے کی وجہ سے کسی کی تکفیر کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔اسی طرح حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت قطعی طور پر ثابت ہے لہذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت میں شک کرنا کفر ہے۔پس وہ تمام امور جن کا قطعی طور پر کفر ہونا معلوم ہو ان کے کفر ہونے میں شک کرنے بھی کفر ہوگا۔

قاضی ابویعلیٰ نے منقول ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک اگر شاتم رسول ﷺ اس عمل قبیح کو حلال جان کر کرے گا تو وہ کافر ہے اور اگر اس کو حلال جان کر نہ کرے تو وہ فاسق ہوگا۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

و ذکر القاضی عن الفقهاء ان ساب النبی ﷺ ان کان مستحلا کفر وان لم یکن مستحلا فسق و لم یکفر کساب الصحابة و هذا نظیر ما یحکی عن بعض الفقهاء من اهل العراق أفتی هارون الرشید أمیر المؤمنین فیمن سب النبی ﷺ أن یجلده حتی

أنكر ذلك مالك و رد هذه الفتيا و هو نظير ما حكاه أبو محمد ابن حزم أن بعض الناس لم يكفر المستخف به.

(الصارم المسلول:ص:۳۵۴)

اور قاضی ابویعلیٰ نے بعض فقہاء سے ذکر کیا ہے کہ اگر شاتم اس عمل کو حلال جاننے والا ہے تو یہ کفر ہے اور اگر حلال نہ جانے تو فسق ہے اور اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی جیسے شاتم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکفیر نہیں کی جاتی۔ اس کی نظیر بعض فقہاء عراق کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے امیر المومنین ہارون رشید کو شاتم رسول ﷺ کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا انکار کیا اور ان کے فتووں کو رد کر دیا اور یہ مثال ہے اس کی جو ابو محمد ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا (نعوذ باللہ) استخفاف کرنے والا کافر نہیں ہے۔

آپ اس کے جواب میں قاضی ابویعلیٰ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان الحكاية المذكورة عن الفقهاء أنه كان مستحلا كفر و الا فلا ليس لها اصل و انما نقلها القاضي من كتاب بعض المتكلمين الذين حكوها عن الفقهاء ،و هؤلاء نقلوا قول الفقهاء بما ظنوه جاريا في اصولهم أو بما قد سمعوه من بعض المنتسبين الى الفقه ممن لا يعد قوله قولا و قد حكينا نصوص أئمة الفقهاء و حكاية اجماعهم ممن هو أعلم الناس بمذاهبهم ،فلا يظن ظأن أن في المسألة خلافا يجعل المسألة من مسائل الخلاف و الاجتهاد و انما ذلك غلط،لا يستطيع احد أن يحكي عن واحد من الفقهاء أئمة الفتوىٰ هذا التفصيل ألبتة

(الصارم المسلول:ص:۳۵۵)

بعض فقہاء کے بارے میں یہ حکایت مذکور ہے کہ ان کے نزدیک نبی ﷺ پر

(نعوذ باللہ) سب و شتم کو حلال جان کر کرنا کفر ہے اور اگر حلال نہ جانے تو کفر نہیں، اس کی کوئی اصل نہیں اور قاضی صاحب نے بعض متکلمین کی کتاب سے اس قول کو نقل کر لیا ہے جنہوں نے اس کو بعض فقہاء سے نقل کیا ہے۔ان متکلمین نے فقہاء کے قول کو ان کے دیگر اصولوں پر گمان کرتے ہوئے نقل کیا ہے یا انہوں نے ان لوگوں سے اس بات کو سن لیا ہے جو خود کو فقہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے کہ جن کا قول (مسائل میں) قول شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ہم نے ائمہ وفقہاء کی کئی ایک نصوص اور ان کے اجماع کو ان سے نقل کر دیا ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ علماء کے مذاہب کو جاننے والے تھے۔پس کسی گمان کرنے والے کو اس مسئلہ میں یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ اس کو اختلافی یا اجتہادی مسائل میں سے بنائے۔یہ غلطی ہے۔کوئی شخص کسی ایک فقیہ کا بھی یہ قول نہیں دکھا سکتا جس کو قاضی ابو یعلیٰ نے نقل کیا ہے۔

پھر آگے آپ لکھتے ہیں:

ان هذه المقالة فی نفسها كفر استحلها صاحبها أو لم يستحلها

(الصارم المسلول:ص:۳۵۶)

یہ بات اپنی ذات کے اعتبار سے ہی کفر ہے چاہے اس کو کہنے والا حلال جانے یا نہیں۔

حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ بعض اہل عراق کے اس فتویٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ولا أدري من هؤلاء الفقهاء بالعراق الذين أفتوا الرشيد بما ذكر و قد ذكرنا مذهب العراقيين بقتله و لعلهم ممن لم يشهر بعلم أو من لا يوثق بفتواه أو يميل به هواه أو يكون ما قاله يحمل على غير السب فيكون الخلاف هل هو سب أو غير سب أو يكون رجع و تاب عن سبه فلم يقله لمالك على اصله و الا

فالاجماع علی قتل من سبه کما قدمناه۔ (الشفاء: ج:۲/ ص:۲۲۳)

مجھے نہیں معلوم کے وہ عراقی فقہاء کون سے ہیں جنہوں نے رشید کو یہ فتویٰ دیا جو ذکر کیا گیا ہے (یعنی کہ شاتم کو کوڑے مارے جائیں گے) اور ہم اہل عراق کا مذہب ذکر کر چکے ہیں کہ شاتم کو قتل کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس نے فتویٰ دیا ہو جو مشہور بالعلم نہ ہو یا اس کے فتویٰ کا اعتبار نہ کیا جاتا ہو یا وہ اس کے ذریعہ اپنی کسی نفسانی خواہش کی طرف مائل ہو یا جو اس نے کہا ہو وہ غیر سب پر محمول ہو اور اس میں اختلاف ہو کہ یہ سب وشتم ہے یا نہیں یا اس نے توبہ کر لی ہو اور لوٹ آیا ہو اور امام مالک کو یہ بادشاہ نے نہ بتایا ہو ورنہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ گستاخ رسول ﷺ کے قتل پر اجماع ہے۔

شیخ ابن تیمیہ اور قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ کے ان اقوال سے یہ معلوم ہو گیا کہ شاتم رسول ﷺ کے کافر اور مستحق قتل ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اس بابت کسی ایسے شخص کا قول مقبول یا لائق التفات نہیں جو زمرہ علماء میں شامل ہونے کے لائق نہیں۔ البتہ اگر ایسا فتویٰ کسی صاحب علم سے مروی ہے تو یقیناً وہ شاتم تائب ہو چکا ہو گا یا اس فرد کے شاتم ہونے میں اختلاف ہو گا ورنہ یہ بات کسی صاحب علم سے بعید ہے کہ وہ قرآن وسنت کی واضح نصوص اور اجماع امت کے انعقاد کے بعد بھی شاتم رسول ﷺ کو نعوذ باللہ مسلمان قرار دے۔

یہاں ہم ایک اہم ترین امر کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ شاتم رسول ﷺ کے کفر پر تو اجماع امت ثابت ہے البتہ کسی امر کے گستاخی و بے ادبی ہونے میں اختلاف ہونا ممکن ہے۔ اس صورت میں فرد کی تکفیر سے اجتناب کیا جائے گا اور نہ ہی من شک فی کفرہ کفر کے تحت اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ اختلاف کی صورت میں تکفیر کرنا صحیح نہیں۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ان المسئلة اذا کانت مختلفا فیها لا یجوز تکفیر المسلم بها

(شرح الفقہ الأکبر: ص:۱۷۷)

جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس میں کسی مسلمان کی تکفیر کرنا جائز نہیں۔

بعض امور صریح ہوتے ہیں کہ ان میں نیت کا جاننا ضروری نہیں ہوتا جیسے کسی ملعون کا نعوذ

باللہ نبی مکرم ﷺ پر زبان طعن دراز کرنا یا سب وشتم کرنا یا دلالت حال اس بات کی نشاندہی کر دیتی ہے کہ یہ عمل توہین یا استخفاف کی نیت سے کیا گیا ہے البتہ بعض اوقات قائل کی نیت کا پوچھنا ضروری ہوتا ہے جیسے بعض فقہاء نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے اسم تصغیر کے استعمال کو تعظیم کی نیت سے یا اہانت کی نیت نہ رکھتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔اسی طرح کئی الفاظ میں اس بات کی قید لگائی ہے کہ اگر یہ بطور اہانت کہے تو کفر ہے ورنہ نہیں جیسے **لا أحب القرع** کہنے کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف کرنا وغیرہ۔بالعموم توہین وتعظیم کا تعلق عرف سے ہوتا ہے۔ممکن ہے کہ ایک لفظ کسی علاقہ میں ادب کے لئے استعمال ہوتا ہو اور وہ ہی لفظ دوسرے علاقے میں سخت توہین کے لئے مستعمل ہو۔اس صورت میں فرد کی نیت وعرف کا اعتبار کیا جائے گا۔اسی لئے اصولیین نے دلالۃ النص کی بحث میں **و لا تقل لهما اف** کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر کسی علاقے میں کلمہ ''اف'' کرامت وتعظیم کے لئے استعمال ہوتا ہو تو وہاں اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا۔اصول الشاشی میں ہے:

> **قال الامام القاضي ابو زيد لو ان قوما يعدون التافيف كرامة لا يحرم عليهم تافيف الابوين۔** (اصول الشاشی:ص:۳۱)
>
> امام قاضی ابو زید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کسی قوم کے لوگ اگر اف کہنے کو بطور کرامت استعمال کرتے ہیں تو ان کے لئے اپنے والدین کے لئے اف کہنا حرام نہیں ہوگا۔

تاہم نبی کریم ﷺ کے لئے ایسا کلمہ استعمال کرنا جو کسی بھی اعتبار سے بے ادبی اور گستاخی کا شائبہ رکھتا ہو اگر چہ اس علاقے وزمانہ کا عرف یا زبان اس کی اجازت بھی دیتی ہو نا مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ''**لا تقولوا راعنا**'' یعنی ''راعنا'' کہنے سے بھی منع فرمایا ہے اگر چہ اہل ایمان اس کو بے ادبی کی نیت سے نہیں کہا کرتے تھے اور نہ ہی یہ ان کی زبان میں بے ادبی کے لئے مستعمل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں ایسے کلمہ کے استعمال بھی منع فرمادیا جس میں ذرا بھی بے ادبی کا شبہ یا امکان بھی پایا جاتا ہو۔

پس یہ بات غیر معین شاتم کے لئے بالکل درست ہے کہ اگر اس کے کفر میں کسی نے شک کیا تو وہ بھی کافر ہے البتہ کسی معین شخص کے بارے میں جب تک یہ بات قطعی طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ وہ شاتم وگستاخ یا کافر ہے (جیسے ابولہب ،سامری ،قارون ،ہامان ،مسیلمہ کذاب وغیرہ) اس کا کافر ہونا اور اس کے کفر میں شک کا کفر ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور علماء کرام:

شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی کا نام محمد بن محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ الحاتمی ہے۔قبیلہ طی سے آپ کا تعلق ہے۔آپ کی کنیت ابو بکر،لقب محی الدین اور معروف نام ابن عربی ہے۔آپ اپنے وقت کے قطب ،صاحب قلب ونظر اور محرم اسرار ربانی تھے۔آپ کی پیدائش سترہ رمضان مبارک سن ۵٦۰ ہجری میں ہوئی۔آپ نے اسفار کے دوران اپنے زمانہ کے اکابر علماء اور صوفیاء سے علم ظاہر اور باطن میں خوب استفادہ کیا اور علم اخلاص وتصوف پر کئی ایک کتب تصنیف فرمائیں۔آپ کی تصنیفات میں دیگر کتب کے علاوہ الفتوحات المکیۃ ،فصوص الحکم اور الجمع والتفصیل فی أسرار معانی التنزیل بہت مشہور ہیں۔آپ کا انتقال ۲۸ ربیع الثانی سن ٦۳۸ ہجری میں ہوا۔اللہ رب العزت نے آپ کو مراقبہ ومشاہدہ کی عظیم قوتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔جس کا آپ علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیفات میں جگہ جگہ اظہار فرمایا ہے۔

کئی ایک علماء ظاہر اور فقہاء نے آپ کی عبارات کو نہ سمجھتے ہوئے آپ کی تکفیر کی اور آپ کی کتب وفکر کے رد میں رسالے تصنیف کئے۔جہاں آپ کی تکفیر کرنے والوں میں بعض اکابرین شامل ہیں اسی طرح آپ کے چاہنے والوں اور حدی خوانوں میں اکثر صوفیاء اور علماء امت نظر آتے ہیں۔ہم اپنے موضوع میں علماء کی ان سے متعلق آراء کا تجزیہ کرنے سے گریز کرتے ہوئے ان کی مدح و مذمت کرنے والے علماء کے اقوال اور اسماء پیش کریں گے تاکہ اس بحث سے ہم اپنے متعلقہ موضوع کے حوالے سے کچھ نتائج اخذ کرسکیں۔

جو ابن عربی کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے؟

(۱) امام شرف الدین اسماعیل ابن مقری شافعی علیہ الرحمۃ وجوہ تکفیر کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أو شک فی تکفیر الیھود و النصاریٰ و طائفۃ ابن عربی۔

(الروض: کتاب الردۃ، الطرف الاول فی حقیقۃ الردۃ)

یا جس نے یہود ونصاریٰ اور ابن عربی کے گروہ کے کافر ہونے میں شک کیا وہ کافر ہے۔

(۲) امام بقاعی لکھتے ہیں:

و قال الامام شرف الدين اسماعيل ابن المقرى فى مختصر الروضة: فمن اعتقد قدم العالم _الى ان قال_ أو شك فى تكفير اليهود و النصارىٰ و طائفة ابن عربى كفر۔

(مصرع التصوف: ج:۱/ص:۳۳)

امام شرف الدین اسماعیل ابن المقری مختصر الروضۃ میں کہتے ہیں کہ پس جس کسی نے عالم کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھا ــــ یا جس نے یہود و نصاریٰ اور ابن عربی کے گروہ کے کافر ہونے میں شک کیا وہ کافر ہے۔

ان دونوں حضرات علماء کرام کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات شیخ اکبر کی تکفیر میں اس قدر شدت سے کام لیتے تھے کہ جو ان کی تکفیر نہ کرے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے یہ اس کو بھی کافر قرار دیتے تھے۔ جبکہ امام بقاعی نے اپنی کتاب مصرع التصوف تالیف ہی ابن عربی کی تکفیر پر کی ہے اور اپنی تفسیر میں کئی ایک مقامات پر انتہائی سخت جملے ابن عربی کے لئے استعمال کئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

وقول ابنٰ عربى أحد اتباع فرعون أكذب و أقبح و أبطل۔

(نظم الدرر فی تناسب الایات والسور: ج:۴/ص:۲۹۶)

ابن عربی کا قول جو کہ (نعوذ باللہ) فرعون کا پیروکار ہے سب سے زیادہ جھوٹا، برا اور باطل ہے۔

(۳) امام ذہبی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں:

ولابن العربي توسع فى الكلام و ذكاء و قوة حافظة و تدقيق فى التصوف و تواليفه جمة فى العرفان ولو لا شطحات فى كلامه و شعره لكان كلمة اجماع و لعل ذلك وقع منه فى حال سكره و غيبته فنرجو له الخير۔　(تاریخ الاسلام: ج:۱۰/ص:۲۶۲)

ابن عربی کے کلام میں توسع ہے، ان مں ذکاوت ہے، قوت حافظہ ہے اورانہیں تصوف میں گہرائی نصیب ہے۔ ان کی کتب عرفان کا خزینہ ہیں۔ اگر ان کے کلام اور شعر میں شطحات نہ ہوتیں تو اس پر اتفاق ہوتا۔ ہو

سکتا ہے کہ یہ عمل ان ۔ سے حالت سکر اور حالت غیبت میں واقع ہوا ہو۔ہم ان کے لئے خیر کی امید رکھتے ہیں۔

جبکہ آپ سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

ومن اردأ تواليفه كتاب "الفصوص"فان كان لا كفر فيه فما في الدينا كفر..... قلت ان كان محي الدين رجع عن مقالاته تلك قبل الموت فقد فاز....و له شعر رائق و علم واسع و ذهن وقادو لا ريب ان كثيرا من عباراته له تاويل الا كتاب الفصوص و قرأت بخط ابن رافع انه ر أى بخط فتح الدين اليعمري انه سمع ابن الدقيق العيد يقول سمعت الشيخ عز الدين و جرى ذكر ابن العربى الطائي،فقال هو شيخ سوء مقبوخ كذاب۔

(سیر اعلام النبلاء:۲۳/ص:۴۸-۴۹)

ان کی سب سے گھٹیا کتاب فصوص الحکم ہے۔اگر اس میں کفر نہیں ہے تو پھر دنیا میں کفر کسے کہا جاتا ہے۔۔۔۔میں یہ کہتا ہوں کہ اگر محی الدین اپنے انتقال سے پہلے اپنی باتوں سے رجوع کرلیا تو وہ کامیاب ہوگئے۔۔۔۔ان کے شعر عمدہ ہیں۔ان کا علم وسیع ہے۔ان کا ذہن بہت تیز ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی اکثر عبارات کی تاویلات ہیں سوائے فصوص الحکم کے۔میں نے ابن رافع کی لکھائی میں دیکھا کہ انہوں نے فتح الدین یعمری کی لکھائی میں دیکھا کہ انہوں نے ابن دقیق العید کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے شیخ عز الدین کو کہتے ہوئے سنا جب ابن عربی طائی کا ذکر ان کے سامنے ہوا کہ وہ برا اور جھوٹا ہے۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ امام ابن مقری، بقاعی ،عز الدین بن عبد السلام اور امام ذہبی شیخ اکبر کی تکفیر کے قائل ہیں۔جبکہ امام ابن مقری اور بقاعی ان کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔امام بقاعی کی کتاب مصرع التصوف کا دوسرا نام "تنبيه الغبي على تكفير ابن عربی" بھی ہے۔

شیخ اکبر اور علماء:

ابن عربی غالباوہ واحد شخص ہیں جن کے بارے میں متعدد متقدمین ومتاخرین کے مابین اختلاف رہا ہے۔کوئی ان کے بارے میں الشیخ الاکبر ،محی الدین اورو یر تقون به الی مدارج الصدیقین کہتا ہے جبکہ کوئی انہیں الشیخ الاکفر ،ممیت الدین اورو ینزلون به الی درکات الزنادقة و الملحدین کے کلمات سے یادکرتا ہے۔امام بقاعی نے تو آپ کی کتاب فتوحات مکیہ کو" القبوحات الهلکیة " کہا ہے۔

مذکورہ بالا علماء کے علاوہ جن علماء نے ان کی تکفیر کی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(۴) **ابوزرعۃ ولی الدین عراقی** کہتے ہیں:

لا شک فی اشتمال الفصوص المشهورة عنه علی الکفر الصریح الذی لا شک فیه و کذلک فتوحاته المکیة فان صح صدور ذلک عنه و استمر الی وفاته فهو کافر مخلد فی النار بلا شک۔ (تنبیہ الغبی :ج:۱/ص:۱۳۵)

اس میں کوئی شک نہیں کہ فصوص الحکم جو ان کی مشہور کتاب ہے صریح کفر پر مشتمل ہے جس میں کسی کو شک نہیں ،یہی حال فتوحات مکیہ کا ہے۔اگر ان کا ان سے صادر ہونا صحیح ثابت ہو جائے اور وہ اس پر وفات تک قائم رہے ہوں تو وہ بلا شک وشبہ کافر ہیں اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۵) **شیخ الاسلام امام زین الدین عراقی** کے حوالہ سے امام بقاعی لکھے ہیں:

و قال شیخ شیوخنا الامام القدوة العارف شیخ الاسلام حافظ عصره الشیخ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی فی کراسة أجاب فیها سؤال من سأله عن بعض کلام ابن عربی هذا :و قوله فی قوم نوح "لا تذرن الهتکم" کلام ضلال و شرک و اتحاد و الحاد۔ (تنبیہ الغبی :ج:۱/ص:۵۲)

ہمارے شیوخ کے شیخ امام مقتدا عارف شیخ الاسلام اپنے زمانہ کے حافظ شیخ زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی اپنی تحریر میں ایک سوال کے جواب

میں فرماتے ہیں جو ان سے ابن عربی کلام کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کا قوم نوح کے بارے میں اس آیت ''لا تذرن الھتکم'' سے متعلق کلام گمراہیت ہے، شرک ہے، اتحاد ہے اور الحاد ہے۔

(۶) **جمال الدین عبد اللہ بن یوسف بن ہشام نحوی صاحب مغنی اللبیب** کے حوالہ سے امام بقاعی لکھتے ہیں:

آپ نے فصوص کے ایک نسخہ پر یہ لکھا:

یہ وہ ہے جس کی گمراہی سے بعد میں آنے والے پہلے والوں کے ساتھ گمراہ ہو گئے ہیں۔ یہ کتاب اندھیروں کی فصوص ہے اور حکمتوں کی ضد ہے۔ امت کو گمراہ کرنے والی ہے۔ یہ کتاب اللہ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جو کچھ لے کر بھیجا تھا اس کی مخالف ہے۔

(تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۶۵ ملخصا)

(۷) امام **سراج الدین بلقینی** اور **ابن حجر عسقلانی** کے حوالہ سے امام بقاعی لکھتے ہیں:

و منهم شيخنا شيخ الاسلام حافظ عصره قاضي القضاة أبو الفضل بن حجر و شيخه شيخ الاسلام سراج الدين عمر بن ارسلان البلقيني فقال في ترجمة ابن الفارض في لسان الميزان بعد أن ذكر ترجمة الذهبي له بانه شيخ الاتحادية و انه ينعق بالاتحاد الصريح في شعره: و قد كنت سألت شيخنا سراج الدين عمر بن رسلان البلقيني عن ابن عربي فبادر بالجواب بانه كافر فسألته عن ابن الفارض فقال: لا أحب أن أتكلم فيه فقلت: ما الفرق بينهما و الموضع واحد؟ و أنشدته من التائية فقطع علي بعد انشادي عدة أبيات بقوله هذا كفر هذا كفر۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۷۶)

اور ان میں ہمارے شیخ، شیخ الاسلام اپنے زمانہ کے حافظ قاضی القضاۃ ابو الفضل بن حجر اور ان کے شیخ شیخ الاسلام سراج الدین عمر بن ارسلان بلقینی

ہیں۔آپ نے ابن الفارض کے ترجمہ میں لسان المیز ان میں امام ذہبی کی ان کے بارے میں رائے ذکر کرنے کے فرمایا کہ وہ اتحادیہ کے شیخ ہیں اور اپنے اشعار میں انہوں نے صراحت کے ساتھ اتحاد پر زور دیا ہے۔میں نے اپنے شیخ سراج الدین عمر بن ارسلان البلقینی سے ابن عربی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ کافر ہے۔میں نے ابن فارض کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا میں اس کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتا۔میں نے پوچھا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ جبکہ موقع تو ایک ہی ہے۔پھر میں نے ابن القارض کی ''التائیۃ'' سے کچھ اشعار ان کے سامنے پڑھے۔آپ نے کئی اشعار کے بعد اس کا اظہار فرمایا کہ یہ کفر ہے اور یہ کفر ہے۔

(۸) **قاضی القضاۃ قدوۃ أھل التصوف امام الشافعیہ بدرالدین بن جماعہ**

(تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۵۳)

(۹) **امام ابوعلی بن خلیل السکوتی۔** (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۳۷۔۱۳۸)

(۱۰) **نادرۃ الزمان علاء الدین محمد بن محمد بن محمد البخاری الحنفی** آپ نے ابن عربی کے رد پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نا''**فاضحة الملحدین و ناصحة الموحدین**'' ہے۔

(تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۸۲)

(۱۱) **العارف عمادالدین احمد بن ابراہیم الواسطی**: آپ نے تین کتابیں اس موضوع پر تصنیف فرمائی ہیں۔**أشعة النصوص فی هتک أستار الفصوص،لوامع الاسترشاد فی الفرق بین التوحید و الالحاد،البیان المفید فی الفرق بین الالحاد و التوحید**

(تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۵۳)

(۱۲) **شہاب الدین احمد بن یحی بن ابی حجلہ التلمسانی الحنفی۔** (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۵۱)

(۱۳) **امام سیف الدین عبداللطیف بن بلبان سعودی صوفی۔** (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۵۱)

(۱۴) **علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الجزری۔** (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۹۶)

(۱۵) **امام ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی۔** (البحر المحیط: ج:۳ /ص:۴۴۹)

(۱۶) **شیخ الاسلام تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی۔** (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۵۷)

(۱۷) علامہ قاضی شرف الدین عیسی بن مسعود الزواوی المالکی۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۵۷۔۱۵۸)

(۱۸) الشیخ الامام الزاہد القدوۃ العارف نورالدین علی بن یعقوب البکری الشافعی۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۵۸۔۱۵۹)

(۱۹) امام نجم الدین محمد بن عقیل البالسی الشافعی۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۶۱)

(۲۰) علامہ شمس الدین محمد العیزری الشافعی۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۶۸)

(۲۱) علامہ شمس الدین ابوعبداللہ الموصلی الشافعی۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۷۰)

(۲۲) شمس الدین محمد بن احمد البسطامی المالکی۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۷۰۔۱۷۱)

(۲۳) علامہ برہان الدین السفاقسی۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۷۶۔۱۷۷)

(۲۴) صاحب المواقف قاضی عضدالدین الایجی۔ (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۸۲)

(۲۵) امام محمد بن احمد بن علی ابوبکر قطب الدین القسطلانی المالکی (تنبیہ الغبی: ج:۱/ص:۱۵۳)

(۲۶) احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام شیخ ابن تیمیہ الحرانی: آپ نے ابن عربی کے رد پر ایک رسالہ "**الرد علی ابن عربی فی دعوی ایمان فرعون**" کے نام سے لکھا ہے۔

(۲۷) امام عبدالسلام بن داؤد بن عثمان الشافعی۔ (الضوء اللامع: ج:۲/۳۲۹)

(۲۸) شمس الدین امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی: آپ کی تصنیف "**القول المنبی عن ترجمة ابن عربی**" ابن عربی کے رد پر لکھی جانے والی تصانیف میں سب سے زیادہ جامع ہے۔

(۲۹) امام عماد منصور کازرونی شافعی۔ (القول المنبی عن ترجمۃ ابن عربی: ص:۴)

(۳۰) علامہ جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر ابن الحاجب المالکی (القول المنبی عن ترجمۃ ابن عربی: ص:۱۵۰)

(۳۱) امام ملا علی القاری: آپ نے وحدت الوجود اور ابن عربی کے رد میں کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ جس کا نام "**مرتبة الوجود و منزلة الشهود**" ہے۔

مذکورہ بالا دو درجن سے زائد اکابرین کے علاوہ بھی کئی ایک ایسے علماء ہیں جنہوں نے ابن عربی کی تکفیر کی ہے۔ علماء کی درج کردہ عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابن عربی کی تکفیر میں انتہائی سختی کرتے تھے بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک کہا کہ اگر کوئی ان کے کفر میں شک کرے تو بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں

(۳۲) جمال الدین بن الخیاط کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابن عربی سے متعلق کچھ سوالات لکھے اور عالم اسلام کے علماء کو ارسال کر دیئے۔اس استفتاء میں کیونکہ اجماع امت کے خلاف اور قبیح عقائد ابن عربی کی طرف منسوب تھے اسی لئے علماء نے ابن عربی کا بھرپور رد کیا۔

(الیواقیت والجواھر:الجزءالاول:ص:۱۰)

بکثرت علماء نے ابن عربی کی تکفیر کی ہے اور اس موضوع پر کئی ایک تصانیف بھی موجود ہیں۔اب ہم کچھ کتابوں کے نام ذکر کریں گے جو ابن عربی کے رد میں لکھی گئی ہیں۔

شیخ اکبر کے رد میں لکھی جانے والی کتب:

۱) کتاب الارتباط:
محمد بن احمد بن علی القسطلانی المالکی (القول المنبی :ص:۱۶۴)

۲) نصیحة صریحة من قریحة صحیحة فی المنع من الدعوی و الشطح:
امام قسطلانی (القول المنبی :ص:۱۶۴)

۳) البیان المفید فی الفرق بین الالحاد و التوحید:
احمد بن ابراہیم عماد الدین الواسطی (القول المنبی :ص:۱۷۷)

۴) لوامع الاسترشاد فی الفرق بین التوحید و الالحاد:
احمد بن ابراہیم عماد الدین الواسطی (القول المنبی :ص:۱۷۷)

۵) أشعة النصوص فی هتک أستار الفصوص:
احمد بن ابراہیم عماد الدین الواسطی (القول المنبی :ص:۱۷۷)

۶) بیان حکم ما فی الفصوص من الاعتقادات المفسودة و الاقوال الباطلة المردودة:
عبداللطیف بن عبداللہ السعودی (القول المنبی :ص:۲۲۹)

۷) تسورات النصوص علی تهورات الفصوص:
محمد بن محمد العیزری (القول المنبی :ص:۵)

۸) کشف الظلمة عن هذه الامة:
محمد بن ابن نور الدین الخطیب (القول المنبی :ص:۹۷)

۹) النصیحة: اسماعیل بن ابی بکر بن عبداللہ المقری (القول المنبی :ص:۵۳)

۱۰) فاضحة الملحدین و ناصحة الموحدین:
محمد بن محمد علاؤالدین البخاری (القول المنبی :ص:۳۱۵)

۱۱) کشف الغطاء عن حقیقة التوحید:
حسین بن عبدالرحمٰن بن محمد الأهدل (کشف الظنون : ج:۲:ص:۱۴۹۱)

۱۲) تنبیه الغبی علی تکفیر ابن عربی:
ابراهیم بن عمر البقاعی

۱۳) تحذیر العباد من أهل العناد ببدعة الاتحاد:
ابراهیم بن عمر البقاعی (کشف الظنون :ج:۱/ص:۳۵۵)

۱۴) تهدیم الارکان:
ابراهیم بن عمر البقاعی (کشف الظنون :ج:۱/ص:۴۰۸)

۱۵) القول المنبی عن ترجمۃابن عربی:
محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی

۱۶) تسفیه الغبی فی تکفیر ابن العربی:
ابراهیم بن محمد الحلبی (کشف الظنون :ج:۱/ص:۴۰۴)
آپ نے یہ کتاب حافظ سیوطی کے رد میں لکھی تھی۔

۱۷) نعمة الذریعة فی نصرة الشریعة :
ابراهیم بن محمد الحلبی (کشف الظنون :ج:۲/ص:۱۲۶۱)

۱۸) تنزیه الکون عن اعتقاد اسلام فرعون:
محمد بن محمد الغمری (کشف الظنون :ج:۱/ص:۴۹۵)

۱۹) مرتبة الوجود و منزلة الشهود:
ملاعلی القاری

۲۰) حجة السفرة البررة علی المبتدعة الفجرة الکفرة:
منصور عماد الدین الکازرونی

مذکورہ کتب کے علاوہ بھی کئی ایک کتب ہیں جو ابن عربی کے رد میں لکھی گئی ہیں۔اس تمام بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تکفیر اور رد میں علماء کے ایک گروہ نے بہت شدت اختیار کی ہے۔تاہم علماء کی اس شدت اور فتاویٰ تکفیریہ کے باوجود متعدد اکابر علماء وصوفیاء ابن عربی کے معتقد رہے ہیں۔اب ہم ان میں سے چند ایک کے اسماء ذکر کریں گے اور آخر میں اپنا تجزیہ پیش کریں گے۔

شیخ اکبر اور ان کی تکفیر نہ کرنے والے علماء کرام:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نابغۂ روزگار اور اپنے عہد کی وہ عظیم روحانی ہستی ہیں جن کا فیض ان کے وصال کے بعد آج بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔آپ کے معتقدین اور فیض حاصل کرنے والوں میں اکابر اولیاء وعلماء ہیں جن کی ولایت اور علیمت تمام اہل علم کے مابین مسلمہ ہے۔(۱) **حضرت امام جلال الدین سیوطی** رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ان اکابرین میں ہوتا ہے۔آپ نے امام بقاعی کی کتاب "**تنبیہ الغبی علی تکفیر ابن عربی**" کے رد میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور اس کا نام "**تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی**" رکھا۔اس رسالہ میں آپ نے ابن عربی کا خوب دفاع کیا ہے اور ان کے حدی خوانوں کے اسماء کے ذکر کے ساتھ ابن عربی کی کرامات کا بھی ذکر کیا ہے۔آپ اس رسالہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

قد اختلف الناس قديما و حديثا في ابن عربي :

۱. ففرقة تعتقد ولايته،و هي المصيبة .و من هذه الفرقة الشيخ تاج الدين بن عطاء الله من ائمة المالكية و الشيخ عفيف الدين اليافعي من أئمة الشافعية .فهما بالغا في الثناء وو صفاه بالمعرفة.

۲. و فرقة تعتقد ضلاله و منهم طائفة كبيرة من الفقهاء .

۳. و فرقة شكت في أمره و منهم الحافظ الذهبي في الميزان

۴. و عن الشيخ عز الدين بن عبد السلام :

أ. الحط عليه.

ب. و وصفه بأنه القطب.

و الجمع بينهما :ما اشار اليه تاج الدين بن عطاء الله فى لطائف المنن:ان الشيخ عز الدين بن عبد السلام كان فى اول امره على طرقة الفقهاء من المسارعة الى الانكار الصوفية فلما حج الشيخ أبو الحسن الشاذلى و رجع جاء الى الشيخ عز الدين قبل أن يدخل بيته و أقرأه السلام من النبى صلى الله عليه واله وسلم فخضع الشيخ عز الدين لذلك و لزم مجلس الشاذلى من حينئذ و صار يبالغ فى الثناء على الصوفية لما فهم طريقتهم على وجهها .و صار يحضر معهم مجالس السماع .و قد سئل شيخنا شيخ الاسلام بقية المجتهدين شرف الدين المناوى عن ابن عربى فأجاب بما حاصله:ان السكوت عنه اسلم و هذا هو اللائق بكل ورع يخشى على نفسه و القول الفصل عند ى فى ابن عربى طريقة لا يرضاها فرقتا اهل العصر لا من يعتقده و لا من يحط عليه و هى:اعتقاد ولايته و تحريم النظر فى كتبه۔

(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۱۔۲)

خلاصہ: متقدمین اورمتاخرین میں ابن عربی کے حوالہ سے اختلاف پایاجاتا ہے۔

ایک گروہ تو وہ ہے جو ابن عربی کی والیت کا قائل ہے اور یہ مصیبت ہے۔اس گروہ میں فقہ مالکیہ کے اماموں میں سے (۲) **شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ** اورشوافع کے ائمہ میں سے(۳) **شیخ عفیف الدین یافعی** شامل ہیں۔یہ دونوں حضرات ابن عربی کی بہت زیادہ تعریف کی ہے اور انہیں معرفت حق کا حامل بتایا ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جوان کی گمراہیت ا قائل ہے۔اس گروہ میں فقہاء کا ایک بڑا گروہ شامل ہے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے ان کے معاملہ میں شک سے کام لیا ہے۔ان میں حافظ ذہبی ہیں۔

جہاں تک (۴) عز الدین بن عبد السلام کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں دو آراء ہیں۔

۱۔ وہ ابن عربی کا رد کرنے والوں میں سے ہیں۔

۲۔ وہ ابن عربی کو قطب سمجھتے ہیں۔

ان دونوں باتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے جس کی طرف شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے لطائف المنن میں اشارہ فرمایا ہے کہ شیخ عز الدین بن عبد السلام پہلے صوفیاء کے رد میں جلدی کرنے میں فقہاء کے طریقہ پر تھے۔ جب (۵) امام ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ حج سے واپس تشریف لائے تو شیخ عز الدین کے پاس اپنے گھر جانے سے قبل گئے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ ولاہ وسلم کا سلام پیش کیا۔ شیخ عز الدین اس وجہ سے نرم پر گئے اور امام ابوالحسن شاذلی کی صحبت کو لازم پکڑ لیا۔ صوفیاء کے طریقہ کو سمجھنے کے بعد انہوں نے صوفیاء کی بہت زیادہ تعریف شروع کردی اور ان کے ساتھ مجالس سماع میں شرکت شروع کردی۔

ہمارے (۶) **شیخ، شیخ الاسلام، بقیۃ المجتہدین شرف الدین مناوی** سے ابن عربی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جو ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنے میں زیادہ سلامتی ہے اور یہی ہر متقی اور اپنے نفس کے بارے میں ڈرنے والے شخص کے لئے بہتر ہے۔

میرے نزدیک قول فیصل ایسا ہے جس سے دونوں فرقہ راضی نہیں ہوں گے۔ نہ ان کی معتقدین اور نہ ہی ان کا رد کرنے والے، اور وہ یہ ہے کہ ان کی ولایت کا اعتقاد رکھنا اور ان کی کتب میں نظر کو حرام سمجھنا۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی اس تحریر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ خود ابن عربی کی ولایت اور قطبیت کے قائل تھے۔ سابقہ اوراق میں شیخ عز الدین کے حوالہ سے جو باتیں ہم نے ذکر کی تھیں جلال الدین سیوطی کی ان تصریحات سے ان کا رجوع معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ فرماتے ہیں:

و قد أثنى عليه جماعة منهم:

قال الشيخ العارف صفي الدين بن ابى منصور في رسالته: رايت بدمشق الشيخ الامام الوحيد ،العالم العامل :محى الدين بن عربى و كان من اكبر علماء الطريق ،جمع بين سائر العلوم الكسبية و ما قرء من العلوم الوهبية۔

(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۳)

ابن عربی کی تعریف ایک جماعت نے کی ہے ان میں ہیں:

(۷) **شیخ عارف صفی الدین بن ابی منصور** اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں میں نے دمشق میں امام وحید، عالم، عامل، دین کو زندہ کرنے والے شیخ ابن عربی کو دیکھا۔ آپ علمائے طریقت میں سے سب سے بڑے عالم تھے۔ اور آپ نے تمام علوم کسبی اور وہبی کو جمع کر دیا تھا۔

(۸) **عارف کبیر علامہ حافظ امام شیخ عبدالغفار القوصی**: آپ نے اپنی کتاب "**الوحید فی سلوک اهل التوحيد**" میں ابن عربی کی کئی ایک کرامات کا ذکر کیا ہے۔

(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۳)

شیخ عز الدین بن عبدالسلام کے خادم نے آپ سے عرض کی:

أنت وعدتني ان تريني "القطب" فقال له: ذلك هو "القطب" و أشار الى ابن عربى و هو جالس و الحلقة عليه۔

(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۴)

آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے قطب دکھائیں گے۔ آپ نے فرمایا: قطب وہ ہیں اور ابن عربی کی طرف اشارہ کیا جبکہ وہ تشریف فرما تھے اور ان کے گرد حلقہ لگا ہوا تھا۔

(۹) **امام یافعی** "الارشاد" میں فرماتے ہیں:

اجتمع الشيخان الامامان العارفان المحققان الربانيان: الشيخ شهاب الدين السهروردى و الشيخ محى الدين بن عربى

ـرضی الله عنهما ـفأطرق كل واحد منهما ساعة ثم افترقا من غير كلام فقيل لابن عربی :ما تقول فی الشيخ شهاب الدين؟قال :مملوء سنة من قرنه الى قدمه،فقيل للسهروردی ما تقول فی الشيخ محی الدين؟فقال بحر الحقائق.

(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۵)

دوشیخ،ربانی امام،عارف،(۱۰)**محقق شیخ شہاب الدین سہروردی** اور شیخ محی الدین بن عربی رضی اللہ عنہما ایک جگہ جمع ہوئے۔ان دونوں کا لمحہ بھر کے لئے ٹکراؤ ہوا اور پھر بات کئے بغیر جدا ہو گئے۔ابن عربی سے کہا گیا کہ شیخ شہاب الدین کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟آپ نے فرمایا وہ سرتا پا سنت میں غرق ہے۔پھر شیخ شہاب الدین سے پوچھا گیا کہ آپ شیخ محی الدین کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا:وہ حقائق کا سمندر ہیں۔

و قد مدحه طائفة ،و عظمه طائفة من شيوخ الطريقة و علماء الحقيقة ... كالشيخ الحريری و الشيخ نجم الدين الاصبهانی و الشيخ تاج الدين ابن عطاء الله و غيرهم ممن يكثر عددهم و يعلو مجدهم و طعن فيه طائفة لا سيما من الفقهاء۔

(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۵)

ابن عربی کی تعریف ایک جماعت نے کی ہے اورشیوخ طریقت وعلمائے حقیقت نے ان کی تعظیم کی ہے۔۔۔۔۔جیسے(۱۱) **شیخ حریری** اور (۱۲) **شیخ نجم الدین اصبہانی** اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ ۔ان کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں صاحب مجد علماء ان کے مداح ہیں۔علماء کے ایک گروہ نے ان پر طعن بھی کیا ہے جن میں خاص طور پر فقہاء شامل ہیں۔

(۱۳) علامہ **قاضی القضاۃ شرف الدین البارزی** (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۶)

(۱۴) **الحافظ محب الدین بن النجار** (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۶)

(۱۵) **قاضی القضاۃ العلامہ سراج الدین الھندی الحنفی** (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۶)

(۱۶) الشیخ ولی الدین محمد بن احمد الملوی الشافعی (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۷)

(۱۷) الشیخ بدر الدین احمد بن الشیخ شرف الدین محمد بن فخر الدین بن الصاحب بن حنا
(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۷)

(۱۸) الشیخ شمس الدین محمد بن ابراہیم بن یعقوب المعروف بہ شیخ الوضوء
(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۷)

ان کا ذکر امام ابن حجر عسقلانی نے ''انباء الغمر'' میں کیا ہے اور ان کے بارے تعریفی کلمات لکھتے ہوئے آپ کہتے ہیں:

قیل لہ شیخ الوضوء لأنہ کان یطوف علی المطاھر فیعلم العامۃ الوضوء و کان یعاب بالنظر فی کلام ابن عربی....و ان التاج السبکي یثنی علیہ و سلک مع ذلک طریق التصوف۔

(انباء الغمر بابناء العمر:۱/ص:۱۳۳)

انہیں شیخ الوضو کہا جاتا ہے کیونکہ آپ طہارت خانوں میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو وضو کرنا سکھاتے تھے۔ابن عربی کے کلام میں غور وفکر کی وجہ سے ان کو عیب دار کہا جاتا تھا۔تاج الدین سبکی ان کی تعریف کرتے تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ تصوف میں سلوک بھی طے کیا ہے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے شیخ الوضوء کی تعریف کی ہے اور ابن عربی سے تعلق کی وجہ سے ان کی تکفیر نہیں کی۔اسی طرح سے امام تاج الدین سبکی نے بھی ان کی ثناء کی ہے۔

(۱۹) ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ التوزری المغربی (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۷)

(۲۰) الشیخ نجم الدین الباھی (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۷)

(۲۱) شمس الدین محمد بن احمد الصوفی المعروف بہ لبن نجم (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۷)

(۲۲) الشیخ اسماعیل بن ابراھیم الجبرتی ثم الزبیدی (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۸)

(۲۳) العلامۃ مجد الدین الشیرازی صاحب القاموس (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۸)

ان کے بارے میں امام ابن حجر فرماتے ہیں:

صار الشيخ مجد الدين يدخل في شرح البخاری من كلام ابن العربی فی الفتوحات۔ (انباء الغمر :ج:۱/ص:۴۱۸)

شیخ مجد الدین نے بخاری کی شرح میں ابن عربی کے کلام کوفتوحات سے نقل کیا ہے۔

(۲۴) **علاء الدین ابوالحسن بن سلام الدمشقی الشافعی** (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۸)

(۲۵) **قاضی القضاۃ شمس الدین البساطی المالکی** (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۸)

(۲۶) **الشیخ تقی الدین ابوبکر بن ابی الوفاء القدسی الشافعی** (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۸)

(۲۷) **الشیخ یوسف الامام الصفدی** (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۸)

(۲۸) **الشیخ زین الدین الخافی** (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی:ص:۸)

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ (۲۹) **شیخ کمال الدین بن زملکانی** کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے شیخ اکبر کے بارے میں کہا:

هو البحر الزاخر في المعارف الالهية (لسان المیزان:ج:۴/ص:۴۵۱)

وہ معارف الٰہیہ کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر ہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ (۳۰) **القطب السرمین** کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے ابن عربی کے صاحبزادے کے ترجمہ میں ذکر کیا:

كان والده من كبار المشايخ العارفين۔

(لسان المیزان:ج:۴/ص:۴۵۱)

ان کے والد معرفت رکھنے والے مشائخ کبار مشائخ میں سے تھے۔

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ (۳۱) **امام یبلغا بن عبد اللہ السالمی الظاهری** کے بارے میں فرماتے ہیں:

و كان يبالغ في حب ابن عربي و غيره من اهل طريقته و لا يؤذي من ينكر عليه۔ (انباء الغمر بابناء العمر ج:۱/ص:۳۵۴)

آپ ابن عربی اور دوسرے اہل طریقت سے بہت محبت کرتے تھے۔آپ اس کوتکلیف نہیں دیتے تھے جوآپ کا رد کرتا تھا۔

امام ابن حجر عسقلانی شیخ (۳۲) **عبد العزیز بن ابی الفارس** کے بارے میں فرماتے ہیں:

فنقل عن الرضی الشاطبی ان عبد العزیز هذا کان من أتباع ابن عربی۔ (الدرر الکامنۃ: ج:۱/ص:۳۱۴)

رضی شاطبی سے منقول ہے کہ عبد العزیز ابن عربی کے پیروکار میں سے ہیں۔

امام سخاوی (۳۳) **احمد بن احمد بن محمد بن عیسی الشهاب البرنسی المغربی الفاسی المالکی** کے بارے میں فرماتے ہیں:

احمد بن احمد بن محمد بن عیسی الشهاب البرنسی المغربی الفاسی المالکی.......و الغالب علیه التصوف و المیل فیما یقال الی ابن عربی ونحوه۔ (الضوء اللامع: ج:۱/ص:۱۴۱)

احمد بن احمد بن محمد بن عیسی الشهاب البرنسی المغربی الفاسی المالکی۔۔۔۔ان پر تصوف غالب تھا اور ابن عربی کے بارے میں جو کہا جاتا ہے آپ اس کی طرف مائل تھے۔

ان کے علاوہ بھی امام ابن حجر اور امام سخاوی علیہما الرحمۃ نے کئی ایک اکابرین کا ذکر کیا ہے جو ابن عربی کے معتقد اور خوشہ چیں گزرے ہیں۔امام سخاوی اگر چہ ابن عربی کے مخالفین میں ایک مقام رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کے ان مذکورہ معتقدین کی تکفیر نہیں کی۔

(۳۴) **امام عبد الوهاب بن احمد الشعرانی**: آپ نے شیخ اکبر کی تصانیف کا خلاصہ بھی کیا ہے اور ان کی تائید میں بہت لکھا بھی ہے۔اس بارے میں ان کی کتاب **"الیواقیت والجواهر"** بہت مشہور ہے۔آپ **شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس** کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ نے ابن عربی کے بارے میں فرمایا:

لم یبلغنا عن احد من القوم انه بلغ فی علم الشریعة و الحقیقة ما بلغ الشیخ محی الدین ابدا و کان یعتقد غایة الاعتقاد و ینکر علی من أنکر علیه و یقول لم یزل الناس منکبین علی الاعتقاد فی الشیخ۔ (الیواقیت والجواهر: الجزء الاول: ص:۱۰)

ہماری معلومات کے مطابق کبھی بھی کوئی علم شریعت اور حقیقت میں شیخ محی

الدین کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سُکا۔امام شعرانی فرماتے ہیں کہ وہ آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے اور جو ابن عربی کا رد کرتا اس کا رد کرتے ۔آپ فرماتے تھے کہ ہر دور میں لوگ شیخ کے کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔

شیخ مجد الدین نے ابن عربی کے دفاع میں ''**الاغتباط بمعالجة الخياط** '' کے نام سے ان کے مخالفین کے رد میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے۔(القول المنبی :ص:۵۳)

امام شعرانی فرماتے ہیں:

و كان الشيخ سراج الدين المخزومي شيخ الاسلام بالشام يقول :اياكم و الانكار على شئ من كلام الشيخ محى الدين فان لحوم لاولياء مسمومة و هلاک اديان مبغضهم معلومة و من ابغضهم تنصر و مات على ذلک و من أطلق لسانه فيهم بالسب ابتلاه الله بموت القلب۔ (الیواقیت والجواہر:الجزء الاول:ص:۱۱)

شام کے شیخ الاسلام ،(۳۵) **شیخ سراج الدین مخزومی** فرمایا کرتے تھے کہ تمہیں چاہیے کہ تم شیخ محی الدین کی باتوں پر اعتراض کرنے سے بچو۔بے شک اولیاء کے لحوم زہر آلود ہوتے ہیں۔ان سے بغض رکھنے والوں کے دین کا ہلاک ہو جانا معلوم ہے۔جو ان سے بغض رکھے گا وہ نصرانی ہوکر مرے گا۔جس نے ان پر اپنی زبان سب وشتم دراز کی اللہ تعالیٰ اسے دل کی موت میں مبتلا فرمادے گا۔

آپ نے ان کی ابن عربی کے دفاع میں ایک تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام ''**كشف الغطاء عن اسرار كلام الشيخ محى الدين** ''ہے۔امام شعرانی شیخ مخزومی سے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ(۳۶) **شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی** اور(۳۷) **شیخ تقی الدین السبکی** نے ابن عربی کی تکفیر سے رجوع کرلیا تھا۔(الیواقیت والجواہر:الجزء الاول:ص:۱۳۔۱۴۔۱۵)

امام شعرانی فرماتے ہیں:

و ممن اثنى عليه أيضا الشيخ كمال الدين الزملكاني رحمه الله تعالىٰ و كان من اجل علماء الشام و كذلک الشيخ قطب

الدین الحموی و قیل له لما رجع من الشام الی بلاده کیف وجدت الشیخ محی الدین فقال: وجدته فی العلم و الزهد و المعارف بحرا زاخرا لا ساحل له۔

(الیواقیت والجواھر: الجزء الاول: ص: ۱۱)

جن لوگوں نے ان کی تعریف کی ہے ان میں **شیخ کمال الدین زملکانی** رحمہ اللہ بھی ہیں جو شام کے اجل علماء میں سے ہیں۔ اسی طرح (۳۸) **شیخ قطب الدین حموی** نے بھی ان کی تعریف فرمائی ہے۔ جب وہ شام سے اپنے ملک پہنچے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا: میں نے ان کو علم، زہد و معارف کا ایسا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر پایا جس کا کوئی ساحل نہ ہو۔

آپ فرماتے ہیں:

و ممن اثنی علیه أیضا الشیخ قطب الدین الشیرازی و کان یقول: ان الشیخ محی الدین کان کاملا فی العلوم الشرعیة و الحقیقیة۔ (الیواقیت والجواھر: الجزء الاول: ص: ۱۱۔۱۲)

اور جن لوگوں نے ابن عربی کی تعریف کی ہے ان میں (۳۹) **قطب الدین شیرازی** بھی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: بے شک شیخ محی الدین علوم شرعیہ و حقیقیہ میں کامل تھے۔

آپ نے (۴۰) **امام نووی** علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ ابن عربی کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں توقف فرماتے تھے اور لوگوں کو اولیاء کی غیبت سے منع کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے جن علماء کا آپ کے ثناء خوانوں میں ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۴۱) **الشیخ کمال الدین الکاشی** (۴۲) **الشیخ الامام فخر الدین الرازی**

(۴۳) **امام ابن سعد ایافعی** (۴۴) **شیخ المشایخ محمد المغربی الشاذلی**

(۴۵) **قاضی القضاۃ الشیخ شمس الدین الخونجی الشافعی** (الیواقیت والجواھر: الجزء الاول: ص: ۱۲۔۱۳)

(۴۶) **امام علی بن احمد بن علی بن احمد الہندی مکی حنفی**: امام سخاوی علیہ الرحمۃ نے ابن عربی کے دفاع

میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا نام "**امحاض النصیحة الصحیحة عن أمر اض باطل النصیحة النطیحة**" ہے۔(القول المنبی :ص:۵۳)

(۴۷) **امام سراج عمر بن موسیٰ الحمصی لقاهری الشافعی**:امام سخاوی علیہ الرحمۃ نے ابن عربی کی حمایت میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا نام "**کشف الغطاء بالنور الوهبی عن اسرار جواهر ابن العربی**" ہے۔(القول المنبی :ص:۵۳)

(۴۸) **الشیخ المحقق امام عبدالغنی النابلسی**: آپ نے جواهر النصوص کے نام سے فصوص الحکم کی شرح بھی لکھی ہے۔آپ نے اپنی شرح میں ابن عربی کے لئے **بحر المعارف الالهیة ،ترجمان العلوم الربانیة ،الشیخ الاکبر ،القطب الافخر،محی الدین** جیسے القابات تحریر فرمائے ہیں۔(جواهر النصوص:ج:۱/ص:۳۵)

آپ نے شیخ اکبر پر ہونے والے اعتراضات کے جواب میں ایک کتاب بنام"**الرد المتین علی منتقص العارف محی الدین**" بھی تصنیف فرمائی ہے۔(ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۷۹)

(۴۹) **شیخ صدر الدین محمد بن اسحاق القونوی**:آپ شیخ اکبر کی زوجہ کے صاحبزادے ہیں۔آپ نے فصوص کی شرح بھی تحریر فرمائی ہے جس کا نام"**الفکوک فی مستندات حکم الفصوص**" ہے۔

(۵۰) **امام شیخ داود بن محمود القیصری**:آپ نے بھی فصوص کی شرح"**مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم**" کے نام سے کی ہے۔ان کے علاوہ جن لوگوں نے فصوص کی شرح کی ہے ان میں درج ذیل نام مشہور ہیں:

(۵۱) **صائن الدین علی بن محمد الترکہ**،(متوفی:۸۳۵ھ)

(۵۲) **الشیخ مصطفیٰ بالی زادہ آفندی** (متوفی:۱۰۶۹ھ)

(۵۳) **امام العلماء الشیخ عبدالرحمٰن الجامی** (متوفی:۹۸۸ھ)

(۵۴) **الشیخ مؤید الدین الجندی** (متوفی:۶۹۱ھ)

(۵۵) **امام ابن حجر ہیتمی الشافعی** بھی آپ کے محبین میں سے ہیں۔آپ سے جب شیخ اکبر اور ابن الفارض کی کتب کے مطالعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

حکمها انها جائزة مطالعة کتبهما بل مستحبة فکم اشتملت

تلک الکتب علی فائدۃ لا توجد فی غیرھا۔

(الفتاویٰ الحدیثیۃ:ص:۳۸۹)

ان کی کتب کے مطالعہ کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی کتب کا مطالعہ کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ان کی کتب کئی ایک ایسے فوائد پر مشتمل ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتے۔

آپ نے ابن عربی کے حوالے سے ایک کتاب ''**شذرۃ من ذھب من ترجمۃ سید طی العرب**'' بھی تحریر فرمائی ہے۔

(۵۶) **محقق ابن کمال باشا** نے اپنے ایک فتویٰ میں ارشاد فرمایا:

ولہ مصنفات کثیرۃ :منھا فصوص حکمیۃ و فتوحات مکیۃ بعض مسائلھا مفھوم النص و المعنی و موافق للأمر الالھي الشرع النبوی(علی صاحبہ الصلاۃ و السلام)و بعضھا خفی عن ادراک أھل الظاھر دون أھل الکشف و الباطن و من لم یطلع علی المعنی المرام یجب علیہ السکوت فی ھذا المقام و لقولہ تعالیٰ: و لا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع و البصر و الفؤاد کل اولئک کان عنہ مسؤولا(الاسراء۱۷ :۳۶)

(ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۸۰)

آپ کی بہت ساری کتابیں ہیں۔ان میں سے فصوص اور فتوحات بھی ہیں۔ان میں ذکر بعض مسائل اپنے متن اور معنی کے اعتبار سے سمجھ میں آتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شریعت الٰہیہ کے امر کے موافق ہیں۔جبکہ بعض مسائل ایسے ہیں جو اہل ظاہر کے ادراک سے چھپے ہوئے ہیں۔سوائے اہل کشف اور اہل باطن کے۔جو اس کے معنی مطلوبہ کو نہ پہنچ سکے اس پر واجب ہے کہ وہ اس مقام میں سکوت اختیار رکھے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ''اور تو اس بات کی پیروی نہ کر جس کا تجھے علم نہیں، بیشک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کی باز پرس ہوگی۔''

(۵۷) **خاتمۃ المحققین السید ابن عابدین الشامی** دیگر فقہاء وصوفیاء کے کلمات ان کی مدح میں نقل کرتے ہوئے خود ان کے لئے فرماتے ہیں:

ھو محمد بن علی بن محمد الحاتمی الطائی الاندلسی العارف الکبیر ابن عربی۔ (ردالمحتار: ج:۶/ص:۳۷۸)

وہ محمد بن علی بن محمد حاتمی طائی اندلسی عارف کبیر ابن عربی ہیں۔

(۵۸) **علامہ حصکفی** نے بھی آپ کی مدح فرمائی ہے۔ (درمختار: ج:۶/ص:۳۷۸)

(۵۹) **سید علی بن میمون المغربی** (متوفی ۹۱۷ھ): آپ نے ابن عربی کے بارے میں "**مناقب ابن عربی**" کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ (کشف الظنون: ج:۲/ص:۱۸۳۵)

(۶۰) **الشیخ جمال الدین آفندی**: آپ نے ابن عربی کے دفاع میں اسحاق الحکیم الطبیب کے رد میں "**رسالۃ اشراقیۃ فی دفع ظلمات الاسحاقیۃ**" تصنیف فرمائی۔ (کشف الظنون: ج:۱/ص:۸۶۴)

(۶۱) **امام ربانی مجدد الف ثانی احمد سرہندی** رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ اکبر کی ولایت کے قائل ہیں۔ حضرت کے مکتوبات میں سے بالخصوص دفتر دوم کے مکتوب اول میں وحدت الوجود کی بحث کی گئی ہے۔ جس میں آپ نے ابن عربی کو متاخرین صوفیاء کا امام اور مقتدا تحریر فرمایا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی: ج۲/ص:۲۳)

(۶۲) **اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی پیر سید مہر علی شاہ** رحمہ اللہ: شیخ اکبر سے شدید محبت رکھنے والے تھے۔ آپ کی تصنیفات اور ملفوظات میں متعدد مقامات پر شیخ اکبر کی تالیفات کے حوالہ جات نظر آتے ہیں۔ ہندوستان میں آپ کے وقت سے لے کر تا حال کوئی شخص ابن عربی کی کتب کی کما حقہ تفہیم کرنے والا نظر نہیں آتا۔

سابقہ اوراق میں ہم نے اختصار کے ساتھ ان حضرات علماء واولیاء کے اسماء کے ذکر کئے ہیں جن کا شمار شیخ اکبر کے معتقدین، ثنا خوانوں اور ان کی تکفیر نہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے کئی کتب کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ کے دفاع میں علماء کی طرف سے لکھی گئی ہیں۔ جبکہ اس سے قبل ہم ابن عربی کی تکفیر کرنے والے علماء اور ان کے رد میں ان کی تصانیف کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ اب ہم اس بحث کے بعد اپنے موضوع سے متعلق اپنا تجزیہ پیش کریں گے۔

تجزیہ:

ہم نے سابقہ اوراق میں شیخ اکبر کی تکفیر کرنے والے علماء اور اس کے بعد ان کے معتقدین کا اجمالا ذکر کیا ہے۔ ہم اس کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں اس بحث سے ہمارا مقصد ابن عربی کا رد، علماء کے نزدیک ان کے کفر کی وجوہات کا بیان یا ان کا دفاع کرنا نہیں ہے تاہم یاد رہے کہ راقم الحروف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت و مودت کرنے والوں میں سے ہے۔ ہم نے اس تمام بحث کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ علماء کے حضرت سے متعلق مختلف رویوں کی روشنی میں ہم کچھ نتائج اخذ کریں تا کہ مسئلہ اکفار اور ''من شک فی کفرہ کفر'' کو سمجھنا مزید آسان ہو جائے۔

کیا شیخ اکبر کے کافر ہونے میں شک کرنا کفر ہے؟

شیخ اکبر کے بارے میں امام ابن مقری اور امام بقاعی نے بڑی صراحت سے کہا ہے کہ ان کے کافر ہونے میں یا ان کے معتقدین کے کفر میں شک کرنا کفر ہے۔ ہمارے نزدیک ان دونوں بزرگ حضرات نے شیخ اکبر سے متعلق اپنے موقف کے بیان میں انتہائی شدت سے کام لیا ہے اور آپ کی تکفیر میں نہایت ہی مبالغہ کیا ہے۔ وہ امر جو قطعی طور پر کفر ہو یا جس کا کفر ہونا اجماع امت سے ثابت ہو یقیناً اس کو کفر نہ سمجھنا بھی کفر ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا علیہ الصلاۃ والسلام۔ لیکن جب اس کا انطباق کسی شخصیت پر کیا جائے گا تو اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ یہ عمل اپنے ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی ہے یا نہیں۔ یعنی اس شخص سے اس عمل کا ثابت ہونا قطعی طور پر ہو نیز اس کے معنی کی کوئی تاویل بھی ممکن نہ ہو۔ مثلاً توہین رسالت بلا شک وشبہ کفر ہے جو شخص شاتم رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کافر نہ سمجھے وہ خود کافر ہے۔ البتہ جب کسی شخص پر توہین رسالت کا مقدمہ قائم کیا جائے تو اس میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ اس کا طرز عمل یا اس کا جملہ و عبارت توہین پر مبنی ہے یا نہیں۔ ہم سابقہ اوراق میں اس کی ایک مثال قاضی عیاض مالکی کی شفا شریف سے دے چکے ہیں۔ حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ بعض اہل عراق کے ایک فتویٰ کے بارے مین فرماتے ہیں:

ولا أدري من هؤلاء الفقهاء بالعراق الذين أفتوا الرشيد بما ذكر

و قد ذكرنا مذهب العراقيين بقتله و لعلهم ممن لم يشهر بعلم أو من لا يوثق بفتواه أو يميل به هواه أو يكون ما قاله يحمل على غير السب **فيكون الخلاف هل هو سب أو غير سب** أو يكون رجع و تاب عن سبه فلم يقله لمالك على اصله و الا فالاجماع على قتل من سبه كما قدمناه (الشفاء: ج:۲/ ص:۲۲۳)

مجھے نہیں معلوم کے وہ عراقی فقہاء کون سے ہیں جنہوں نے رشید کو یہ فتوی دیا جو ذکر کیا گیا ہے (یعنی کہ شاتم کو کوڑے مارے جائیں گے) اور ہم اہل عراق کا مذہب ذکر کر چکے ہیں کہ شاتم کو قتل کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اس نے فتویٰ دیا ہو جو مشہور بالعلم نہ ہو یا اس کے فتویٰ کا اعتبار نہ کیا جاتا ہو یا وہ اس کے ذریعہ اپنی کسی نفسانی خواہش کی طرف مائل ہو یا جو اس نے کہا ہو وہ **غیر سب پر محمول ہو اور اس میں اختلاف ہو کہ یہ سب وشتم ہے یا نہیں** یا اس نے توبہ کر لی ہو اور لوٹ آیا ہو اور امام مالک کو یہ بادشاہ نے نہ بتایا ہو ورنہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ گستاخ رسول ﷺ کے قتل پر اجماع ہے۔

یعنی جب کسی عمل کے سب وتوہین ہونے میں اختلاف ہو جائے تو فرد کی تکفیر کرنا درست نہیں ہوگا۔ اسی لئے آپ نے مذکورہ مسئلہ کی تاویلات کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی بیان کی کہ ہوسکتا ہے جو اس نے کہا ہو وہ سب وشتم کے علاوہ کسی اور بات پر محمول ہو یا اس کے سب وشتم ہونے میں اختلاف ہو کہ یہ سب ہے یا نہیں؟ اس سے یہ مزید واضح ہو گیا کہ وہ مسئلہ جس کے اصلا کفر ہونے میں اختلاف ہو یا جس مسئلہ کے اصلا کفر ہونے میں اتفاق ہو البتہ اس کے انطباق میں کسی فرد معین کے بارے میں اختلاف ہو تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جس نے اس کے کافر ہونے میں اختلاف کیا وہ بھی کافر ہے۔ البتہ جب کسی میں وجہ کفر کا پایا جانا قطعی طور پر معلوم وثابت ہو جائے اور اس کے کفر میں اختلاف نہ ہو تو پھر اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کہ کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے جیسے ابولہب اور مرزا قادیانی۔

ہماری فقہ کی کتب میں اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں کہ ایک عمل کو بعض علماء توہین قرار دیتے ہوئے کفر قرار دیتے ہیں جبکہ اسی عمل کی تاویل کرتے ہوئے دیگر علماء اسے کفر قرار نہیں دیتے۔

ا۔ اگر کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے موئے مبارک کو اسم تصغیر کے ساتھ ''شعیر'' کہا تو بعض علماء کے نزدیک یہ توہین ہے اور قائل کافر ہو جائے گا جبکہ بعض علماء کے نزدیک یہ کفر نہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ج:۴/ ص:۳۸۴)، (الفتاوی التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۲۶)

۲۔ اگر کسی شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو'' ذلک''الرجل کہا تو وہ تو بعض علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا جبکہ بعض کے نزدیک وہ کافر نہیں ہوگا۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۲۶)

۳۔ اگر ایک شخص کے سامنے یہ کہا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلان چیز پسند کرتے تھے تو اس نے کہا میں اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ کافر ہو جائیگا۔ جبکہ متاخرین کہ نزدیک وہ اس وقت کافر ہوگا جب اس نے یہ بات اہانت کی نیت سے کہی ہو ورنہ بخلاف متقدمین کے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۲۷)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ اکبر کے بارے میں کہا تھا کہ **لا ریب ان کثیرا من عباراته له تاويل الا كتاب الفصوص** بلا شبہ ان کی بہت سی عبارات کی تاویلات ہیں سوائے فصوص الحکم کے یعنی اس میں موجود عبارات کی تاویل نہیں ہوسکتی۔ ایک اور مقام آپ نے کہا: **ومن ارداً تواليفه كتاب "الفصوص"فان كان لا كفر فيه فما في الدينا كفر** ابن عربی کی کتابوں میں سے سب سے گھٹیا کتاب فصوص الحکم ہے اگر اس میں کفر نہیں ہے تو پھر دنیا میں کفر کسی چیز کو کہا جاتا ہے؟اس کے باوجود حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ شیخ اکبر رحمہ اللہ کے دفاع میں فرماتے ہیں:

قلت :ما نقل و نسب الى المشائخ رضي الله عنهم مما يخالف العلم الظاهر ،فله محامل:

الاول :انا لا نسلم نسبته اليهم حتى يصح عنهم

الثاني:بعد الصحة يلتمس له تاويل يوافق،فان لم يوجد له تاويل قيل:لعل له تاويلا عند اهل العلم الباطن العارفين بالله تعالىٰ.

الثالث: صدور ذلک عنهم فی حال السکر و الغیبة و السکران سکرا مباحا غیر مؤاخذ لأنه غیر مکلف فی ذلک الحال. فسوء الظن بهم بعد هذه المخارج من عدم التوفیق۔

(تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی: ص:۵)

میں یہ کہتا ہوں کہ مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ان باتوں میں سے جو کچھ منسوب ہے جو علم ظاہر کے خلاف ہے تو اس کے محامل ہیں:

۱) ہم ان باتوں کی نسبت ان کی طرف تسلیم ہی نہیں کرتے یہاں کہ یہ ثابت نہ ہو جائے یہ صحیح ہے۔

۲) جب ان کی صحت ثابت ہو جائے تو اس کی ایسی تاویل تلاش کی جائے گی جو موافق ہو۔ اگر اس کی کوئی تاویل نہ مل سکے تو کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی تاویل اہل علم باطن اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں کے پاس موجود ہو۔

۳) ممکن ہے کہ اس کا صدور ان سے حالت سکر اور حالت غیبت میں ہوا ہو۔ امر مباح سے سکر میں مبتلا ہونے والے کا مواخذہ نہیں کیا جاتا کیونکہ اس حالت میں وہ غیر مکلف ہوتا ہے۔ ان محامل کے بعد بھی ان سے سوء ظن رکھنا توفیق نہ ملنے کی وجہ سے ہے۔

بعض اوقات انسان کسی صاحب علم ونظر کی کسی بات کو سمجھ نہیں پاتا تو اسے چاہئے کہ اپنے عذر کو پہچان لے اور اس شعبہ میں اپنی علمی کم مائیگی کا احساس کرتے ہوئے سکوت اختیار کر لے۔ اگر شیخ ابن عربی نے اپنی کتب میں کوئی ایسی بات بیان کی ہے جو بعض علماء کے نزدیک متفقہ کفر ہے جبکہ دیگر علماء اسے متفقہ طور پر کفر نہیں سمجھتے تو ان کی تکفیر میں علماء کا اختلاف اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ان کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔

جہاں ابن عربی کی تکفیر کرنے والے علماء میں اکابرین موجود ہیں وہاں ان کے چاہنے والوں میں کئی ایک علماء وصوفیاء بھی میں نظر آتے ہیں۔ اگر امام بقاعی (متوفی:۸۸۵ھ) اور ابن المقری (متوفی:۸۳۷) کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو نتیجتا ہمیں ان تمام علمائے امت کو کافر ماننا پڑے

گا جن کا ذکر ہم ان کی تکفیر نہ کرنے والوں میں کر چکے ہیں۔جس کی جرأت بلاشبہ کوئی ذی شعور انسان نہیں کر سکتا۔امام بقاعی اور ابن مقری کے اس فتوی کے باوجود ہر دور میں کئی ایک اکابرین ابن عربی کے ثناء خوان رہے ہیں۔ان کا یہ طرز عمل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان دونوں حضرات علمائے کرام کا ابن عربی کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے تسلیم نہیں کیا گیا۔ابن عربی کی ولایت کے قائل علماء کے اس عمل سے ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ ان دونوں حضرات کے اس فتوی کا دوسرے مسلمانوں کو مکلّف نہیں بنایا جا سکتا کہ وہ بھی ابن عربی کی تکفیر پر ایمان لائیں ورنہ بصورت دیگروہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔یہاں ایک بات انتہائی قابل غور ہے کہ جن علماء نے شیخ ابن عربی کی تکفیر کی ہے اور ان کے رد پر کتب لکھی ہیں جب وہ اپنی کتابوں میں ان کے تلامذہ یا ان کے معتقدین کا ذکر کرتے ہیں تو انتہائی بہترین انداز سے ان کے مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی تعریف کرتے ہیں۔ان کی تکفیر نہیں کرتے ۔اس کی مثالیں سابقہ اوراق میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

شیخ اکبر کی تکفیر دو درجن سے زائد علماء نے کی ہے جن میں اکابر علمائے امت بھی شامل ہیں۔بلکہ ابن خیاط نے تو آپ کے حوالہ سے ایک استفتا بنا کر علماء کو ارسال کیا تاکہ آپ کے رد میں فتاوی کو جمع کیا جا سکے،اس کے باوجود اکابر و اصاغر میں ان کے حدی خوان کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مخالفین کا فتویٰ ان کی رائے تھا اسے نص قرآن کا درجہ دے کر کسی پر نہ تو مسلط کیا جا سکتا ہے اور نہ ان فتاوی تکفیر یہ متعدیہ سے کسی کی تکفیر کی جا سکتی ہے۔

کسی بھی گستاخ،مرتد،زندیق اور توہین رسالت کرنے والے کے لئے نرمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے تاہم اصول وضوابط اور مسلمہ علمائے امت کے طرز عمل کو ترک کر کے امت کو اسلام سے خارج کرنے کے لئے تکفیری مہم چلانا کسی طور پر مناسب نہیں۔ہمارے یہاں مختلف حضرات وہی رویہ رکھتے ہیں جو اہل کتاب نے اپنے لئے اپنایا تھا۔

قرآن نے ان کے بارے میں کہا:

> و قالوا لن يدخل الجنة الا من كان هودا او نصارىٰ (البقرۃ۲:۱۱۱)
>
> اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی ہوگا یا نصرانی۔

اس سے آگے اللہ نے فرمایا:

و قالت الیھود لیست النصاریٰ علی شئ و قالت النصاریٰ لیست الیھود علی شئ و ھم یتلون الکتاب کذلک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم فاللہ یحکم بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون o (البقرۃ:۲:۱۱۳)

اور یہود کہتے ہیں کہ نصرانیوں کی بنیاد کسی شے پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودیوں کی بنیاد کسی شے پر نہیں، حالانکہ وہ (سب اللہ کی نازل کردہ) کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے پاس علم ہی نہیں وہ بھی ان جیسی بات کرتے ہیں، پس اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن اس معاملے میں فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ فرماتا ہے:

و قالوا کونوا ھودا او نصاری تھتدوا قل بل ملۃ ابراھیم حنیفاو ما کان من المشرکین o (البقرۃ۲:۱۳۵)

اور کہتے ہیں یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرمادیں کہ بلکہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کا دین اختیار کئے ہوئے ہیں جو ہر باطل سے جدا صرف اللہ کی طرف متوجہ تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

بالکل اسی طرح سے ہر شخص اپنے اور اپنے گروہ کے بارے میں یہی کہتا کہ ہمارے ساتھ ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے ورنہ بصورت دیگر اسلام سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ اس کشتی میں اسلام اجنبی اور ایک خاص خول میں قید ہو کر رہ جاتا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان ''**ما انا علیہ واصحابی**'' کو یکسر بھلا کر اسلام کا دائرہ اس قدر تنگ کر لیا گیا ہے کہ کسی کو اسلام کے دائرہ سے باہر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی لوگ خود ہی اسلام سے باہر ہو جاتے ہیں۔ **فأین الاسلام؟**

کفر کا فتویٰ لگانے والوں نے

محی الدین ابن عربی (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی معاف نہیں کیا

ام المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کی عصمت

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبوب ترین زوجہ محترمہ اور سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔آپ کی والدہ کا نام حضرت ام رومان بنت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد ہجرت سے دو سال قبل ماہ شوال میں نکاح فرمایا جبکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی مدینہ منورہ میں شوال کے مہینہ میں ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے صرف ایک ہی کنواری خاتون سے نکاح فرمایا اور آپ کی ذات گرامی ہے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ آٹھ برس اور پانچ ماہ تک رہیں۔آپ ﷺ کے وصال کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک اٹھارہ برس تھی۔اپنی بہن کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر آپ کی کنیت ام عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) مشہور ہوئی۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ۵۷ ہجری میں ہوا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلم بالقرآن ،فقیہ النفس اور عرب کے اشعار و نسب کو سب سے زیادہ جاننے والی تھیں۔صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی وہ آپ کی بارگاہ میں ادب سے حاضر ہو جاتے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں اس کا حل پیش فرمادیتیں۔حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہ کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرائض کے بارے میں سوال کرتے دیکھا ہے۔حضرت عطا بن ابی رباح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ ،جاننے والی اور بہترین رائے رکھنے والی تھیں۔ہشام بن عروۃ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ فقہ، طب اور اشعار کو جاننے والا نہیں دیکھا۔امام زہری فرماتے ہیں کہ اگر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور تمام خواتین کے علم کو جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم سب سے زیادہ افضل ہوگا۔

(خلاصہ: تذکرۃ الحفاظ والاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب)

احادیث مبارکہ:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: یا عائش ھذا جبرئیل یقرئک السلام اے عائشہ! یہ جبریل تمہیں سلام کہتے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: و علیہ السلام و رحمۃ اللہ اور ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور رحمت ہو۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: و ھو یری مالا اری کہ آپ ﷺ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔ (مشکوٰۃ المصابیح: رقم الحدیث: ۵۹۲۵)

۲۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ای الناس احب الیک؟ قال: عائشۃ، قلت من الرجال، قال: ابوھا، آپ ﷺ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں نے پوچھا مردوں میں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
(الجامع الترمذی: ابواب المناقب: من فضل عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

۳۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا: ھذہ زوجتک فی الدنیا و الاخرۃ یہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی دنیا اور آخرت میں زوجہ ہیں۔
(الجامع الترمذی: ابواب المناقب: من فضل عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

واقعہ افک:

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول ﷺ کسی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور جس کے نام قرعہ نکل آتا اس کو رسول ﷺ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ حضرت

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول ﷺ ایک غزوہ میں جا رہے تھے آپ ﷺ نے ہمارے درمیان قرعہ اندازی کی، اس میں میرے نام قرعہ نکل آیا میں رسول ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ یہ حجاب نازل ہونے کے بعد کا واقعہ تھا، مجھے اپنے محمل میں سوار کیا جاتا اور جہاں ہم قیام کرتے وہاں مجھے محمل سے اتار لیا جاتا حتی کہ جب رسول جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچے آپ ﷺ نے ایک رات کوچ کا اعلان کر دیا۔ جب کوچ کا اعلان ہوا تو میں اٹھ کر لشکر سے دور نکل گئی، قضائے حاجت کے بعد میں اپنے کجاوہ کی طرف آئی، میں نے اپنے سینے کی طرف ہاتھ لگایا تو یمن کی سیپیوں کا جو ہار میں پہنے ہوئی تھی وہ نہیں تھا۔ میں نے واپس لوٹ کر ہار تلاش کیا اور اس کو تلاش کرنے نے مجھے روک لیا اور وہ لوگ آئے جو میرا کجاوہ اٹھاتے تھے انہوں نے میرا کجاوہ اٹھایا اور اس کو اس اونٹ پر رکھ دیا جس پر میں سوار ہوتی تھی، ان کا گمان یہ تھا کہ میں اس کجاوے میں بیٹھی ہوئی ہوں، اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتیں تھیں گوشت سے بھرپور اور فربہ نہیں ہوتی تھیں، بہت کم کھانا کھاتی تھیں۔ اس لئے ان لوگوں نے جب کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھا تو اس کے وزن کی طرف توجہ نہیں دی، اور میں ویسے بھی کم سن لڑکی تھی، انہوں نے اونٹ کو اٹھایا اور روانہ ہو گئے لشکر روانہ ہونے کے بعد مجھے ہار مل گیا میں ان کے پڑاؤ پر آئی مگر وہاں پر کوئی پکارنے والا تھا نہ جواب دینے والا میں اپنی اس جگہ کا قصد کیا جہاں پر میں پہلے تھی اور میرا گمان یہ تھا کہ لوگ جب مجھے گم پائیں گے تو میری طرف لوٹیں گے جس وقت میں اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھی تو مجھ پر نیند غالب آ گئی اور میں سو گئی اور حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانی اخیر شب میں لشکر کے پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ صبح اندھیرے منہ سے میری جگہ کے پاس پہنچے انہوں نے ایک سوئے ہوئے انسان کا جسم دیکھا تو وہ میرے پاس آئے انہوں نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا کیونکہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا انہوں نے مجھ کو پہچان کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور اس سے میں بیدار ہو گئی میں نے اپنے چہرے پر اپنی چادر ڈال لی بہ خدا انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور سوا انا للہ وانا الیہ راجعون کے میں نے ان کے منہ سے کوئی بات نہیں سنی۔ انہوں نے اونٹنی کو اس کے اگلے پیروں پر بٹھایا اور میں اس اونٹنی پر سوار ہو گئی حتی کہ لشکر کے پڑاؤ ڈالنے کے بعد ہم اس سے آ کر مل گئے۔ لشکر والے ٹھیک دوپہر کے وقت پہنچے تھے۔ میرے اس واقعہ سے جس شخص نے بھی ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا اور جس شخص نے سب سے بڑی تہمت لگائی وہ عبد اللہ بن ابی بن

سلول (لعنۃ اللہ علیہ) تھا، ہم مدینہ پہنچ گئے اور میں مدینہ پہنچنے کے بعد ایک ماہ تک بیمار رہی ادھر لوگوں میں یہ تہمت لگانے والوں کا قول مشہور ہو رہا تھا اور مجھے ان باتوں میں سے کسی کا بھی علم نہ تھا، البتہ مجھ کو یہ چیز شک میں ڈالتی تھی اور میرے درد میں اضافہ کرتی تھی کہ رسول اللہ کا جو لطف وکرم پہلے میری بیماری میں ہوتا تھا اس کو اب میں محسوس نہیں کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ آنے کے بعد صرف سلام کرتے، پھر فرماتے تمہارا حال کیا ہے؟ اس سے مجھے شک پڑتا تھا مگر مجھے کسی خرابی کا علم نہ تھا۔ حتیٰ کہ میں کمزور ہونے کے بعد ایک دن قضائے حاجت کے لئے باہر میدان میں گئی اور ہم قضائے حاجت کے لئے وہیں جاتے تھے میرے ساتھ ام مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں۔ ہم لوگ رات کے وقت جاتے تھے۔ یہ ہمارے گھروں میں بیت الخلاء بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ہمارا حال عرب کے پہلے لوگوں کی طرح تھا ہمیں گھروں میں بیت الخلاء بنانے میں اذیت ہوتی تھی اور ہم اس سے اجتناب کرتے تھے۔ میں اور ام مسطح گئیں، حضرت ام مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابو رہم بن مطلب بن عبد مناف کی بیٹی تھیں اور ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ تھیں۔ اور ان کا بیٹا مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب تھا، سو میں اور ابو رہم کی بیٹی (یعنی حضرت ام مسطح) اپنے گھر سے چل پڑیں۔ جب ہم قضائے حاجت سے فارغ ہوئیں تو حضرت ام مسطح چادر میں الجھ کر گر گئیں انہوں نے کہا مسطح ہلاک ہو جائے میں نے کہا کہ تم نے بری بات کہی تم ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہو جو بدر میں حاضر ہوا تھا۔ انہوں نے کہا اے خاتون! کیا تم کو اس کے قول کا علم نہیں ہے؟ میں نے پوچھا اس نے کیا کہا ہے؟ پھر انہوں نے تہمت لگانے والوں کی تہمت سے باخبر کیا، یہ سن کر میری بیماری میں اور اضافہ ہو گیا، جب میں گھر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ نے سلام کیا اور پھر فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ کیا آپ مجھے یہ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جاؤں؟ میرا یہ ارادہ تھا کہ میں اپنے ماں باپ سے اس خبر کی تحقیق کروں مجھے رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی میں اپنے والدین کے پاس آ گئی، میں نے کہا اے امی جان! یہ لوگ کیسی باتیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اے بیٹی! اپنے اعصاب کو پر سکون رکھو بہ خدا ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے نزدیک بہت خوبصورت ہو اور وہ اس سے محبت کرتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ اس کے خلاف کوئی بات نہ بنائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا سبحان اللہ! کیا واقعی لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی

ہیں کہ میں ساری رات روتی رہی اور صبح کو بھی میرے آنسو نہ رکے، اور نہ میں نے نیند کو سرمہ بنایا ،میں صبح کو رو رہی تھی ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا آپ نے ان سے اپنی اہلیہ کو علیحدہ کرنے کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتے تھے ،اس وقت وحی نازل نہیں ہوئی تھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو رسول اللہ کو وہی مشورہ دیا جس کا رسول اللہ کو یقین تھا کہ آپ ﷺ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں کیونکہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کا علم تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کی اہلیہ ہیں اور ہمیں ان کے متعلق صرف پارسائی کا یقین ہے البتہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کوئی تنگی نہیں کی اور ان کے سوا اور بھی بہت عورتیں ہیں، اور (اس کی) باندی سے سوال کیجئے وہ آپ ﷺ سے سچی بات کہیں گی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلوایا اور فرمایا: کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تم کو عائشہ کے متعلق کوئی شک ہو، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے میرے علم کے مطابق اگر کوئی چیز ان میں باعث عیب ہے تو وہ یہ کہ وہ کم سن لڑکی ہیں اپنے گھر کا آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں اور بکری آکر وہ آٹا کھا جاتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہین کہ پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور عبد اللہ بن ابی سلول سے جواب طلب کیا رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا: اے مسلمانوں کے گروہ! اس شخص کی طرف سے مجھے کون جواب دے گا جس کی طرف سے مجھے اپنے اہل خانہ کے معاملہ میں اذیت پہنچی ہے، بہ خدا مجھے اپنی اہلیہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور جس مرد کا انہوں نے ذکر کیا ہے مجھے اس کے متعلق بھی پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں وہ جب بھی میرے گھر گیا میرے ساتھ گیا۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو اس شخص کی طرف سے جواب دیتا ہوں، اگر وہ شخص اوس میں سے ہو تو ہم اس کی گردن مار دیں گے اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج میں سے ہو تو آپ اس کے متعلق حکم دیں ہم آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے وہ خزرج کے سردار تھے اور نیک شخص تھے لیکن قبائلی تعصب نے ان کو بھڑکا دیا انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا :تم نے جھوٹ بولا، اللہ کی قسم تم اس کو قتل کرو گے نہ کر سکو گے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے چچازاد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تم نے جھوٹ بولا بہ خدا ہم اس کو ضرور قتل کریں گے، تم خود بھی منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے لڑ رہے ہو۔ پھر اوس اور خزرج دونوں قبیلے جوش میں آ گئے اور ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے، درآں حالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے یہاں تک کہ وہ لوگ خاموش ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ بھی خاموش ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سارا دن روتی رہی میرے آنسو رکے نہ میں نے نیند کو سرمہ بنایا اور میرے والدین یہ گمان کرتے رہے تھے کہ اس قدر رونے سے میرا جگر پھٹ جائے گا پھر جس وقت میرے والدین میرے پاس بیٹھے تھے ایک انصاری خاتون نے آنے کی اجازت مانگی میں نے اس کو اجازت دے دی وہ بھی بیٹھ کر رونے لگی۔ ابھی ہم اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ہمارے پاس تشریف لائے اور بیٹھ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب سے میرے متعلق یہ باتیں بنائی گئی تھیں آپ ﷺ میرے پاس بیٹھے نہیں تھے اور ایک ماہ سے میرے متعلق آپ کے پاس کوئی وحی نہیں آئی تھی، پھر رسول اللہ نے بیٹھ کر کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا: اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی خبر پہنچی ہے اگر تم بری ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر فرمادے گا اور اگر (بالفرض) تم اس گناہ میں ملوث ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرو کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرے اور پھر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات ختم کر لی تو میرے آنسو خشک ہو گئے حتی کہ مجھے ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہوا میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کا جواب دیجئے۔ انہوں نے کہا بخدا مجھے پتا نہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا کہوں میں نے اپنی والدہ سے کہا آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کا جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی کہا بخدا مجھے پتا نہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا کہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا میں ایک کم سن لڑکی ہوں میں بہت زیادہ قرآن مجید نہیں پڑھتی بہ خدا مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں نے اس تہمت کو سن لیا ہے اور یہ تم لوگوں کے دل میں جم گئی ہے اور تم نے اس کی تصدیق کر دی ہے اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں بری ہوں اور اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ میں بری ہوں تو تم میری تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں اپنے گناہ کا اعتراف کرلوں

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے میں اس گناہ سے بری ہوں تو تم میری تصدیق کرو گے اور بے شک بہ خدا میں اپنے اور تمہارے درمیان صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال پاتی ہوں جنہوں نے کہا تھا کہ میں صبر جمیل کرتا ہوں اور تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس کے مقابل میں نے اللہ ہی سے مدد طلب کی ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں جا کر لیٹ گئی اور بہ خدا مجھے یہ یقین تھا کہ میں بری ہوں اور اللہ تعالیٰ میری برأت کو ظاہر کر دے گا، اور بہ خدا یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق قرآن مجید میں وحی نازل فرمائے گا۔ اور میں اپنی حیثیت اس سے کم سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسا کلام نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی۔ لیکن مجھے یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ رسول ﷺ کو نیند میں کوئی ایسا خواب دکھا دے گا جس میں اللہ تعالیٰ میری برأت ظاہر فرمائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بہ خدا ابھی رسول اللہ ﷺ اپنی مجلس سے اٹھے ہی تھے نہ اٹھنے کا قصد کیا تھا اور نہ ہی گھر والوں میں سے کوئی باہر گیا تھا حتیٰ کہ اللہ عز وجل نے اپنے نبی ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور نبی ﷺ پر نزول وحی کے وقت جو شدت طاری ہوتی تھی وہ طاری ہو گئی حتیٰ کہ اس انتہائی سردی دن میں بھی آپ ﷺ سے پسینہ (مبارک) کے قطرات موتیوں کی طرح ٹپکنے لگے جب رسول اللہ ﷺ سے وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ ﷺ ہنس رہے تھے اور آپ ﷺ نے جو پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی کہ: اے عائشہ! تم کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت ظاہر کر دی۔

(صحیح مسلم: کتاب التوبۃ: باب فی حدیث الافک وقبول توبۃ القاذف)

مذکورہ بالا واقعہ کو ’’واقعہ افک‘‘ کہا جاتا ہے۔ افک سے مراد بہتان تراشی کی انتہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے (نعوذ باللہ) جب تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت میں وحی کا نزول فرمایا۔ بعض سادہ لوح اہل ایمان بھی منافقین کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کی زد میں آ گئے تھے جس کی وجہ سے نزول وحی کے بعد ان پر حد قذف جاری کی گئی۔ نبی کریم ﷺ کو نزول وحی سے قبل اپنی زوجہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت کا علم تھا جس پر آپ ﷺ کے کلمات مبارک **فو اللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا و قد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الا خیرا** ’’بہ خدا مجھے اپنی اہلیہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور جس مرد کا انہوں نے ذکر کیا ہے مجھے اس کے متعلق بھی پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں‘‘ خاص طور پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کو اس امر میں ذرا تردد بھی ہوتا تو آپ ﷺ کبھی بھی اپنی زوجہ محترمہ کی پاکیزگی پر حلف نہ اٹھاتے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے علم ہونے کے باوجود اس مسئلہ سے متعلق سوالات کیوں فرمائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ سوالات اس وجہ سے فرمائے تا کہ معترضین کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ جب آپ کے اپنے اہل وعیال پر تہمت لگائی گئی تو آپ ﷺ نے اس کی تحقیق نہیں فرمائی اور قریبی احباب سے آپ ﷺ نے سوالات اس لئے فرمائے تا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عصمت اور کرادار کے بے داغ ہونے کو ظاہر فرما دیا جائے۔ جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس کلام کا تعلق ہے "تم لوگوں نے اس کی تصدیق بھی کردی ہے" تو اس کا مخاطب نبی مکرم ﷺ کی ذات گرامی نہیں بلکہ وہ سادہ لوح مسلمان ہیں جو منافقین کی باتوں میں آکر اس گناہ میں ملوث ہو گئے تھے۔

حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی ان آیات مقدسات کا نزول فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ جَاؤُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرّاً لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْراً وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ لَوْلَا جَاؤُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاء فَأُوْلَئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّناً وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَداً إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ○ (النور۲۴:۱۱ تا ۲۰)

بیشک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر) بہتان لگایا تھا (وہ بھی) تم میں سے ایک جماعت تھی، تم اس (بہتان کے واقعہ) کو اپنے حق میں برا مت سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر (ہو گیا) ہے ان میں سے ہر ایک کے لئے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور ان میں سے جس نے اس (بہتان) میں سب سے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے زبردست عذاب ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس (بہتان) کو سنا تھا تو مؤمن مرد اور مومن عورتیں اپنوں کے بارے میں نیک گمان کر لیتے اور (یہ) کہہ دیتے کہ یہ کھلا (جھوٹ پر مبنی) بہتان ہے۔ یہ (افتراء پرور لوگ) اس (طوفان) پر چار گواہ کیوں نہ لائے، پھر جب وہ گواہ نہیں لا سکے تو یہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اور تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس (تہمت کے) چرچے میں تم پڑ گئے ہو اس پر تمہیں زبردست عذاب پہنچتا۔ جب تم اس (بات) کو (ایک دوسرے سے سن کر) اپنی زبانوں پر لاتے رہے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے رہے جس کا (خود) تمہیں کو علم ہی نہ تھا اور اس (چرچے) کو معمولی بات خیال کر رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے حضور بہت بڑی (جسارت ہو رہی) تھی۔ اور جب تم نے یہ (بہتان) سنا تھا تو تم نے (اسی وقت) یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ (جائز ہی) نہیں کہ ہم اسے زبان پر لے آئیں (بلکہ تم یہ کہتے کہ اے اللہ!) تو پاک ہے (اس بات سے کہ ایسی عورت کو اپنے حبیب مکرم ﷺ کی زوجہ بنا دے) یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تم کو نصیحت فرماتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسی بات (عمر بھی بھر) نہ کرنا اگر تم اہل ایمان ہو۔ اور اللہ تمہارے لئے آیتوں کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ بیشک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ (ایسے لوگوں کے عزائم کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا

فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو (تم بھی پہلی امتوں کی طرح برباد کر دیئے جاتے) مگر اللہ بڑا شفیق بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

و انما وصف الله تعالىٰ ذلك الكذب بكونه افكا لأن المعروف من حال عائشة خلاف ذلك لوجوه،أحدها:أن كونها زوجة للرسول صلى الله عليه واله و سلم المعصوم يمنع من ذلك لأن الأنبياء مبعوثون الى الكفار ليدعوهم و يستعطفوهم فوجب أن لا يكون معهم ما ينفرهم عنهم و كون الانسان بحيث تكون زوجته مسافحة من اعظم المنفرات ،فان قيل كيف جاز ان تكون امرأة النبى كافرة كامرأة نوح و لوط و لم يجز أن تكون فاجرة و أيضا فلولم يجز ذلك لكان الرسول ﷺ أعرف الناس بامتناعه و لو عرف ذلك لما ضاق قلبه و لما سأل عاشة عن كيفية الواقعة .

قلنا (الجواب)عن الاول ان الكفر ليس من المنفرات أما كونها فاجرة فمن المنفرات (الجواب) عن الثانى أنه عليه السلام كثيرا ما كان يضيق قلبه من أقوال الكفار مع علمه لفساد تلك الأقوال ،قال تعالىٰ:و لقد نعلم أنك يضيق صدرك بما يقولون، فكان هذا من هذا الباب۔ (التفسیر الکبیر:ج:۱۲/ص:۱۷۴)

خلاصہ: اللہ تعالیٰ نے اس جھوٹ کو افک اس لئے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حال کئی وجوہ سے اس بہتان کے خلاف پر دلالت کرتا ہے:

ان میں سے ایک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معصوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہونا ہے جو اس بات کو منع کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس عمل قبیح کا صدور ہو۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو کفار کی

طرف مبعوث کیا جاتا ہے تا کہ وہ انہیں دعوت دیں اور ان سے جھکاؤ کو طلب کریں۔ اس لئے واجب ہے کہ ان کے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ ہو جو ان سے لوگوں کو متنفر کر دے اور انسان کی بیوی کا بد کردار ہونا سب سے زیادہ لوگوں کو نفرت دلانے والا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی کی بیوی کا کافر ہونا تو ممکن ہو جیسے حضرت نوح ولوط علیہما السلام کی بیویاں اور نبی کی بیوی کا بد کردار ہونا جائز نہ ہو؟ دوسری بات یہ کہ اگر نبی کی بیوی کا بد کردار ہونا ممکن نہیں تو چاہیئے تو یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ اس بات کو سب سے زیادہ جاننے والے ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس واقعہ کی کیفیت کے بارے میں سوال نہیں فرماتے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کا سینہ مبارک اس سے تنگی محسوس کرتا؟

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کافر ہونا ان چیزوں میں سے نہیں ہے جو نفرت دلائیں (جیسے بدصورت یا سیرت ہونا) اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا قلب اطہر اکثر کفار کی باتوں کی وجہ سے تنگی محسوس کرتا تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان باتوں کے فاسد ہونے کو بخوبی جانتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولقد نعلم أنک یضیق صدرک بما یقولون**، اور بے شک ہم اس بات کو جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سینہ مبارک ان کی باتوں سے تنگی محسوس کرتا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بابت تنگی کو محسوس فرمانا اسی طور پر ہے۔

امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن اجمعین پر اور بالخصوص حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والا اور ان کی عصمت و پاکیزگی میں شک کرنے والا ملعون، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور دنیا و آخرت کی خیر سے محروم ہے۔ تمام مجتہدین، مفسرین، محدثین، فقہاء اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت میں کیونکہ قرآن مجید کی آیات مقدسات نازل ہوئی ہیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت قطعی طور پر ثابت ہے اسی لئے ان

آیات کے نزول کے بعد آپ کی پاکدامنی پر شک کرنے والا اور آپ پر تہمت لگانے والا بالاتفاق کافر ہے جبکہ دیگر ازواج مطہرات پر تہمت لگانے والا کافر نہیں ہوگا کیونکہ اگر ازواج مطہرات پر مطلقا تہمت باندھنا کفر ہوتا تو سورہ نور کی آیات مقدسات کے نزول سے قبل جن لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تھی نبی کریم ﷺ ان کو حد قذف لگانے کے بجائے ازواج مطہرات پر تہمت لگانے پر مرتد ہونے کی وجہ قتل فرمادیتے جبکہ ایسا نہیں ہوا اور آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی منافق لعنۃ اللہ علیہ اور اس کے جھوٹی تشہیر سے متاثر ہونے والے سادہ لوح صحابہ حضرت حسان بن ثابت، حضرت حمنہ بنت جحش، حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حد قذف کو جاری فرمایا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ازواج مطہرات پر مطلقا تہمت لگانا کفر نہیں البتہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر نعوذ باللہ تہمت باندھنے والا ملعون، خبیث، انتہائی شقی اور ذلیل ترین ہے۔ اگر کسی ملعون نے یہ عمل نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ کی اہانت کے طور پر کیا تو اس کے کافر ہونے اور واجب القتل ہونے میں کوئی شک نہیں۔

امام قرطبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و خبر صحیح مشهور أغنى اشتهاره عن ذكره۔

(تفسیر القرطبی: ج:۱۲/ص:۱۹۷)

اور یہ خبر صحیح ومشہور ہے۔ اس کے مشہور ہونے نے اس کو ذکر کئے جانے سے مستغنی کردیا ہے۔

حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و أجمع المسلمون على ان المراد ما افک به على عائشة رضى الله تعالىٰ عنها۔ (التفسیر الکبیر: ج:۱۲/ص:۱۷۳)

اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جن پر تہمت لگائی وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لا شک فی تکفیر من قذف السيدة عائشة رضى الله تعالىٰ عنها۔ (ردالمحتار: ج:۶/ص:۳۷۸)

حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والے کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و لو قذف عائشة رضي الله عنها بالزنى كفر بالله و لو قذف سائر نسوة النبي ﷺ لا يكفر و تستحق اللعنة۔

(الفتاویٰ الھندیۃ: ج:۲/ص:۲۶۴)

اگر کسی نے حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر (نعوذ باللہ) زنا کی تہمت لگائی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور اگر اس نے نبی کریم ﷺ کی باقی دیگر ازواج پر تہمت لگائی تو کافر نہیں ہوگا البتہ وہ لعنت کا مستحق ہے۔

حضرت امام ابو بکر رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و اعلم أن عائشة الصديقة بنت الصديق رضي الله عنهما بعد خديجة الكبرىٰ رضي الله عنها أفضل نساء العالمين و هي أم المؤمنين مطهرة من الفواحش برية عما قالت الروافض فمن ذكرها بفاحشة فهو ولد الزنا۔ (شرح بدء الامالی)

جان لو کہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد تمام عالمین کی عورتوں سے افضل ہیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام مومنین کی ماں ہیں، تمام فحش معاملات سے پاک ہیں، روافض جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہتے ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے بری ہیں۔ پس جس کسی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر (نعوذ باللہ) زنا کی تہمت لگائی وہ حرام کی اولاد ہے۔

امام تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وما وقع بينهم من المنازعات و المحاربات فله محامل و تاويلات فسبهم و الطعن فيهم ان كان مم يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة رضي الله تعالىٰ عنها و الا فبدعة و فسق

(شرح العقائد النسفیۃ :ص:۱۶۲۔۱۶۳)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین جو کچھ لڑائیاں یا جنگیں ہوئی ہیں ان کی تاویلات ہیں اور محامل ہیں پس صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینا یا ان کے لئے زبان طعن دراز کرنا اگر اس طور پر ہو کہ دلائل قطعیہ کی مخالفت ہو تو کفر ہے جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر (نعوذ باللہ) تہمت لگانا ورنہ یہ بدعت اور فسق ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نقل کرتے ہیں:

فقال القاضی ابو یعلیٰ :من قذف عائشة (رضی الله تعالیٰ عنها)بما برأها الله منه کفر بلا خلاف۔ (الصارم المسلول:۳۹۱)

قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں: جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اس بارے میں تہمت لگائی جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت کا اعلان فرمادیا ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کافر ہے۔

حضرت امام قرطبی فرماتے ہیں:

فا ن أهل الافک رموا عائشة المطهرة رضی الله تعالیٰ عنها بالفاحشة فبرأها الله تعالیٰ فکل من سبها بما برأها الله منه مکذب لله و من کذب الله فهو کافر و هذا طریق قول مالک و هی سبیل لائحة لأهل البصائر ولو ان رجلا سب عائشة رضی الله تعالیٰ عنها بغیر ما برأها الله منه لکان جزاؤه الأدب۔

(تفسیر القرطبی:ج:۱۲/ص:۲۰۶)

بے شک اہل افک نے حضرت عائشہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ پر (نعوذ باللہ) زنا کی تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس سے بری فرمادیا۔پس ہر وہ شخص جس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سب وشتم اس بات کے ساتھ کیا جس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے بری فرما دیا۔ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی وہ کافر ہے اور یہ امام مالک علیہ الرحمۃ کا قول کا طریقہ ہے اور یہی اہل بصائر کا

راستہ ہے اور اگر کسی شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اس تہمت
کے علاوہ سب وشتم کیا جس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے
بری فرمایا ہے تو اس کی سزا تادیب ہے۔

خلاصہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت قطعی طور پر ثابت ہے اور اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے اسی لئے اگر کسی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی یا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت، پاکیزگی و پاکدامنی میں شک کیا تو وہ ملعون وخبیث شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ تاہم اگر کسی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کسی ایسی بات کے ساتھ سب وشتم کیا جس بارے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت قطعی طور پر ثابت نہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اسی طرح اگر کسی اور زوجہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ تاہم اس کے ملعون ہونے میں کوئی شک نہیں۔

جناب سید محمد فاروق القادری

کی فکرانگیز کتاب

اصل مسئلہ معاشی ہے

شائع ہوگئی

ناشر: ادارہ پاکستان شناسی لاہور

ڈسٹری بیوٹر: اورینٹل پبلی کیشنز تجمل ٹاور، دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

توہین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت وہ مبارک جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کے لئے منتخب فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت با برکت کے فیض کی وجہ سے انہیں اللہ رب العزت نے وہ بلند مقام عطا فرمایا کہ جس کسی شخص کو حالت ایمان میں ایک لحہ بھی آپ کی صحبت بابرکت اختیار کرنے کا شرف ملا اور ایمان پر ہی اس کا انتقال ہوا تو قیامت تک آنے والے اغواث واقطاب، ابدال و اوتاد، ابرار و صالحین اس کے قدموں کی خاک کو بھی نہیں پا سکتے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا:

يا ابا عبد الرحمن أيما أفضل معاوية أو عمر بن عبد العزيز؟ فقال و الله ان الغبار الذى دخل فى أنف فرس معاوية مع رسول الله صلى الله عليه واله وسلم أفضل من عمر بألف مرة .صلى معاوية خلف رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ سمع الله لمن حمده فقال معاوية ربنا لک الحمد فما بعد هذا الشرف الأعظم۔ (تطہیر الجنان واللسان:ص:۱۰۔۱۱)

اے ابوعبد الرحمٰن! حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے افضل کون ہے؟ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم نبی مکرم ﷺ کے ساتھ جو غبار حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہزار گنا بہتر ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز ادا فرمائی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے اس کی سن لی نے جس نے اس کی تعریف کی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہمارے رب تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور بڑا شرف کیا ہوسکتا ہے؟

صحابی کی تعریف:

لفظ صحابی کا اطلاق اصلا ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو کسی بھی شخص کی صحبت کو اختیار کرے چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ البتہ عرف شرع میں اس لفظ کا اطلاق اس فرد پر ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کی صحبت سے مشرف ہوا ہو۔

صحابی کی تعریف کے بارے میں امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و هو من لقى النبى عليه الصلاة و السلام مؤمنا به و مات على الاسلام۔ (نخبۃ الفکر: ص: ۵۷۵۔۵۷۶)

صحابی ہر وہ شخص ہے جس نے نبی کریم ﷺ سے ایمان کی احالت میں ملاقات کی ہو اور اس کا انتقال بھی اسلام پر ہوا ہو۔

امام سخاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

دخل فيه من راه و امن به من الجن لأنه عليه الصلاة و السلام بعث اليهم قطعا و هم مكلفون و فيهم العصاة و الطائعون۔

(فتح المغیث: ج: ۴/ص: ۸۰)

صحابی کی تعریف میں وہ جن بھی داخل ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہو اور آپ ﷺ پر ایمان لائے ہوں کیونکہ آپ ﷺ کا ان کی طرف مبعوث ہونا قطعی ہے اور وہ مکلّف بھی ہیں ان میں گناہ گار بھی ہوتے ہیں اور طاعت گزار بھی۔

امام عسقلانی علیہ الرحمۃ ملاقات کے بارے میں فرماتے ہیں:

و المراد باللقاء ما هو أعم من المجالسة ،و المما شاة و وصول أحدهما الى الاخر و ان لم يكالمه و يدخل فيه رؤية أحدهما الاخر سواء كان ذلك بنفسه أو بغيره (شرح نخبۃ الفکر: ص: ۵۷۷)

ملاقات سے مراد وہ ہے جو ایک ساتھ بیٹھنے، ساتھ چلنے اور ایک کے دوسرے تک پہنچنے سے زیادہ عام ہے اگر چہ آپس میں کلام نہ ہوا ہو۔ اس میں ایک کا دوسرے کو دیکھنا بھی داخل ہے چاہے وہ اپنے طور پر ہو یا کسی غیر کے ذریعے ہو۔

اس کے بارے میں حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال التلميذ: قوله :بغيره أي بأن يكون صغيرا فيحمل الى النبي صلى الله عليه و اله وسلم۔　　(شرح شرح نخبۃ الفکر:ص:۵۷۸)

یہ طالب علم کہتا ہے کہ آپ کا ''بغیرہ'' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچہ ہو اور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اسے اٹھا کر لے جایا گیا ہو۔

حضرت مفتی عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کی تعریف کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ صحابی سے مراد ہر وہ شخص ہے جس نے نبی کریم ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور اس کا انتقال بھی اسلام پر ہوا ہو۔سب سے مناسب تعریف یہی ہے کہ اس طرح حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ بصارت سے محروم تھے، بھی صحابہ کے زمرہ میں شمار کئے جائیں گے۔ان کا صحابی ہونا متفق علیہ ہے۔

۲۔ اس ملاقات کا اعتبار نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد کیا جائے گا۔

۳۔ کافر و منافق کی مجالست و ملاقات کا اعتبار نہیں۔

۴۔ اس تعریف میں وہ جنات بھی داخل ہیں جنہوں نے حالت ایمان میں نبی کریم ﷺ کی صحبت سے استفادہ کیا۔اس وجہ سے ہر وہ شخص جس نے کسی صحابی جن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کو اختیار کیا وہ تابعی قرار پائے گا۔

۵۔ ملائکہ صحابہ میں شمار نہیں کئے جاتے۔

۶۔ نبی کریم ﷺ سے ملاقات یا آپ ﷺ کے دیدار سے مراد کسی شخص کا اپنی دنیوی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت کرنا ہے۔اس وجہ سے وہ تمام انبیاء کرام جنہوں نے اپنے وصال کے بعد بموقع معراج نبی کریم ﷺ کی زیارت کی، صحابہ میں شمار نہیں کئے جائیں گے البتہ حضرت عیسیٰ و ادریس علیہما السلام کو صحابہ میں شمار کیا جائے گا کیونکہ ان دونوں انبیاء کرام علیہما السلام کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا تھا۔اگر حضرت خضر و الیاس علیہما السلام کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو تو وہ بھی صحابہ کے گروہ میں شمار کئے جائیں گے۔اسی لئے اگر یہ علمی پہیلی پوچھی جائے کہ وہ کون سے صحابی ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالاتفاق افضل ہیں ؟تو اس کے جواب میں ان چاروں انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کا نام لیا جا سکتا ہے۔

۷۔ نبی کریم ﷺ کو آپ ﷺ کے عہد مبارک میں حیات ظاہری میں دیکھنا صحابیت کے ثبوت کے لئے ضروری ہے۔ اگر کسی نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو خواب میں دیکھا یا آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے جسد مبارک کو دیکھا تو صحابہ میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

۸۔ صحابی کی اس تعریف میں مرد وعورت، آزاد وغلام، بالغ ونابالغ، بینا ونابینا سب شامل ہیں۔

۹۔ ملاقات کی قید لگانے کی وجہ سے مخضرمی زمرہ صحابہ سے خارج ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا عہد مبارک پایا مگر آپ ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ کر سکے جیسے حضرت اویس قرنی اور حضرت اصحمہ (نجاشی) شاہ حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اسی طرح وہ حضرات جنہوں نے بعثت یا اسلام قبول کرنے سے قبل نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور بعثت کے بعد یا اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کے عہد مبارک میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے وہ بھی صحابی نہیں ہیں۔

۱۰۔ صحابی ہونے کے دعویٰ کو دو شرائط کے ساتھ مطلقا قبول کیا جائے گا:

ا۔ اس دعویٰ سے قبل اس کا عادل ہونا اور مقبول القول ہونا لازمی ہے۔

ب۔ اس کا دعویٰ ایسا نہ ہو جس کو ہر سلیم العقل انسان رد کرتا ہو اور ظاہر اس کو جھوٹ قرار دیتا ہو۔

پس اگر کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے عہد مبارک میں اپنی ملاقات کا دعویٰ کیا تو وہ کذاب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا وصال ۱۰ھ میں ہوا تاہم اس بات کا امکان ہے نبی کریم ﷺ کسی امتی پر فضل فرمائیں اور اسے اپنی زیارت سے بعد وصال جسد مبارک کے ساتھ مشرف فرمائیں تاہم اس صورت میں بھی وہ صحابی نہیں کہلائے گا کیونکہ اس کا یہ زیارت کرنا نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک کے بعد ہے۔ جیسا کہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں ''رتن ہندی'' کے بارے میں فرمایا:

> رتن الهندي و ما أدراک ما رتن الهندي، شيخ دجال بلا ريب، ظهر بعد ستمائة، فادعىٰ الصحبة والصحابة لا يكذبون
>
> رتن ہندی، اور تم کیا جانو کہ یہ رتن ہندی کیا ہے؟ بلا شک وشبہ یہ دجال ہے، چھٹی صدی ہجری کے بعد یہ ظاہر ہوا اور صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جھوٹ نہیں بولتے۔

حضرت مفتی عبدالحی علیہ الرحمۃ کے والدگرامی ''نظم الدرر فی سلک شق القمر'' میں فرماتے ہیں کہ رتن ہندی معمر نے کہا کہ میں نے ایک سردرات دیکھا کہ چاند دوٹکڑے ہوگیا اس کا ایک حصہ مشرق میں جبکہ دوسرا مغرب میں چلا گیا۔ کچھ دیر کے لئے اندھیرا ہوگیا پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں حصے مل گئے۔ مجھے بہت تعجب ہوا میں نے ایک جانب سے آنے والے سواروں سے اس بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ مکہ میں ایک ہاشمی شخص ظاہر ہوا ہے اوراس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کے طلب کرنے پر یہ معجزہ دکھایا ہے۔اس کے بعد سے مجھے آپ ﷺ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور میں مکہ حاضر ہوکر آپ کی صحبت سے مشرف ہوا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے طویل عمر عطا کی ہے میری عمر آج چھ سو (۶۰۰) برس ہے۔

اس ملعون کو علماء نے کذاب ودجال کہا ہے۔ کیونکہ تمام علماء کا اتفاق ہے تمام صحابہ میں انتقال فرمانے والے سب سے آخری صحابی حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔آپ کا وصال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں بھی اس کا ثبوت ہے جو آپ ﷺ نے اپنے وصال سے ایک ماہ قبل اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ سو سال کے بعد تم میں سے کوئی روئے زمیں پر موجود نہیں ہوگا۔(البخاری: کتاب العلم فی باب السمر فی العلم) اس صورت میں یہ کیسے صحابی ہو سکتا ہے۔(ظفر الامانی :ص:۴۹۴ تا ۵۰۴ ملخصاً)

یہ دراصل کفار کا وہی حربہ تھا جو عیسائیت کو مسخ کرنے کے لیے یہودیوں نے سینٹ پال کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی کے بعد آپ کا حواری وصحابی بنا کر استعمال کیا تھا تاہم بحمد اللہ تعالیٰ اسلام ان کے اس بد ارادہ سے محفوظ و مامون رہا۔اللہ تعالیٰ علمائے ربانیین کو اجر عظیم عطا فرمائے۔امین

قرآن حکیم اوراحادیث شریفہ کی روشنی میں فضیلت صحابہ:

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل کو بیان فرمایا ہے۔تمام صحابہ میں صرف ایک صحابی ہیں جن کا نام مبارک قرآن حکیم میں سورۃ الاحزاب ۳۳:۳۷ میں ذکر ہوا اور وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً ○ (الفتح ۴۸:۲۹)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کا اثر ہے۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں (بھی مذکور) ہیں۔ ان کے (یہی) اوصاف انجیل میں (بھی مرقوم) ہیں۔ وہ (صحابہ ہمارے محبوب مکرم ﷺ کی) کھیتی کی طرح ہیں جس نے (سب سے پہلے) اپنی باریک سی کونپل نکالی پھر اسے طاقتور اور مضبوط کیا، پھر وہ موٹی اور دبیز ہوگئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی (اور جب سرسبز و شاداب ہو کر لہلہائی تو) کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی (اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسی طرح ایمان کے تناور درخت بنایا ہے) تاکہ ان کے ذریعے وہ (محمد رسول اللہ ﷺ سے جلنے والے) کافروں کے دل جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان خیرکم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔ (مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، رقم الحدیث ۶۳۵۲)

تم میں بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔ پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

سأل رجل النبی ﷺ ای الناس خیر قال: القرن الذی أنا فیه ثم الثانی ثم الثالث۔ (مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، رقم الحدیث ۶۳۵۵)

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جس زمانہ میں، میں ہوں، پھر دوسرے زمانہ کے، پھر تیسرے زمانہ کے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لا تمس النار من رانی او رای من رانی

(جامع الترمذی: ج:۲/ص:۷۰۵)

اس شخص کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے میری زیارت کی یا اس کی زیارت کی جس نے میری زیارت کی۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی الہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائدا و نورا لهم یوم القیامة۔ (جامع الترمذی: ج:۲/ص:۷۰۵)

میرا کوئی بھی صحابی کسی سرزمین پر وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ قیامت کے دن وہ ان کا قائد بن کا اٹھے گا اور ان کے لئے نور ہوگا۔

توہین صحابہ کا حرام ہونا:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الله الله فی اصحابی لا تتخذو هم غرضا بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله و من اذی الله یوشک ان یاخذه

(جامع الترمذی: ج:۲/ص:۷۰۶)

اللہ !اللہ! میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنا لینا، جس نے ان سے محبت کی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں تکلیف دی تو اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اس کی گرفت فرمائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا رأيتم الذين يسبون اصحابي فقولوا لعنة الله على شركم

(جامع الترمذی: ج:۲/ص:۷۰۶)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہہ رہے ہیں تو کہو کہ تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لا تسبوا اصحابي لا تسبوا اصحابي فوا الذي نفسي بيده لو ان احدكم انفق مثل احد ذهبا ما ادرك مد احدهم ولانصيفه

(مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، رقم الحدیث: ۶۳۶۴)

میرے صحابہ کو برا نہ کہو، میرے صحابہ کو برا نہ کہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خیرات دے تو وہ صحابہ کے دیئے ہوئے ایک مد (ایک کلوگرام) بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں ہے۔

ان تمام احادیث وغیرہ کے علاوہ کئی ایک آیات مقدسہ اور احادیث شریفہ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قدر و منزلت اور بلند درجہ پر فائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جو شخص حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی (نعوذ باللہ) تکفیر کرتا ہے یا انہیں گالیاں دیتا ہے، وہ انتہائی خبیث اور مستحق لعنت ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر سب و شتم کرنا موجب کفر نہیں ہے اور نہ ہی اس وجہ سے ساب و شاتم کو قتل کیا جائے گا کیونکہ کسی مسلمان کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا کفر اور

مبیح الدم نہیں ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

سباب المسلم فسوق

(صحیح مسلم:باب:بیان قول النبیﷺ سباب المسلم فسوق)

مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور ہے۔

حضرت امام ابوداؤد علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

حدثنا موسیٰ بن اسماعیل نا حماد عن یونس عن حمید بن هلال عن النبی ﷺ ح و نا هارون بن عبد الله و نصیر بن الفرج قالا نا ابو اسامة عن یزید بن زریع عن یونس بن عبید عن حمید ابن هلال عن عبد الله بن مطرف عن ابی برزة قال: کنت عند ابی بکر فتغیظ علی رجل فاشتد علیه فقلت: تاذن لی یا خلیفة رسول الله ﷺ اضرب عنقه قال:فاذهبت کلمتی غضبه فقام فدخل فارسل الی فقال: ما الذی قلت انفا ؟قلت :ائذن لی اضرب عنقه قال: أکنت فاعلا لو امرتک قلت :نعم ،قال :لا و الله ما کانت لبشر بعد محمد علیه الصلاة و السلام

(سنن أبی داؤد:باب الحکم فیمن سب النبیﷺ ،رقم الحدیث:۴۳۶۳)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غضبناک ہوئے تو اس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سختی کی۔میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔آپ فرماتے ہیں کہ میری بات سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ ختم ہو گیا۔آپ کھڑے ہوئے اور ایک جگہ تشریف لے گئے اور مجھے بلوا کر پوچھا:تم نے ابھی کیا کہا تھا؟میں نے عرض کی میں نے یہ کہا تھا کہ آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن کاٹ دوں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:اگر میں تجھے حکم دے دیتا تو تو ایسا کر دیتا؟میں نے

عرض کی: جی ہاں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نہیں! اللہ کی قسم محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی انسان کی خاطر ایسا کرنا جائز نہیں۔

اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحابی کی توہین کرنا یا اسے گالی دینا کفر و ارتداد ہوتا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ذات کو گالی دینے والے کی تکفیر کرتے اور اسے قتل کر دینے کا حکم دے دیتے۔ اسی طرح واقعہ افک کے بارے میں مروی حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت ام مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بیٹے حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہا جو کہ بدری صحابی تھے تاہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی تکفیر کرنے کے بجائے ان کی مذمت کی۔

امام مسلم حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتے ہیں:

فقالت: تعس مسطح، فقلت لها: بئس ما قلت أ تسبين رجلا قد شهد بدرا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۶۸۹۲)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ام مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: مسطح ہلاک ہو جائے، میں نے اس سے کہا تم نے بہت بری بات کہی ہے تم ایسے شخص کو برا کہتی ہو جو بدر میں حاضر ہوا تھا۔

ایک اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالی دی لیکن نبی کریم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا:

نزل ملک من السماء یکذبه

(سنن ابی داؤد: کتاب الادب: باب فی الانتصار)

آسمان سے ایک فرشتہ اس کو جھٹلانے کے لئے نازل ہوا۔

اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا جواب نہ دینے کی تعلیم دی۔ تاہم اگر کسی صحابی کو صحابی سمجھتے ہوئے نبی کریم ﷺ یا اسلام کے استخفاف میں برا کہا گیا تو یہ کفر ہوگا۔ حضرت امام طبرانی علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

حدثنا عبید الله بن محمد العمری القاضی بمدینة طبریة سنة سبع و سبعین و مائتین، حدثنا اسماعیل بن ابی اویس، حدثنا موسی بن جعفر بن محمد عن ابیه عن جده علی بن الحسین عن

الحسین بن علی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم،قال:قال رسول اللہ ﷺ :من سب الانبیاء قتل و من سب اصحابی جلد۔

(المعجم الصغیررقم :الحدیث: ۶۶۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی نبی کو (نعوذ باللہ) گالی دی اسے قتل جائے اور جس نے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو (نعوذ باللہ) گالی دی اس کو کوڑے مارے جائیں۔

حضرت امام لا لکائی فرماتے ہیں:

عن عمر بن عبد العزیز :ضرب من شتم عثمان ثلاثین سوطا.....و ضرب عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ من سب معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أسواطا۔

(شرح اصول اعتقاد أھل السنۃ والجماعۃ :ج:۲/ص:۲۲۷)

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو تیس کوڑے مارے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کو گالی دی۔اسی طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی کوڑے مارے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالی دی تھی۔

امام تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و ما وقع بینھم من المنازعات و المحاربات فلہ محامل و تاویلات فسبھم و الطعن فیھم ان کان مم یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر کقذف عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا و الا فبدعۃ و فسق ۔

(شرح العقائد النسفیۃ :ص:۱۶۲۔۱۶۳)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین جو کچھ لڑائیاں یا جنگیں ہوئی ہیں ان کی تاویلات ہیں اور محامل ہیں پس صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینا یا ان کے لئے زبان طعن دراز کرنا اگر اس طور پر ہو کہ دلائل قطعیہ کی مخالفت ہو تو کفر ہے جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر (نعوذ باللہ) تہمت لگانا ورنہ یہ بدعت اور فسق ہے۔

اس کے بارے میں ملاعلی اقاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و ھذا تصریح من العلامۃ أن سب الشیخین لیس بکفر عند العامۃ۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص:۷۲)

یعنی یہ علامہ صاحب کی طرف سے وضاحت ہے کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دینا علماء کے نزدیک کفر نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا اگر کوئی انکار کردے تو اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت بالاجماع قرآن حکیم کی آیت مقدسہ اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا (التوبۃ ۹:۴۰) سے ثابت ہے۔تمام مفسرین ومحدثین اور مجتہدین کا اجماع ہے کہ یہاں صاحبہ سے مراد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی علیہ الرحمۃ اس آیت مقدسہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

و فیھا النص علی صحبتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لرسول اللہ ﷺ و لم یثبت ذلک لأحد من أصحاب رسول اللہ علیہ الصلاۃ و السلام سواہ،و کونہ المراد من الصاحب مما وقع علیہ الاجماع ککون المراد من العبد فی قولہ تعالیٰ: سبحان الذی اسری بعبدہ رسول اللہ ﷺ و من ھنا قالوا: ان انکار صحبتہ کفر۔ (روح المعانی:ج:۵/ص:۱۴۴)

یعنی اس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کا ثبوت ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کسی اور صحابی کیلئے آپ رضی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ثابت نہیں ہے۔اور صاحب سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کا مراد ہونا ان میں سے ہے جن پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔جیسے قرآن حکیم کی آیت سبحان الذی اسری بعبدہ میں عبدہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات اقدس کا ہونا،اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کرنا کفر ہے۔

حضرت ملاعلی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و اما من انکر صحبة أبي بکر فیکفر لکونه انکارا لنص القرآن حیث قال الله تعالیٰ اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا و اجماع المفسرین علی أنه المراد به۔ (شرح الفقہ الأکبر:ص:۱۶۳)

اور جس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں یہ قرآن حکیم کی نص کا انکار ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا اور مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ،أو أنکر صحبة الصدیق أو اعتقد الالوهیته فی علی أو ان جبریل غلط فی الوحی أو نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن و لکن لو تاب تقبل توبته ،

(ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۷۸)

اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں جس نے حضرت سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کیا یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے (نعوذ باللہ) خدا ہونے کا عقیدہ رکھا یا یہ عقیدہ رکھا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام سے وحی نازل کرنے میں غلطی واقع ہوئی یا اور کوئی ایسا واضح انکار کیا جو قرآن کے خلاف ہو لیکن اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ کو قبول کیا جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں:

و أما الرافضی ساب الشیخین بدون قذف للسیدة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها و لا انکار صحبة الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه و

نحو ذلک فلیس بکفر فضلا عن عدم قبول التوبة بل ضلالة و بدعة۔ (ردالمحتار: ج:۶/ص:۳۷۸)

جہاں تک اس رافضی کا تعلق ہے جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دینے والا ہو جبکہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت نہ لگاتا ہو اور نہ ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کرتا ہو یا کوئی اور ایسا عقیدہ نہ رکھتا ہو جو کفر ہو تو اس کا محض حضرات شیخین کو گالی دینا کفر نہیں ہوگا چہ جائیکہ اس کی توبہ قبول نہ ہو۔ بلکہ وہ گمراہ و بدعتی ہوگا۔

جہاں تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی (نعوذ باللہ) تکفیر کرنے یا انہیں شہید کرنے کا تعلق ہے تو یہ عمل اگر چہ گالی دینے سے زیادہ کبیرہ گناہ ہے تاہم یہ بھی کفر نہیں تاہم ایسے شخص کے بدعتی، گمراہ، ملعون و فاسق اور خبیث ترین ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی (نعوذ باللہ) تکفیر کی اور ان کے خلاف تلوار اٹھائی ان میں خوارج کا نام سر فہرست ہے۔

خوارج:

حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب اور حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مابین ماہ صفر ۳۷ھ میں صفین کے مقام پر جنگ ہوئی اور یہ لڑائی کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ طرفین سے صلح کے لئے ایک شخص کو بطور حکم مقرر کیا گیا۔ حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا گیا۔ ایک معاہدہ طے پاجانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کی جانب جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی طرف لوٹ گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ واپس لوٹ آئے تو ایک جماعت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کر کے ان الحکم الا للہ کا نعرہ لگایا۔ ان لوگوں نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کئی بار معرکہ آرائی کی۔ بالاخر نہروان کے مقام پر ۳۸ھ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے

خلاف جہاد فرما کر ان کی قوت کو ختم کر دیا۔ خوارج کے تین افراد عبد الرحمٰن بن ملجم، برک بن عبد اللہ اور عمرو بن بکیرا نے یہ عہد کیا کہ ہم تینوں افراد نعوذ باللہ حضرت سیدنا علی، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ کو شہید کر دیں گے۔ ۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے کہ ابن ملجم ملعون نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تلوار کا ایسا شدید وار کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی مبارک کنپٹی تک کٹ گئی۔ اس کا زخم کافی شدید تھا پھر بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہفتہ تک بقید حیات رہے اور اتوار کی شب آپ رضی اللہ تعالیٰ کا وصال ہو گیا۔ (خلاصہ تاریخ الخلفاء: ص: ۳۷۲۔ ۳۷۴)

حضرت امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

> خوارج کے اصل فرقے ازارقہ، اباضیہ، صفریہ اور نجدیہ ہیں، باقی فرقے ان کی شاخیں ہیں۔ خوارج کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفر پر اجماع ہے۔ اسی طرح وہ حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کافر سمجھتے ہیں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل ابن ملجم کو اس آیت کریمہ **و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ** (یعنی لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنی جان تک صرف کر دیتا ہے) کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ (خلاصہ مقالات اسلامیین: ج:۱/ ص: ۹۱ تا ۱۰۴)

شیخ عبد القادر بغدادی لکھتے ہیں:

> **ان الذین یجمع الخوارج علی افتراق مذاھبھا اکفار علی و عثمان و الحکمین و اصحاب الجمل و کل من رضی بتحکیم الحکمین۔** (الفرق بین الفرق: ص: ۴۵)
>
> خوارج کے تمام فرقے آپس کے اختلاف کے باوجود جس چیز پر اتفاق رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حکمین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جنگ جمل کے تمام شرکاء اور وہ تمام لوگ جو حکمین کی تحکیم پر راضی ہیں (نعوذ باللہ) کافر ہیں۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

الخوارج حيث يقولون بكفر علي رضي الله عنه و من تابعه و كفر معاوية رضي الله عنه و من شايعه (شرح الفقہ الأکبر:ص:۷۰)

یعنی خوارج حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جو ان کے متبع تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور جو ان کے ساتھ تھے، کی تکفیر کرتے تھے۔

حضرت امام سرخسی حدیث مشہور کی بحث میں فرماتے ہیں:

قسم يضلل جاحده ولا يكفر و ذلك نحو خبر الرجم........فان خبر الرجم اتفق عليه العلماء من الصدر الاول و الثاني و انما خالف فيه الخوارج و خلافهم لا يكون قدحا في الاجماع و لهذا قال يضلل جاحده۔

(اصول السرخسی: ج:۱/ص:۲۹۳)

یعنی مشہور کی ایک قسم وہ ہے جس کا انکار کرنے والے کو گمراہ کہا جائے گا اور اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ جیسے خبر رجم۔۔۔۔۔۔خبر رجم پر قرن اول اور قرن ثانی کے علماء کا اتفاق ہے۔اس سے اختلاف خوارج نے ہی کیا ہے اور ان کا اختلاف اجماع میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا اسی لئے آپ (عیسیٰ بن ابان علیہ الرحمۃ) نے فرمایا کہ اس کا انکار کرنے والا گمراہ ہوگا۔

حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں:

و مذهبهم أن مرتكب الكبيرة كافر۔　(ردالمحتار: ج:۶/ص:۴۱۳)

اور خوارج کا مذہب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔

خوارج کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و خوارج وهم قوم لهم منعة خرجوا عليه بتأويل يرون أنه على باطل كفر أو معصية توجب قتاله بتأويلهم و يستحلون دماء نا و أموالنا و يسبون نساء نا و يكفرون اصحاب نبينا ﷺ وحكمهم

حکم البغاة باجماع الفقهاء كما حققه فى الفتح و انما لم نكفر هم لكونه عن تأويل و ان كان باطلابخلاف المستحل بلا تأويل

(الدر المختار: ج:٦/ ص:٤١٣-٤١٤)

خوارج وہ قوم ہیں جن کی قوت وشوکت ہے۔انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تاویل کے ساتھ خروج کیا۔ان کی رائے یہ تھی کہ (نعوذ باللہ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطل وکفر پر ہیں یا ان کے گناہ اس بات کو واجب کر دیتے ہیں کہ ان سے قتال کیا جائے اور وہ ہمارے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں، ہماری خواتین کو گالیاں دیتے ہیں، اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی تکفیر کرتے ہیں۔فقہاء کے اجماع کے مطابق ان کا حکم وہی حکم ہے جو باغیوں کا حکم ہے۔جیسا کے امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی ہے۔ہم ان کی تکفیر اس لئے نہیں کرتے کہ وہ ان تمام اعمال کو تاویل کے ساتھ کرتے ہیں اگر چہ ان کی تاویل باطل ہے۔بخلاف ان کو بغیر تاویل کے حلال جاننے والے کہ یعنی ان محرمات قطعیہ کو حلال جاننے والا کافر ہوگا۔

حضرت امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

و حكمهم عند جمهور الفقهاء و جمهور أهل الحديث حكم البغاة و عند مالك يستتابون فان تابوا و الا قتلوا دفعا لفسادهم لا كفرهم و ذهب بعض أهل الحديث الى انهم مرتدون لهم حكم المرتدين لقوله صلى الله عليه واله وسلم يخرج قوم فى أخر الزمان أحداث الأسنان سفهاء الأحلام يقولون من خير قول البرية يقرؤن القرآن لا يجاوز حناجرهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية فأينما لقيتهم فاقتلهم فان فى قتلهم أجر لمن قتلهم يوم القيامة رواه البخارى .....قال ابن المنذر و لا اعلم أحد وافق أهل الحديث على تكفيرهم و هذا يقتضى نقل

اجماع الفقهاء و ذكر في المحيط أن بعض الفقهاء لايكفر أحدا من أهل البدع و بعضهم يكفرون بعض أهل البدع و هو من خالف ببدعته دليلا قطعيا و نسبه الى أكثر أهل السنة و النقل الاول أثبت نعم ويقع في كلام أهل المذاهب تكفير كثير و لكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم ولا عبرة لغير الفقهاء و المنقول عن المجتهدين ما ذكرنا و ابن المنذر أعرف بنقل مذاهب المجتهدين

(فتح القدیر: ج:۲/ ص:۳۳۴)

خلاصہ: جمہور فقہاء و جمہور علمائے حدیث اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو باغیوں کا ہے یعنی انہیں توبہ کی ترغیب دی جائے گی۔اگر یہ توبہ کر لیں تو بہتر ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔یہ قتل ان کے فساد کو ختم کرنے کی وجہ سے ہوگا نہ کہ ان کے کفر کی وجہ سے،بعض علمائے حدیث کا موقف یہ ہے کہ خوارج مرتد ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں ایک قوم ظاہر ہوگی جو کم عمر ہوں گے،بے وقوف ہوں گے۔وہ سب سے بہترین مخلوق کے قول سنائیں گے۔قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔پس تم جہاں کہیں انہیں پاؤ تو انہیں قتل کر دو کیونکہ جو انہیں قتل کرے گا قیامت کے دن اسے اجر ملے گا۔اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔۔۔۔۔۔امام ابن منذر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں کسی کو بھی نہیں جانتا جس نے خوارج کی تکفیر میں علمائے حدیث کی موافقت کی ہو۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے کافر نہ ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے۔محیط میں ہے کہ بعض فقہاء اہل بدعت میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے جبکہ بعض فقہاء بعض ان اہل بدعت کی تکفیر کرتے ہیں جو اپنی بدعت سے کسی دلیل قطعی کی مخالفت کرتے ہوں۔اور انہوں نے اسے اکثر علمائے اہل

سنت کی طرف منسوب کیا ہے۔اور پہلی بات جو نقل کی گئی وہ زیادہ ثابت ہے۔اہل مذاہب کے کلام میں کافر بنانا بہت زیادہ ہے جبکہ فقہاء جو مجتہدین ہیں ان کے کلام میں ایسا نہیں ہے۔بلکہ ان کے کلام میں ہے جو مجتہد نہیں ہیں۔غیر مجتہد کا کوئی اعتبار نہیں اور مجتہدین سے اس مسئلہ میں جو منقول ہے وہ ہم نے ذکر کر دیا ہے اور ابن منذر مجتہدین کے مذاہب کو نقل کرنے میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

اس کے بارے میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

لکن صرح فی کتابه المسايرة بالاتفاق على تكفير المخالف فيما كان من أصول الدين و ضرورياته : كالقول بقدم العالم ،و نفی حشر الاجساد و نفي العلم بالجزئيات......و كذا فی شرح منية المصلي:ان ساب الشيخين و منكر خلافتهما ممن بناه على شبهة له لا يكفر بخلاف من ادعى أن عليا (رضی الله تعالىٰ عنه)اله و ان جبريل غلط ،لان ذلک ليس عن شبهة و استفراغ الوسع فی الاجتهاد بل محض هوى اهـ.وتماه فيه.قلت و كذا يكفر قاذف عائشة (رضی الله تعالىٰ عنها)و منكر صحبة أبيها،لأن ذلک تكذيب صريح القرآن

(ردالمحتار:ج:۶/ص:۴۱۴)

لیکن آپ نے اپنی کتاب مسایرہ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو شخص دین کے اصولوں یا ضروریات میں سے کسی کی مخالفت کرے تو بالاتفاق اس کی تکفیر کی جائے گی۔جیسے یہ کہنا کہ عالم قدیم ہے،اور اجسام کے جمع کئے جانے کی نفی کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لئے جزئیات کے علم کی نفی کرنا۔۔۔۔اور اسی طرح سے شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دینے والا اور ان کی خلافت کا انکار کرنے والا جس نے اسے شبہہ کی وجہ سے نقل کیا ہو،کافر نہیں ہوگا۔بخلاف اس شخص کے جو یہ دعویٰ کرے کہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا ہیں اور جبریل امین علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی، کیونکہ یہ دعوی شبہہ کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ ہی اجتہاد کرتے ہوئے اپنی کوشش کو صرف کرنا ہے بلکہ یہ محض نفسانہ خواہش کی وجہ سے ہے۔اور اس کا مکمل حصہ اسی میں ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر (نعوذ باللہ) تہمت لگانے والا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد محترم (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کرنے والا) کافر ہو جائے گا۔

امام ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و قد عرف من مذهب الخوارج تكفير كثير من الصحابة و من بعدهم و استحلال دمائهم و أموالهم و اعتقادهم التقرب بقتلهم الى ربهم و مع هذا لم يحكم الفقهاء بكفرهم لتأويلهم

(المغنی: ج: ۱۰/ص: ۸۳)

اور یہ بات معلوم ہے کہ خوارج کے مذہب میں (نعوذ باللہ) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں کی تکفیر بہت زیادہ ہے اور یہ بھی کہ وہ ان کے خون اور مال کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ ان کے قتل کے ذریعہ سے اللہ کا قرب چاہتے ہیں۔ اس کے باوجود فقہاء نے ان کی تاویل کی وجہ سے ان کو کافر قرار نہیں دیا۔

خلاصہ:

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعظیم و توقیر کرنا واجب ہے۔ان کی شان میں گستاخی کا مرتکب فاسق و فاجر اور ملعون ہے جبکہ ان پر سب و شتم کرنے والا کافر نہیں ہے۔خوارج نے حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی، حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکفیر کی اور ان کو مباح الدم سمجھتے ہوئے ان کے خلاف قتال کیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک شقی ابن ملجم نے حضرت امیر المؤمنین

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید بھی کر دیا۔ یقیناً ان کا صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرنا اور ان کے خلاف قتال کرنا انہیں سب وشتم کرنے سے زیادہ شدید اور قبیح وسنگین ہے تاہم اس کے باوجود فقہاء عظام اور مجتہدین کرام نے قرآن وسنت سے مستنبط اصولوں وقواعد کے پیش نظر ان کی تکفیر نہیں کی۔ مجتہدین کے اس عمل سے ان کا مسئلہ اکفار میں انتہائی محتاط ہونا اور یخرجون من دین الله افواجا کے بجائے یدخلون فی دین الله افواجا کو پسند کرنا معلوم ہوتا ہے۔ امام ابن ہمام کے قول لا عبرة لغیر الفقهاء سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تکفیر کرنا صرف ان چنیدہ اشخاص کا منصب ہے جنہیں اللہ رب کریم نے اجتہاد کے درجہ پر فائز فرمایا ہے۔

متکلمین، مفسرین، محدثین اور عام فقہاء جو درجہ اجتہاد پر نہیں پہنچے ان کا اس باب میں کوئی اعتبار نہیں چہ جائیکہ ہمارے زمانے کے مفتیان کرام یا ان کے اساتذہ یا ان کے اساتذہ کے اساتذہ فصاعدا کسی کی تکفیر کریں جن کے بارے میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ناقلون و حاکون فرمایا ہے۔ البتہ علمائے حق کا کسی مسئلہ میں مجتہدین کے مرتب کردہ اصولوں اور ان کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے کسی کی تکفیر کرنا درست ہے۔ اس پر تفصیلی بحث ان شاءاللہ ہم آخر میں کریں گے۔

یاد رہے کہ خوارج یا کسی بھی فرقہ کے ایسے عقائد ہوں جو ضروریات دین کے منافی ہوں تو ان کی تکفیر کی جائے گی۔ جیسا کہ امام عبد القاہر نے خوارج کے ایک فرقہ یزیدیہ کا ذکر کیا ہے جن کا عقیدہ یہ تھا کہ آخری زمانہ میں ایک نبی کی عجم میں بعثت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس پر اپنی کتاب نازل فرمائے گا۔ اس کا دین دین صابئہ ہوگا۔ وہ کتاب قرآن کو منسوخ کر دے گی۔ یہ فرقہ بالاتفاق اسلام سے خارج ہے کیونکہ انہوں نے ضروریات دین کی تکذیب کی ہے۔

بدعقیدہ اور بے ادب کی صحبت ومودت سے اجتناب کرنا:

گستاخ اور بے ادب کی صحبت سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ صحبت چاہے ایک لمحہ ہی کی کیوں نہ ہو، اثر رکھتی ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ نیکوں کی صحبت نیک بناتی ہے اور بدلوگوں کی صحبت بد بناتی ہے۔ بد کردار کی صحبت انسان کے کردار کو داغ دار بنادیتی ہے جبکہ بدعقیدہ کی صحبت ایمان کیلئے سم قاتل ثابت ہوتی ہے اور انسان اپنی دنیا وآخرت کو خراب کر لیتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بدعقیدہ لوگوں کی صحبت ومودت سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَ هُمْ أَوْ أَبْنَاءَ هُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُون

(المجادلۃ ۲۲:۵۸)

آپ ان لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے دشمنی رکھتا ہے خواہ وہ ان کے باپ (اور دادا) ہوں یا بیٹے (اور پوتے) ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس (اللہ) نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور انہیں اپنی روح سے تقویت بخشی ہے، اور انہیں (ایسی) جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی (اللہ والوں) کی جماعت ہے، یاد رکھو! بیشک اللہ (والوں) کی جماعت ہی مراد پانے پالی ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ (الأنعام ۶:۶۸)

اور جب کبھی تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں (کج بحثی اور استہزاء میں) مشغول ہوں تو تم ان سے کنارہ کش ہو جایا کرو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان تمہیں (یہ بات) بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد تم (کبھی بھی) ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھا کرو۔

حضرت اویس قرنی علیہ الرحمۃ نے ہرم بن حیان سے فرمایا:

ایاک ان تفارق السنة و الجماعة فتفارق دینک و أنت لا تشعر فتدخل النار یوم القیامة۔ (شرح بدء الامالی:ص:۴۲)

تم اہل سنت و جماعت سے علیحدہ ہونے سے اجتناب کرنا ورنہ تم اپنے دین کو چھوڑ بیٹھو گے اور تمہیں معلوم بھی نہ ہوگا اور قیامت کے دن تمہیں آگ میں داخل کیا جائے گا۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت رجلا الوفاة فقیل له :قل لا اله الاالله ،قال:لاأقدر کنت أصحب قوما یأمرونني لشتم أبي بکر و عمر رضی الله تعالیٰ عنهما۔ (شرح الصدور:ص:۴۷)المکتبۃ الحقانیۃ

ایک شخص کی موت کا وقت آیا تو اس سے کہا گیا کہ تو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھ،اس نے کہا میں اس کی قدرت نہیں رکھتا کیوں کہ میں ان کی صحبت میں بیٹھتا تھا جو مجھے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو (نعوذ باللہ) گالیاں دینے کی دعوت دیتے تھے۔

(شرح الصدور:باب مایقول الانسان فی مرض الموت)

ہمارے زمانہ میں بہت سے لوگ العیاذ باللہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور بعض تو اتنے جری ہیں کہ ما کان و ما یکون کے معلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علم وعقل،فقید المثال معجزات اور حسین ترین ذات و کردار کو اپنے محدود علم اور ناقص عقل کے ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں۔جبکہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے سامنے صرف محبت کے ساتھ سمعنا و صدقنا و اطعنا کی اجازت ہے۔وہ ذات اقدس اس سے کہیں بلند ہے کہ کوئی اس مبارک ہستی کی ذات و صفات کو(نعوذ باللہ) بطور تنقید زیر بحث لائے۔یقیناً ایسے شخص کے خبیث ہونے میں کوئی شک نہیں۔اللہ رب العزت ظاہری و باطنی ادب کی توفیق عطا فرمائے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

نبوت اور عقیدہ ختم نبوت

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہدایت کے لئے اپنے انبیاء کرام اور رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے۔ عقیدہ رسالت وہ بنیادی عقیدہ ہے جس سے کبھی بھی کسی نبی کی تعلیمات خالی نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء ورسل پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

و من يكفر بالله و ملائكته و كتبه ورسله و اليوم الاخر فقد ضل ضلالا بعيدا ٥　　(النساء۴:۱۳۶)

اور جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسول (ﷺ) کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو بے شک وہ دور دراز کی گمراہی میں بھٹک گیا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

و لقد جاء هم رسول منهم فكذبوه فأخذهم العذاب و هم ظالمون ٥　　(النحل۱۶:۱۱۳)

اور بے شک ان کے پاس انہی میں ایک رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس انہیں عذاب نے آپکڑا اور وہ ظالم ہی تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جب ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

أن تؤمن بالله و ملائكته و كتبه ورسله واليوم الاخر و تؤمن بالقدر خيره و شره۔

(مسلم: کتاب الایمان: باب الایمان والاسلام والاحسان)

ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے ملائکہ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور یہ کہ تم ایمان لاؤ اچھی اور بری تقدیر پر۔

امام ابو بکر جصاص رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و اعلم ان الایمان بالانبیاء و الرسل و الملائکة واجب قطعی و أن جاحده یکفر۔ (شرح بدء الامالی:ص:۲۴۰)

اور جان لو کہ بے شک انبیاء کرام، رسولوں اور ملائکہ پر ایمان لانا قطعی طور پر لازم ہے اور ان کا انکار کفر ہے۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور رسل عظام پر ایمان لانا لازم اور ضروریات دین میں سے ہے۔ جو کوئی کسی بھی نبی کی نبوت کا انکار کرے گا تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نبی کی تکذیب دراصل اللہ کی تکذیب ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مجموعی تعداد تقریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ جن میں سے بعض کا ذکر قرآن مجید میں نام کے ساتھ کیا گیا ہے جبکہ کئی ایک کا ذکر قرآن صراحت کے ساتھ قرآن حکیم میں ذکر نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد ارسلنا رسلا من قبلک منهم من قصصنا علیک و منهم من لم نقصص علیک۔ (غافر۴۰:۷۸)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا، ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ پر بیان فرمادیا اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے (ابھی تک) آپ پر بیان نہیں فرمایا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

قلت یا رسول الله (ﷺ) ای الانبیاء کان اول ؟قال: ادم(علیه السلام)، قلت :یا رسول الله (ﷺ) و نبی کان؟ قال:نعم،نبی مکلم، قلت:یا رسول الله (ﷺ) کم المرسلون قال :ثلث مائة و بضعه عشر جما غفیرا و فی روایة عن ابي امامة قال ابو ذر:قلت یا رسول الله (ﷺ) کم وفاء عدة الانبیاء ؟قال:مائة الف و اربعة و عشرون الفا الرسل من ذلک ثلث مائة و خمسة عشر جما غفیرا۔ (مشکوٰۃ المصابیح:رقم الحدیث:۵۴۹۰)

میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے نبی کونسے ہیں؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: آدم علیہ السلام، میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ نبی تھے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں، وہ کلام فرمانے والے نبی تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ رسول کتنے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: تین سو اور کچھ کا جمع غفیر۔ یا ایک روایت میں آتا ہے جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کل انبیاء کی تعداد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے رسول تین سو پندرہ کا جمع غفیر ہیں۔

انبیاء کرام اور رسولوں علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں وارد یہ حدیث خبر واحد ہے۔ اسی لئے اس ذکر کردہ تعداد کا انکار کفر نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم میں جن انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر نام کے ساتھ قطعی طور پر ہوا ہے ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱) حضرت سیدنا آدم علیہ السلام　　۲) حضرت ادریس علیہ السلام
۳) حضرت نوح علیہ السلام　　۴) حضرت ہود علیہ السلام
۵) حضرت صالح علیہ السلام　　۶) حضرت لوط علیہ السلام
۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام　　۸) حضرت اسماعیل علیہ السلام
۹) حضرت اسحاق علیہ السلام　　۱۰) حضرت یعقوب علیہ السلام
۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام　　۱۲) حضرت شعیب علیہ السلام
۱۳) حضرت ایوب علیہ السلام　　۱۴) حضرت یونس علیہ السلام
۱۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام　　۱۶) حضرت ہارون علیہ السلام
۱۷) حضرت یسع علیہ السلام　　۱۸) حضرت الیاس علیہ السلام
۱۹) حضرت داود علیہ السلام　　۲۰) حضرت سلیمان علیہ السلام
۲۱) حضرت زکریا علیہ السلام　　۲۲) حضرت یحیٰ علیہ السلام
۲۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام
۲۴) خاتم النبیین، حبیب رب العالمین، رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ و بارک وسلم

مذکورہ بالا انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کے قطعی ثبوت پر امت کا اجماع ہے۔ان کے علاوہ وہ تمام اشخاص جن کی نبوت قطعی طور پر ثابت نہیں ان کی نبوت کا انکار کفر نہیں ہے۔ہر شخص پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے وہ سب پر ایمان لائے۔البتہ جن حضرات کا نبی ہونا قطعی طور پر ثابت نہیں ان کے معاملہ میں سکوت اختیار کرنا بہتر ہے تاہم اگر کسی نے ان کے نبی ہونے کا انکار کر دیا تو کفر ثابت نہیں ہوگا۔امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں:

> **و قال: لا أدری فی الانبیاء رسل ؟أم قال: لا أدری موسیٰ و عیسی علیهما السلام مرسلین أو غیر مرسلین ،فقد کفر أیضا لانه انکر النص۔** (شرح بدء الامالی :ص:۲۰۹)

> کسی نے کہا: میں نہیں جانتا کہ انبیاء میں سے کوئی رسول بھی ہے۔یا اس نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام رسول ہیں ۔یا وہ دونوں رسول نہیں ہیں۔وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے نص کا انکار کیا۔

حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی نبوت قطعی طور پر ثابت ہے اسی لئے اس کا انکار کفر ہے۔البتہ وہ شخصیات جن کے نبی ہونے پر اجماع نہیں ان کی نبوت کا انکار کفر نہیں ہے۔جیسے حضرت خضر اور ذو الکفل علیہما السلام وغیرہ۔ان دونوں بزرگان کے نبی ہونے پر اجماع نہیں ہے۔شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> **ولا بانکار نبوة الخضر و ذي الکفل علیهما السلام لعدم الاجماع علی نبوتهما۔** (البحر الرائق :ج:۵/ص:۱۹۵)

> حضرت خضر اور ذو الکفل کی نبوت کے انکار سے بھی کافر نہیں ہوگا کیونکہ ان دونوں کی نبوت پر اجماع نہیں ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

> **و سئل ابن مقاتل عمن أنکر نبوة الخضر و ذي الکفل فقال کل من لم تجتمع الامة علی نبوته لا یضره أن یجحد نبوته و لو قال: لو کان فلانا نبیا لم أومن به فقد کفر کذا فی المحیط۔**
>
> (الفتاویٰ الھندیۃ :ج:۲/ص:۲۶۳)

ابن مقاتل سے حضرت خضر اور حضرت عیسی علیہما السلام کی نبوت کا انکار کرنے والے کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: ہر وہ شخص جس کی نبوت پر امت کا اجماع نہیں ہے اس کی نبوت کا انکار نقصان نہیں پہنچاتا۔ اگر اس نے کہا کہ اگر فلاں نبی ہوتا تو میں تب بھی اس پر ایمان نہیں لاتا، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح محیط میں ہے۔

مذکورہ بالا علماء کے اقوال سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت خضر اور ذو الکفل علیہ السلام کی نبوت پر کیونکہ اجماع نہیں ہے اور ان کے نبی ہونے میں اختلاف ہے لہذا ان کے نبی ہونے کا انکار کفر نہیں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

عن جعفر فيمن يقول: آمنت بجميع أنبيائه و لا اعلم ان آدم عليه السلام نبي أم لا يكفر كذا في العتابية۔

(الفتاویٰ الھندیۃ: ج:۲/ص:۲۶۳)

جعفر سے منقول ہے اس شخص کے بارے میں جو یہ کہے کہ میں تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا ہوں مگر یہ نہیں جانتا کہ آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح عتابیہ میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں شرح عقائد میں ہے:

(و اول الانبياء آدم و آخرهم محمد عليهما السلام) اما نبوة آدم عليه السلام فبالكتاب الدال على انه قد امر و نهى مع القطع بانه لم يكن في زمنه نبي آخر فهو بالوحي لا غيرو كذا السنة و الاجماع فانكار نبوته على ما نقل عن البعض يكون كفرا۔

(شرح العقائد النسفیۃ: ص:۱۳۶)

سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کا تعلق ہے تو کتاب اللہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے امر اور نہی قطعی طور پر فرمایا ہے جبکہ ان کے دور میں کوئی اور نبی بھی نہیں تھے۔ پس یہ

بذریعہ وحی ہی ہوگا۔اسی طرح سنت اور اجماع سے آپ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہے۔پس آپ کی نبوت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض علماء سے منقول ہے، کفر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کا ثبوت قرآن وسنت سے ہے اور اس پر قطعی اجماع ہے لہذا آپ کی نبوت کا انکار کفر ہے۔

ختم نبوت:

نبوت و رسالت کا سلسلہ امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے۔آپ علیہ الصلاۃ والسلام اللہ تعالٰی کے آخری نبی اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہونے والی کتاب اللہ تعالٰی کی آخری کتاب ہے۔قرآن مجید کی نصوص اور بکثرت احادیث مبارکہ عقیدۂ ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔تمام مسلمانوں کا ہر دور میں اس پر اجماع رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد کسی کو بھی نبوت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خاتمیت پر ایمان ضروریات دین میں سے ہے یعنی یہ عقیدہ اپنے ثبوت کے اعتبار سے اس قدر قطعی ہے کہ اس کے بغیر دین وایمان کا قائم رہنا ممکن نہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اور وصال مبارک کے بعد بھی کئی افراد نے نبی بننے کی کوشش کی لیکن امت نے مجموعی طور پر ہر دور میں ان کذابوں اور دجالوں کو بلا لیت ولعل رد کر دیا۔ان میں اسود عنسی، طلیحہ، مسلیمہ کذاب سجاح بنت حارث، مختار ثقفی، حارث کذاب وغیرہ کے علاوہ زمانہ قریب کا مرزا قادیانی مشہور ہیں۔ایمان کا محور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔اسی لئے دشمنان اسلام نے ہر دور میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نقائص وعیوب سے پاک ذات اقدس کو نعوذ باللہ تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔جس کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات مبارک سے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے تاکہ پھر دین وایمان کی عمارت کو مسمار کرنا آسان ہو جائے۔مسلیمہ کذاب ہو یا مرزا قادیانی اللہ تعالٰی نے ہر دور میں ایسے برگزیدہ بندہ پیدا فرمائے جنہوں نے جھوٹے مدعیان نبت کے خلاف سیفی، قلمی اور علمی جہاد فرمایا۔حدیث شریف میں وارد ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلاثین کلهم یزعم انه رسول الله۔ (مسلم:۷۲۱۴)

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ بہت جھوٹ بولنے والے دجال ظاہر نہ ہوں۔ان کی تعداد تقریباً تیس ہوگی۔ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

اب ہم قرآن وسنت کی روشنی میں اختصار کے ساتھ یہ بیان کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا آخری نبی ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔

ختم نبوت اور قرآن سنت:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صریح ارشاد فرماتا ہے:

ما کان محمد اباء احد من رجالکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین و کان الله بکل شیئا علیما ○ (الاحزاب۳۳:۴۰)

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں ہیں،اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے صریح ارشاد فرما دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس لئے خاتم ہیں کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نبوت کو ختم و مکمل فرما دیا ہے۔قوم کے آخری شخص کو بھی خاتم کہا جاتا ہے۔حضرت امام نصر علی بن محمد فارسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و الوجه ان المعنی:اخر النبیین و عن الحسن انه قال:خاتم هو الذی یختم به و المعنی انه ختم بی النبیون و الذی یختم به یقال فیه خاتم و خاتم بالفتح و الکسر جمیعا و قرأ الباقون (و

خـاتـم)بـکسـر التاء و الوجه انه فاعل من ختم یختم و المراد انه یختم النبیین (علیه الصلاۃ و السلام)

(الکتاب الموضح فی وجوہ القراءات وعللھا: ج:۲/۱۰۳۶)

خاتم النبیین سے مراد سب سے آخری نبی ہے۔حضرت حسن سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا خاتم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کسی چیز کوختم کیا جاتا ہے۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذریعے سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہوگیا۔جس کے ذریعہ سے ختم کیا جائے اسے خاتم اور خاتم فتحہ اورکسرہ دونوں کے ساتھ بولا جاتا ہے۔باقی علماء نے اسے تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ ختم یختم سے فاعل ہے جس کا مطلب یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔

خاتم النبیین سے مراد یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ سلم آخری نبی ہیں اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ سے نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔اب کسی کو بھی نبوت عطا نہیں کی جائے گی اور نہ ہی کوئی نبی پیدا ہوگا۔لفظ خاتم کی کوئی بھی ایسی تاویل کرنا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آخری نبی نہیں ہیں کفر ہے۔کیونکہ یہ تاویل قرآن وسنت کی واضح نصوص اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

الیـوم اکـملت لکم دینکم اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ط (المائدۃ۵:۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اورتم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین پسند کرلیا۔

دین مکمل ہو چکا ہے۔اتمام اور اکمال دین کے بعد کسی بھی نبی اور رسول یا نئی کتاب کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔دین کا مکمل ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین والرسل ہیں۔

سورۃ الاعراف میں اللہ نے ارشاد فرمایا:

يا يها الناس انى رسول الله اليكم جميعا الذى له ملك السموات و الارض لا اله الا هو يحى و يميت فامنوا بالله و رسوله النبى الذى يؤمن بالله و كلمته و اتبعوه لعلكم تهتدون ○

(الاعراف ۷:۱۵۸)

آپ فرمادیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں جس کے لئے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور مارتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو (شان امیت کے حامل) نبی ہے جو اللہ پر اور اس کے کلاموں پر ایمان رکھتا ہے اور تم انہی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پا سکو۔

ایک اور مقام اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وما ارسلنک الا كافة للناس بشيرا و نذيرا و لكن اكثر الناس لا يعلمون ○ (سبا ۳۴:۲۸)

اور (اے حبیب مکرم ﷺ) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ ﷺ) پوری انسانیت کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام قیامت تک کے لئے تمام کی طرف نبی ہیں۔ اسی لئے کسی اور نبی کو مبعوث نہیں کیا جائے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

و ما ارسلنک الا رحمة للعالمين ○ (الانبیاء ۲۱:۱۰۷)

اور (اے رسول محتشم ﷺ) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

مذکور الصدر آیات مقدسہ کے علاوہ بھی کئی ایک آیات مبارکہ ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کسی کو بھی تاج نبوت عطا نہیں کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تمام عالمین اور ثقلین کی ہدایت کے لئے بھیجا

گیا ہے۔دین مکمل ہو چکا ہے اور اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا۔اس میں کسی زیادتی یا کمی کی کوئی گنجائش یا ضرورت نہیں ہے۔لہٰذا اب کسی نئے نبی کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا آخری نبی ہونا تواتر اور اجماع سے بھی ثابت ہے۔ اور بکثرت احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ۔ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کریں گے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱) قال النبی صلی الله علیه واله وسلم:مثلی و مثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانه ترک منه موضع لبنة فطاف به النظار یتعجبون من حسن بنیانه الا موضع تلک اللبنة فکنت تلک اللبنة فکنت انا سددت موضع اللبنة ختم بی البنیان و ختم بی الرسل و فی روایة فانا اللبنة و انا خاتم النبیین۔

(مشکوٰۃ المصابیح:رقم الحدیث ۵۴۹۸)

میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایک خوبصورت عمارت کی طرح ہے جس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو۔دیکھنے والے اس کے اردگرد گھومیں اور اس کے حسن تعمیر پر تعجب کرنے لگیں سوائے اس اینٹ کی جگہ کے۔وہ میں ہوں جس نے اس اینٹ کی جگہ پوری کر دی ۔مجھ سے وہ عمارت مکمل ہوگئی اور رسولوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔اور ایک روایت میں آتا ہے کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

۲) قال النبی صلی الله علیه واله وسلم:أنا خاتم النبیین

(مسلم: کتاب الفضائل:باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین)

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:میں خاتم النبیین ہوں۔

۳) قال النبی صلی الله علیه واله وسلم :و انه سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلهم یزعم انه نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی (سنن ابی داؤد: کتاب الفتن والملاحم:باب :ذکر الفتن ودلائلھا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:میری امت میں تیس کذاب ہوں

گے۔ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے۔حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۴) انہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم انہ نبی و أنا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (سنن الترمذی:ج:۲/ص:۴۹۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس کذاب ہوں گے۔ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے۔حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۵) عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال: کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی

(صحیح البخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرام علیہم السلام فرماتے تھے۔جب کبھی ان میں سے کسی نبی کی وفات ہو جاتی تو ان کے بعد کوئی نبی ان کا خلیفہ بن جاتا۔میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۶) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لعلی انت منی بمنزلة ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی (صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم میرے لئے اسی طرح ہو جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے۔مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۷) ان الرسالة و النبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبی۔

(سنن الترمذی:ج:۲/ص:۵۰۰)

بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے۔میرے بعد نہ تو کوئی رسول ہے اور نہ ہی کوئی نبی ہے۔

ان احادیث کے علاوہ بکثرت احادیث ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ والہ والہ وسلم نے اپنی خاتمیت کا ذکر فرمایا ہے لیکن بخوف طوالت ہم نے ان کو ذکر نہیں کیا۔

ختم نبوت اور اقوال علماء:

اب ہم علماء عظام کے اقوال کی روشنی میں عقیدہ ختم نبوت کو بیان کریں گے۔

۱) حضرت شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اذا لم یعرف أن محمدا ﷺ اخر الأنبیاء فلیس بمسلم، لأنه من الضروریات۔ (الأشباہ والنظائر: ج:۲ /ص:۹۱)

جب وہ یہ نہیں جانتا کہ محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔

۲) عقائد نسفیہ میں ہے:

و اول الانبیاء ادم و اخرهم محمد علیهما السلام۔

(العقائد النسفیۃ: ص:۱۳۶)

اور سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

۳) امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

و نشهد ان محمدا صلی الله علیه وله وسلم رسول الله صلی الله علیه واله وسلم أرسله الی الخلق أجمعین خاتما للنبیین و ناسخا لما قبله من الشرائع۔ (المسایرۃ: ص:۱۹۹)

اور ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر اس طرح مبعوث فرمایا ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کرام کے خاتم ہیں اور اپنے سے قبل تمام شریعتوں کو منسوخ فرمانے والے ہیں۔

۴) شیخ ملا احمد جیون فرماتے ہیں:

(و خاتم النبیین ﷺ) ای لم یبعث بعده نبی قط و اذا نزل بعده عیسیٰ فقد یعمل بشریعته و یکون خلیفة له و لم یحکم بشطر

من شريعة نفسه و ان كان نبيا قبله......و المقصود انه يفهمَ من الاية ختم النبوة على نبينا عليه السلام۔

(التفسیرات الاحمدیۃ :ص:۶۲۳)

(خاتم النبیین ﷺ)یعنی آپ ﷺ کے بعد کسی بھی نبی کی ہرگز بعثت نہیں ہوگی۔اور جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو اگرچہ آپ علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ سے پہلے نبی تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔مقصد یہ ہے کہ اس آیت سے نبوت کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ختم ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۵) فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

اذا لم يعرف الرجل أن محمدا صلى الله عليه واله وسلم آخر الانبياء عليهم و على نبينا السلام فليس بمسلم كذا في اليتيمة

(الفتاویٰ الھندیۃ :ج:۲/ص:۳۶۳)

جب وہ یہ نہیں جانتا کہ محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہوگا۔کیونکہ یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔اسی طرح یتیمہ میں ہے۔

۶) امام ابوبکر جصاص رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و الله فتح بشرعه الشرائع ،و أنهى بملته الملل ،و فضله على سائر الأنبياء ،و ختمْ به الرسالة ،و سد به باب النبوة،و جعله سيد البشر و شفيع الأمة يوم المحشر صلى الله عليه واله وسلم

(شرح بدء الامالی:ص:۲۴۲)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شریعت کے ذریعہ تمام شریعتوں کو مفتوح فرمادیا ہے۔آپ ﷺ کے ذریعہ تمام ملتوں کو ختم کردیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی ہے، آپ ﷺ کے ذریعہ نبوت کو ختم کردیا ہے،آپ ﷺ کے ذریعہ نبوت کے

دروازہ کو بند کر دیا ہے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کا سرداراور محشر کے دن امت کا شفیع بنایا ہے۔اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر رحمتیں نازل ہوں اور اللہ کا سلام ہو۔

۷) امام بابرتی مصری حنفی فرماتے ہیں:

(و خاتم الانبیاء ﷺ)لقوله تعالیٰ :ما کان محمد اباء احد من رجالکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین،و لانه لما ثبتت رسالته بالبراهین العقلیة و النقلیة ثبت انه صادق فیما أخبر و قد أخبر أنه لا نبی بعده ،و قال :أنا الحاشر الذی یحشر الناس علی عقبی،فدل انه خاتم الانبیاء۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ :ص:۵۶)

(اور آپ ﷺ خاتم النبیین ﷺ ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:محمد (ﷺ)تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں ہیں،اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

اور اس لئے کہ آپ ﷺ کی رسالت عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہے۔یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنی خبر میں سچے ہیں۔آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشادفرمایا:میں حاشر ہوں،جس کے پیچھے قیامت کے دن سب جمع ہوں گے۔پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

۸) امام عبدالوھاب شعرانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اعلم ان الاجماع قد انعقد علی أنه خاتم المرسلین کما أنه خاتم النبیین(ﷺ)۔ (الیواقیت والجواھر:الجزء الثانی:ص:۲۷۹)

جان لو اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم المرسلین ہیں جیسا کہ وہ خاتم النبیین ہیں۔صلی اللہ علیہ والہ وسلم

۹) ابن حزم لکھتے ہیں:

و أنه لا نبی مع محمد ﷺ و لا بعده أبدا۔

(مراتب الاجماع:ص:۱۷۳)

اور بے شک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ نہ کوئی تھا اور نہ ہی کوئی نبی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد ہوگا۔

۱۰) امام عبدالقاہر بغدادی لکھتے ہیں:

کل من أقر بنبوة نبینامحمد صلی اللہ علیہ و الہ وسلم اقر بانہ خاتم الانبیاء و الرسل و اقر بتابید شریعتہ ومنع من نسخھا و قال ان عیسیٰ علیہ السلام اذا نزل من السماء ینزل بنصرۃ شریعۃ الاسلام و یحی ما احیاہ القرآن و یمیت ما اماتہ القرآن خلاف فرقۃ من الخوارج تعرف بالیزیدیۃ المنتسبۃ الی یزید بن انیسۃ فانھم زعموا ان اللہ عزوجل یبعث فی آخر الزمان نبیا من العجم و ینزل علیہ کتابا من السماء و یکون دینہ دین الصائبۃ المذکورۃ فی القرآن لا دین الصائبۃ الذین ھم بواسط او حران و ینسخ ذلک الشرع شرع القرآن ....و ان اقروا بالقرآن ففیہ ان محمدا صلی اللہ علیہ و الہ وسلم خاتم النبیین ،و قد تواترت الاخبار عنہ بقولہ لا نبی بعدی و من رد حجۃ القرآن و السنۃ فھو الکافر۔ (کتاب اصول الدین:ص:۱۶۲۔۱۶۳)

جس کسی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا وہ اس کا بھی اقرار کرے گا کہ آپ ﷺ تمام انبیاء اور رسولوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والا اس بات کا بھی اقرار کرے گا کہ آپ ﷺ کی شریعت ابدی ہے اور کبھی منسوخ نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب آسمان سے نزول ہوگا تو آپ علیہ السلام شریعت اسلامیہ کی نصرت کے لئے نازل ہوں گے اور جس چیز کو قرآن نے زندہ کیا تھا اس کو زندہ رکھیں گے اور جس کو قرآن نے ختم کردیا آپ علیہ السلام بھی اس کو ختم

کر دیں گے۔ برخلاف خوارج کے ایک فرقہ کے جو یزیدیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ یزید بن انیسہ کی طرف منسوب ہے۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخری زمانہ میں ایک نبی عجم میں بھیجے گا اور اس پر آسمان سے ایک کتاب نازل فرمائے گا۔ اس کا دین صائبہ کا دین ہوگا جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ ان صائبہ کا دین نہیں جو واسط یا حران میں ہیں۔ اس کی شریعت قرآن کی شریعت کو منسوخ کر دے گی...... اگر وہ قرآن کا اقرار کریں تو اس میں موجود ہے کہ بے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے متواتر احادیث مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جس نے قرآن اور سنت کی حجت کو رد کیا وہ کافر ہے۔

۱۱) امام الصوفیاء شیخ اکبر محی الدین ابن عرب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و ختم بمحمد صلی اللہ علیه و اله وسلم جمیع الرسل علیهم السلام و ختم بشرعه جمیع الشرائع فلا رسول بعده یشرع و لا شریعة بعد شریعته تنزل من عند اللہ۔

(الفتوحات المکیۃ: الباب الثانی والستون واربعمائۃ)

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذریعہ تمام رسولوں کا سلسلہ ختم فرمادیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذریعہ تمام شریعتوں کو ختم کردیا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد نہ کوئی رسول ہے جو نئی شریعت لائے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد اللہ کی طرف سے کوئی شریعت نازل کی جائے گی۔

۱۲) حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ثم من حکم اللہ ان یختم بمحمد علیه السلام النبوة و ان لایرسل الی امته بعده رسولا۔ (کتاب التوحید: ص:۱۴۶)

اللہ کے حکم میں سے ہے کہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ختم ہو جائے اور نہ بھیجے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت کی طرف کسی اور رسول کو۔

قرآن وسنت اور علماء عظام کے ان تمام اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے۔ پس جو کوئی بھی اس کا انکار کرے گا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خاتمیت کا انکار قطعاً کفر ہے اور اس بات کے کفر ہونے میں شک کرنا بھی کفر ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

عقیدہ ختم نبوت پر بعض حضرات کی طرف سے ایک اشکال کیا جاتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو پھر حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول کیونکر ممکن ہے؟

اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب بہت ہی خوبصورت انداز میں دیا ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

عیسی بن مریم کے نزول کی نسبت کہا جاتا ہے کہ نبوت ورسالت کے دو رخ ہیں۔ یا یوں کہو بطون وظہور ہے۔ بطون عبارت ہے اخذ کرنے فیضان سے منجانب اللہ، جس کو خدا کے ہاں مقربین میں سے ہونا لازم غیر منفک ہے۔ اور ظہور عبارت ہے توجہ الی الخلق سے، یعنی تبلیغ شرائع و احکام کی۔ اس ظہور میں تو بسبب تغیر وتبدل شرائع کے انقلاب آسکتا ہے۔ نبی لاحق کی شریعت کیونکہ ناسخ ٹھہری نبی سابق کی شریعت کے لئے، تو نبی سابق کو بھی برتقدیر موجود ہونے اس کے نبی لاحق کی شریعت کے زمانہ میں اپنا شرع چھوڑ کر شرع لاحق کے ساتھ عمل درآمد کرنا ہوگا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر موسی علیہ السلام زندہ ہوتا تو اس کو بھی بغیر میری شریعت کے عمل درآمد کرنا جائز نہ ہوتا۔ اور اس عمل درآمد کے تغیر وتبدل سے وہ نبوت کا بطون جس کو قرب الٰہی اور عند اللہ معزز ہونا لازم ہے ہرگز متغیر نہیں ہوتا۔ کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی اجازت دی اور بعد اس کے جب بیت اللہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت ورسالت میں فرق آگیا یا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس قدر ومنزلت سے جو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پہلے بارگاہ خداوندی میں حاصل تھی معزول کئی گئے؟ ہرگز نہیں۔

الحاصل بطون نبوت مع لازم اپنے کے جو قرب ہے، کبھی انبیاء ورسل سے زائل نہیں

ہوتا۔ بخلاف ظہور نبوت وتبلیغ شرائع اپنے کے کہ یہ محدود ہے تا ظہور نبوت نبی لاحق کے۔ اور نبوت و رسالت انبیاء سابقہ کا بطون گو کہ دائمی ہے مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ان کا ملا ہے لہذا خاتم النبیین کی مہر کو اگر سارے انبیاء دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد دنیا میں آجائیں تو بھی نہیں توڑ سکتے۔ (سیف چشتیائی: ص: ۲۳)

مختصر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتم النبیین علیہ الصلاہ والسلام ہیں۔ آپ ﷺ پر نبوت ورسالت کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد اب کسی بھی شخص کو تاج نبوت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔ یہ عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے۔ اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی بھی قسم کی تاویل جو کسی کے نئے نبی بننے کا راستی کھولتی ہو گمراہیت اور کفر ہے۔

جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر عبدالستار ابو غدہ　　اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

نظر ثانی واشاعت: ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

450 صفحات، قیمت 300 روپے عمدہ ایڈیشن

ناشر: ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی

پوسٹ بکس نمبر 17777 گلشن اقبال کراچی

غلط اندازِ فکر اور غلط ترجمہ کی آفات

حضرت علامہ سید محمد ذاکر حسین شاہ صاحب سیالوی کی تازہ تصنیف شائع ہوگئی ہے......

الرضا بالکفر کفر

''کفر پر راضی ہونا کفر ہے''

رضا ناراضگی کی ضد ہے۔حدیث شریف میں دعا منقول ہے:

اللھم انی أعوذ برضاک من سخطک

یعنی اے اللہ میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں۔

رضا مندی اور ناراضگی کا تعلق دل سے ہے۔یہ افعال قلب میں سے ہیں جن کا براہ راست اثر انسان کے عمل وفکر پر ہوتا ہے۔انسان جس چیز سے راضی ہوتا ہے وہ اس کی طرف نظری اور عملی طور پر مائل رہتا ہے جبکہ ناراضگی کی صورت میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ایمان میں داخل ہونے کے بعد ایک مومن سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کفر پر کسی بھی طور پر راضی ہو۔یہاں تک کہ حالت اضطرار میں بھی بظاہر کلمہ کفر ادا کرنے کی رخصت اسی صورت میں ہے جبکہ دل کفر پر راضی نہ ہو۔فقہاء کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں کفر کے ساتھ راضی ہونے کو کفر فرمایا ہے کیونکہ کفر کے ساتھ راضی ہونے کا مطلب دل کا ایمان سے خالی ہونا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم و لا یرضی لعبادہ الکفر

(الزمر ۳۹:۷)

اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔

پس جب اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں کہ بندہ کفر کا مرتکب ہو تو بندہ پر لازم ہے کہ وہ بھی کفر پر راضی نہ ہو۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

و قد نزل علیھم فی الکتاب ان اذا سمعتم اٰیت اللہ یکفر بھا و یستھزأ بھافلا تقعد وا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم ان اللہ جامع المنافقین و الکافرین فی جھنم جمیعا ط

(النساء ۴:۱۰۴)

اور بے شک (اللہ نے) تم پر کتاب میں یہ (حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ (انکار اور تمسخر کو چھوڑ کر) کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے۔

اس کی تفسیر میں امام قرطبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(انکم اذا مثلهم)فدل بهذا على وجوب اجتناب أصحاب المعاصي اذا ظهر منهم منكر لان من لم يجتنبهم فقد رضي فعلهم و الرضا بالكفر كفر ،قال الله عز وجل (انكم اذا مثلهم)فكل من جلس في مجلس معصية و لم ينكر عليهم يكون معهم في الوزر سواء و ينبغي أن ينكر عليهم اذا تكلموا عليهم فينبغي أن يقوم عنهم حتي لا يكون من أهل هذه الاية۔

(الجامع لأحکام القرآن: ج:۵/ص:۴۱۸)

(**انكم اذا مثلهم**) پس یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب گناہ گار لوگوں سے برائی کا صدور ہو تو ان کی صحبت سے اجتناب کیا جائے کیونکہ جو ان کی صحبت سے اجتناب نہ کرے تو وہ ان کے فعل پر راضی ہو جاتا ہے اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں تم انہی کی طرح ہو،پس ہر کوئی جو گناہ کی مجلس میں بیٹھے اور اس پر رد بھی نہ کرے تو وہ ان کے گناہ کے بوجھ میں ان کے ساتھ ہوگا۔مناسب یہ ہے کہ وہ ان کا رد کرے اور جب وہ گناہ میں مشغول ہوں تو وہ ان کی مجلس سے اٹھ جائے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

قال أهل العلم :هذا يدل على أن من رضي بالكفر فهو كافر و من رضي بمنكر يراه و خالط أهله و ان لم يباشر كان في الاثم بمنزلة المباشر بدليل أنه تعالىٰ ذكر لفظ المثل هنا.

هـذا اذا كـان الـجـالـس راضيـا بـذلك الجلوس فأما اذا كان ساخـطـا لقولهم و انما جلس على سبيل التقية و الخوف فالأمر ليس كـذلك .و لهـذه الـدقيـقة قلنا بأن المنافقين الذين كانوا يـجـالسـون اليهـود و كـانوا يطعنون في القرآن و الرسول كانوا كـافـرين مثل اولئك اليهود و المسلمون الذين كانوا بالمدينة كـانـوا بـمـكة يـجالسون الكفار الذين كانوا يطعنون في القرآن فـانهـم كـانـوا بـاقيـن عـلى الايمان .و الفرق أن المنافقين كانوا يـجـالسـون اليهـود مـع الاختيـار و الـمسلمين كانوا يجالسون الكفار عند الضرورة۔　　(التفسیر الکبیر:ج:۵/ص:۴۱۵)

اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کفر پر راضی ہو وہ کافر ہو جائے گا۔ جو کسی برائی کو دیکھتے ہوئے اس پر راضی رہے اور اہل معصیت کے ساتھ مل جائے چاہے وہ گناہ کرے یا نہ کرے وہ گناہ میں ایسا ہی شامل ہوگا جیسے اس نے گناہ کیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کلمہ ''مثل'' ارشاد فرمایا ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا ان کے ساتھ بیٹھنے پر راضی بھی ہو جہاں تک ان کی باتوں سے ناراض ہوتے ہوئے بیٹھنے کا تعلق ہے یا وہ بطور تقیہ یا کسی خوف کی وجہ سے ان کے ساتھ بیٹھا ہو تو پھر معاملہ اس طرح نہیں ہوگا۔ یعنی اس کی تکفیر و تضلیل نہیں کی جائے گی۔

اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ منافقین یہودیوں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور یہودی قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ پر نعوذ باللہ طعنہ زنی کرتے تھے اس لئے وہ منافقین بھی انہی یہودیوں کی طرح کے کافر ہیں اور وہ مسلمان جو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں کافروں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اپنے ایمان پر باقی رہے جبکہ کفار قرآن حکیم پر طعنہ زنی بھی کرتے تھے۔ اس میں فرق یہ ہے کہ منافقین یہود کے ساتھ اپنے اختیار کے ساتھ بیٹھتے تھے جبکہ مسلمان کفار کے ساتھ ضرورت کے وقت بیٹھتے تھے۔

امام قرطبی اور امام رازی علیہما الرحمۃ کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اور اہل معصیت کے ساتھ مجالست اور دنیاوی معاملات کرنا جائز ہے کیونکہ قرآن حکیم میں ''حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ '''' یہاں تک کہ وہ (انکار اور تمسخر کو چھوڑ کر) کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں'' فرمایا گیا ہے جس میں صراحت ہے کہ جب وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں تو ان کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت ہے۔ جب کفار قرآن وسنت کا انکار اور ان کے ساتھ تمسخر کر رہے ہوں تو اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱) کفار کے ساتھ اپنے اختیار سے دل سے ان کی باتوں سے راضی ہوتے ہوئے بیٹھنا۔

۲) کفار کے ساتھ اپنے اختیار سے دل سے ناراض ہوتے ہوئے بیٹھنا جبکہ زبان سے ان کا رد بھی ہو۔

۳) کفار کے ساتھ اپنے اختیار سے دل سے ناراض ہوتے ہوئے بیٹھنا جبکہ زبان سے ان کا رد نہ ہو۔

۴) کفار کے ساتھ ضرورت کے وقت دل سے ناراض ہوتے ہوئے بیٹھنا جبکہ زبان سے ان کا رد ہو۔

۵) کفار کے ساتھ ضرورت کے وقت دل سے ناراض ہوتے ہوئے بیٹھنا جبکہ زبان سے ان کا رد نہ ہو۔

ان تمام صورتوں میں کفر صرف اسی وقت ثابت ہوگا جب کفار کی باتوں کو سننے کے بعد دل میں بھی برا نہ جانا جائے کیونکہ فان لم یستطع فبقلبہ (اگر وہ اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ برائی کو زبان سے روکے تو پھر دل سے برا جانے) کو'' اضعف الایمان ''ایمان کا کمزور ترین درجہ کہا گیا ہے۔ البتہ اگر کوئی مسلمان ان کے ساتھ اس لئے بیٹھے کہ ان کے رازوں کو حاصل کرے یا ان کے دلائل معلوم کرے یا کسی اور ضرورت کے تحت ان سے مجالست کرے جبکہ دل ان کے کفر پر راضی نہ ہو تو اس صورت میں اس مسلمان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ کفر کے ساتھ عدم رضا اس کے ایمان کی علامت ہے۔ اگر اس نے بغیر کسی عذر کے زبان یا اعضاء سے ان کے ساتھ کفر میں حصہ لیا یا ان کی باتوں کو دل سے قبول کر لیا یا ایمان میں شک کو قبول کیا تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنا چاہیئے البتہ ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اکفار المسلمین سے بھی گریز کرنا ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا عملت الخطیئة فی الارض من شهد فکرهها کان کمن غاب عنها و من غاب عنها فرضیها کان کمن شهدها۔

(مشکوٰۃ المصابیح: رقم الحدیث: ۴۹۱۲)

جب زمین میں گناہ کیا جائے تو جو وہاں حاضر ہو اور اسے ناپسند کرے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ وہاں سے غائب ہو اور جو وہاں سے غائب ہو مگر اس گناہ کے ساتھ راضی ہو گویا وہ ایسے ہی ہے جیسے وہاں حاضر ہو۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ خاخ کے باغ میں جاؤ۔ وہاں ایک مسافر عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہوگا۔ تم اس سے وہ خط لے لینا۔ ہم لوگ روانہ ہو گئے۔ ہم نے اپنے گھوڑوں کو دوڑایا پھر ہم کو ایک عورت ملی۔ ہم نے اس سے کہا کہ خط نکالو۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے اس سے کہا کہ خط نکالو ورنہ تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ اس نے اپنے بالوں کے گچھے سے خط نکال کر دیا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس خط لے کر آئے، یہ خط حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اہل مکہ کے بعض مشرکین کی طرف تھا جس میں آپ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے بعض منصوبوں سے مطلع کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ میں قریش کے ساتھ چسپاں تھا_ سفیان نے کہا وہ ان کے حلیف تھے اور قریش میں سے نہ تھے_ آپ کے ساتھ جو مہاجر ہیں، ان کی وہاں رشتہ داریاں ہیں، ان رشتہ داریوں کی بناء پر قریش ان کے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے۔ میں نے یہ چاہا کہ ہر چند کہ ان سے میرا کوئی نسبتی تعلق نہیں تاہم میں ان پر ایک احسان کرتا ہوں جس کی وجہ سے وہ مکہ میں میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔

"و لم افعله کفرا ولا ارتدادا عن دینی و لا رضا بالکفر بعد الاسلام"

"میں نے یہ اقدام کسی کفر کی وجہ سے نہیں کیا، نہ میں نے مرتد ہونے کی وجہ سے ایسا کیا اور نہ اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب ایسا کیا ہے"

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "صدق" "اس نے سچ کہا" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: **دعنی یا رسول اللہ ﷺ اضرب عنق هذا المنافق** یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ غزوہ بدر میں حاضر ہوا ہے۔ تم کیا جانو کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے تمام حالات سے واقف ہے اور اس نے ارشاد فرمایا: **اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم** تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

(صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ: باب: من فضائل اھل بدر رضی اللہ عنھم)

وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہوں نے غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ پر اپنی جان اور مال کو صرف کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر اس انعام سے نوازا کہ ان کی نیکیوں کی وجہ سے ان کے گزشتہ تمام گناہوں کو بخش دیا اور اس عمل سے وہ اس فضل کے اہل ہو گئے کہ آخرت میں ان سے کسی گناہ پر مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ دنیاوی اعتبار سے ان پر احکام شرعیہ کا اجراء ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں بیان ہوا ہے کہ حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افک کی وجہ سے اور حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں شراب پینے کی وجہ سے حد جاری ہوئی۔ یہ دونوں صحابہ کرام بدری صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں سے ہیں۔ مذکورہ آیت مقدسہ اور حدیث شریف میں ان کے لئے اس بات کی بشارت بھی ہے کہ ان کا خاتمہ بالایمان ہی ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اعلان فرمادیا کہ اب وہ جو چاہیں کریں اللہ نے ان کی مغفرت فرما دی ہے یعنی ہمیشہ کے لئے ان کو ارتداد اور کفر و شرک سے پاک کردیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے راز کو مشرکین سے بیان کرنا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے خیانت کرنا بظاہر کفر ہے اسی لئے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دینی غیرت وحمیت کی وجہ سے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی تصدیق کے بعد بھی منافق کہا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جانب سے تصدیق کی وجہ سے اس کا تعین ہو گیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح مکہ سے قبل مشرکین کی طرف وہ خط کفر و نفاق کی وجہ سے ارسال نہیں کیا تھا۔ اس حدیث شریف میں حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب قابل غور ہے جس میں آپ نے اپنے ایمان کا اظہار اس طرح سے فرمایا:

"و لم افعلہ کفرا ولا ارتدادا عن دینی و لا رضا بالکفر بعد الاسلام"

''میں نے یہ اقدام کسی کفر کی وجہ سے نہیں کیا، نہ میں نے مرتد ہونے کی وجہ سے ایسا کیا اور نہ اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب ایسا کیا ہے''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اسی لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارتداد کی نفی کے بیان کے ساتھ اس کی وضاحت فرمادی کہ میں نے یہ عمل کفر پر راضی ہونے کے سبب نہیں کیا۔

حضرت امام ابوبکر رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و اعلم :من نوی الکفر یکفر و یخرج عن دین الاسلام فی الحال لأن الھم بالکفر یزیل التصدیق فاذا زال التصدیق صار منافقا و المنافق کافرو الھم بالکفر غیر مغفور بالاجماع۔

(شرح بدء الامالی:ص:۳۲۹)

جان لو کہ جس نے کفر کرنے کا ارادہ کیا وہ کافر ہو جاتا ہے اور دین اسلام سے اسی وقت نکل جاتا ہے کیونکہ کفر کا ارادہ کرنا تصدیق کو زائل کر دیتا ہے اور جب تصدیق زائل ہو جائے تو انسان منافق ہو جاتا ہے اور منافق کافر ہے۔اس بات پر اجماع ہے کہ کفر کا ارادہ کرنا معاف نہیں کیا جاتا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

الرضا بالکفر کفر (الفتاویٰ قاضی خان :ج:۲/ص:۴۶۷)

کفر کے ساتھ راضی ہونا کفر ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

اذا لقن الرجل رجلا کلمۃ الکفر فانہ یصیر کافرا و ان کان علی وجہ اللعب و کذا اذا امر الرجل امرأۃ الغیر ان ترتد و تبین ھی من زوجھا یصیر ھو کافرا ھکذا روی عن أبی یوسف رحمہ اللہ و عن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ أن من امر الرجل ان یکفر کان الأمر

کافرا کفر أو لم یکفر و قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله :اذا علم الرجل رجلا کلمة الکفر یصیر کافرا اذا علمه أو أمره بالارتداد و کذا فیمن علم المرأة کلمة الکفر انما یصیرهو کافرا اذا امر ها بالارتداد لانه رضی بکفر المامور و من رضی بکفر الغیر یصیر کافرا۔　　(الفتاویٰ قاضی خان :ج:۲/ص:۴۶۶)

اگر کوئی شخص دوسرے فرد کو کفر کی بات کہنے کی تلقین کرے تو وہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔اگر چہ اس نے یہ بات دل لگی یا کھیل میں کی ہو۔اسی طرح سے اگر کسی آدمی نے کسی آدمی کی عورت کو یہ کہا ''تو مرتد ہو جا'' تا کہ تو اپنے شوہر کے عقد سے نکل جائے۔تو وہ تلقین کرنے والا کافر ہو جائے گا۔امام ابو یوسف اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ حکم دینے والا کافر ہو جائے گا چاہے مامور اس کی بات پر عمل کرتے ہوئے کفر کرے یا نہ کرے ۔فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:جب کوئی شخص کسی دوسرے فرد کو کلمہ کفر سکھاتا ہے یا ارتداد کا حکم دیتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت کو کفریہ کلمہ سکھائے تو وہ اس کو ارتداد کو حکم دیتے ہی کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ جس کو حکم دے رہا ہے اس کے کفر پر راضی ہو گیا ہے اور جو کسی دوسرے کے کافر ہونے پر بھی راضی ہو جائے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔

کسی شخص کو کفر کی تلقین کرنا یا کفر پر کسی بھی دور میں راضی ہونا کفر ہے اسی لئے اگر کوئی مفتی کسی عورت کو مرتد ہونے کا مشورہ دے تا کہ وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے تو اس صورت میں وہ عورت کافر ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں وہ مفتی کافر ہو جائے گا۔

المحیط البرہانی میں ہے:

ومن رضی بکفر نفسه فقد کفر،و من رضی بکفرغیره اختلف المشائخ رحمهم الله تعالیٰ فیه،و قالوا:فی السیر الکبیر :مسألة تدل علی ان الرضا بکفر الغیر لیس بکفر و صورة ما ذکر فی

السیر :المسلمون اذا اخذوا أسیرا و خافوا أن یسلم فکعموه بشئ أی شدوا فمه بشئ حتی لا یسلم أو ضربوه حتی یشتغل بالضرب فلا یسلم فقد أساؤوا فی ذلک و لم یقل :فقد کفروا. و أشار شمس الأئمة السرخسی رحمه الله تعالیٰ فی شرحه الی ان هذه المسألة لا تصح دلیلا لأن تأویل هذه المسألة :أن المسلمین یعلمون انه لا یسلم حقیقة و لکن یظهر الاسلام تقیة لینجو عن شر القتل فلا یکون هذا منهم رضا بکفره.

و ذکر شیخ الاسلام خواهر زاده رحمه الله تعالیٰ فی شرح السیر ان الرضا بکفر الغیر انما یکون کفرا اذا کان یستجیز الکفر و یستحسنه أما اذا کان لا یستجیزه ولا یستحسنه ولکن أحب الموت أو القتل علی الکفر لمن کان شریرا مؤذیا بطبعه حتی ینتقم منه فهذا لا یکون کفرا. و من تأمل قول الله تعالیٰ :ربنا اطمس علی أموالهم و اشدد علی قلوبهم فلا یؤمنوا (یونس ١٠ :٨٨)حتی یظهر له صحة ما ادعیناه.

و علی هذا اذا ادعی علی ظالم أماتک الله علی الکفر أو قال: سلب الله عنک الایمان أو دعا علیه بالفارسیة: خدای تعالیٰ جان تو بکافری قبض کند،فهذا لا یکون کفرا اذا کان لا یستحسن الکفر و الا یستجیزه و لکن تمنی ان یسلبه الله تعالیٰ الایمان حتی ینتقم منه علی ظلمه و ایذاء ه بالخلق و قد عثرنا علی روایة أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ أن الرضا بکفر الغیر کفر من غیر تفصیل۔　　(المحیط البرھانی:ج:۷/ص:۳۹۸_۳۹۹)

اور جو اپنی ذات کے کفر پر راضی ہو جائے تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا۔اور جو کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہو اس میں مشائخ ۔اللہ تعالیٰ

ان پر رحم فرمائے- کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیر کبیر میں ایک مسئلہ ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ کسی غیر کے کفر پر راضی ہونا کفر نہیں ہے۔اس کی صورت سیر میں یہ ذکر کی گئی ہے کہ مسلمانوں نے ایک قیدی کو پکڑ لیا۔انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ یہ اسلام قبول کر لے گا تو انہوں نے کسی چیز کے ساتھ اس کا منہ باندھ دیا تاکہ وہ اسلام قبول نہ کر سکے یا انہوں نے اس کو اتنا مارا کہ وہ مار کھانے میں اتنا مصروف رہا کہ اسلام قبول نہ کر سکا۔ بے شک انہوں نے یہ برا عمل کیا۔سیر میں اس کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ انہوں نے کفر کیا بلکہ اس عمل کو اساءت بتایا گیا ہے۔شمس الائمہ امام سرخسی علیہ الرحمۃ نے اس کی شرح میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ اس بات پر دلیل نہیں بنتا کہ کفر غیر پر راضی ہونا کفر نہیں۔کیونکہ اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ ان مسلمانوں نے جان لیا تھا کہ وہ حقیقی طور پر اسلام کو قبول نہ کرے گا بلکہ اسلام کا اظہار زبان سے صرف اس لئے کرے گا کہ قتل سے خود کو بچا سکے اس صورت میں یہ ان مسلمانوں کا کفر پر راضی ہونا نہیں ہے۔

شیخ الاسلام خواہر زادہ علیہ الرحمۃ نے سیر کی شرح میں ذکر فرمایا ہے کہ کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہونا اس صورت میں کفر ہے جبکہ وہ کفر کو جائز سمجھتا ہو اور اسے بہتر قرار دیتا ہو۔اگر وہ اسے جائز نہ سمجھے اور نہ ہی اسے بہتر قرار دے بلکہ اس بات کو پسند کرے کہ یہ شریر اور فطری ایذا دینے والا آدمی کفر پر مر جائے یا کفر پر ہی قتل کر دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا۔اور جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کرے گا اس پر ہمارے دعوی کی صحت واضح ہو جائے گی۔

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی میں اسبابِ زینت اور مال و دولت (کی کثرت) دے رکھی ہے، اے ہمارے رب! (کیا تو نے انہیں یہ سب

کچھ اس لئے دیا ہے) تاکہ وہ (لوگوں کو کبھی لالچ اور کبھی خوف دلا کر) تیری راہ سے بہکا دیں ۔اے ہمارے رب! تو ان کی دولتوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں حتی کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

اسی طرح اگر کسی ظالم کے لئے بد دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ تجھے کفر پر موت دے یا اللہ تعالیٰ تجھ سے ایمان کو سلب کر لے یا اس کے لئے فارسی میں بد دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ تیری جان کفر کی حالت میں قبض کرے۔تو یہ کفرنہیں ہوگا جبکہ وہ کفر کو بہتر نہ جانتا ہو اور نہ ہی اس کو جائز سمجھتا ہو۔ بلکہ کفر کے بجائے یہ تمنا کرتا ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایمان کو سلب کر لے تاکہ اس کے ظلم اور مخلوق کو تکلیف پہنچانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے۔ہم نے امام ابو حنیفہ کی روایت کو ہی اختیار کیا ہے کہ کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہونا بغیر کسی تفصیل کے کفر ہے۔

امام ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الرضا بالکفر مستخفا بالکفر لا یکون کفرا لقوله تعالیٰ عن موسیٰ علیه السلام :واشدد علی قلوبهم فلا یؤمنوا،الایة۔

(فتاویٰ النوازل:ص:۱۸۶)

کفر پر کفر کا استخفاف کرتے ہوئے راضی ہونا کفرنہیں ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔’’اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں‘‘

عبارات مذکورہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی دوسرے کے کفر پر، کفر کو مستحسن اور جائز سمجھتے ہوئے راضی ہونا بھی کفر ہے ۔ جہاں تک ان مجاہدین کا تعلق ہے جو ایک کافر کا منہ باندھ دیں یا اسے بے ہوش کر دیں تاکہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان نہ ہو جائے تو ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ انہوں نے یہ عمل اس کے کفر سے خوش ہونے کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ وہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ اس شخص نے اہل اسلام پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے ہیں لہذا اسے اسلام قبول کرنے نہ دیا

جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کفر پر مرنے کی وجہ سے اسے جہنم کے ابدی عذاب میں داخل فرمادے۔اس عمل کے ظلم ہونے میں کوئی شک نہیں تاہم اس عمل پر ان مجاہدین کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ ہی علماء کے بیان کردہ اس مسئلہ سے یہ بات اخذ کی جائے گی الرضا بکفر الغیر کفر نہیں۔

جہاں تک ان آیات مقدسات کا تعلق ہے جن میں انبیاء کرام علیہم السلام نے کفار کیلئے کفر پر مرنے کی دعا کی ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کا یہ عمل نعوذ باللہ کفر پر راضی ہونے یا اسے اچھا سمجھنے کی وجہ سے ہرگز نہ تھا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا تو مشن ہی لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا ہوتا ہے۔جب انہیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے تو اس صورت میں وہ ان موذی شریر لوگوں کیلئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کا خاتمہ بالکفر ہی کرے تا کہ وہ ابدالاباد جہنم میں ہی رہیں۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

شیخ الاسلام خواهر زاده رحمه الله تعالیٰ فی شرح السیر ان الرضا بکفر الغیر انما یکون کفرا اذا کان یستجیز الکفر و یستحسنه أما اذا کان لا یستجیزه ولا یستحسنه ولکن أحب الموت أو القتل علی الکفر لمن کان شریرا مؤذیا بطبعه حتی ینتقم منه فهذا لا یکون کفرا .و من تأمل قول الله تعالیٰ :ربنا اطمس علی أموالهم و اشدد علی قلوبهم فلا یؤمنوا (یونس ۱۰ :۸۸)حتی یظهر له صحة ما ادعیناه .و هو المنقول عن الماتریدي،و قول بعضهم :ان جاءه کافر لیسلم فقال:اصبر حتی أتوضا أو أخره یکفر لرضاه بکفره فی زمان موافق لما روی عن الامام لکن یدل علی خلافه ما روي فی الحدیث الصحیح فی فتح مکة أن ابن أبي سرح أتی به عثمان رضی الله تعالیٰ عنه الی النبي ﷺ فقال:یا رسول الله (صلی الله علیه واله وسلم)بایعه فکف صلی الله علیه و اله وسلم یده و نظر الیه ثلاث مرات و هو معروف فی السیر ،و هو یدل بظاهره علی أن التوقف مطلقا لیس کما قاله کفرا۔(روح المعانی: ج:۳/ص:۲۲۵)

شیخ الاسلام خواہر زادہ علیہ الرحمۃ نے سیر کی شرح میں ذکر فرمایا ہے کہ کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہونا اس صورت میں کفر ہے جبکہ وہ کفر کو جائز سمجھتا ہو اور اسے بہتر قرار دیتا ہو۔ اگر وہ اسے جائز نہ سمجھے اور نہ ہی اسے بہتر قرار دے بلکہ اس بات کو پسند کرے کہ یہ شریر اور فطری ایذا دینے والا آدمی کفر پر مرجائے یا کفر پر ہی قتل کر دیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کرے گا اس پر ہمارے دعویٰ کی صحت واضح ہو جائے گی۔

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی میں اسبابِ زینت اور مال و دولت (کی کثرت) دے رکھی ہے، اے ہمارے رب! (کیا تو نے انہیں یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے) تا کہ وہ (لوگوں کو کبھی لالچ اور کبھی خوف دلا کر) تیری راہ سے بہکا دیں۔ اے ہمارے رب! تو ان کی دولتوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

امام ماتریدی اور بعض علماء رحمہم اللہ سے یہی منقول ہے کہ اگر کسی کے پاس کافر اسلام قبول کرنے کے لئے آیا تو اس نے کہا صبر کرو تا کہ میں وضو کر لوں یا اس میں تاخیر کی تو وہ کفر پر راضی ہونے کی وجہ سے اسی وقت کافر ہو جائے گا امام سے مروی ہونے کی وجہ سے۔ لیکن اس کا خلاف حدیث صحیح میں مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ابن ابی سرح کو حضرت سیدنا امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس سے بیعت لے لیں۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس سے روکے رکھا اور اس کی طرف تین بار دیکھا۔ سیر کی کتب میں یہ واقعہ مشہور و معروف ہے۔ جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کرنا مطلقا کفر نہیں جیسا کہ امام ماتریدی علیہ الرحمۃ نے اسے کفر قرار دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر چند اشخاص کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ اگر یہ کعبہ شریف کے پردے میں بھی پناہ لیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ان میں سے ایک تھا۔یہ شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ساتھ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں حاضر ہوئے تاکہ وہ بیعت کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی بیعت لینے میں توقف فرمایا تاکہ حالت کفر میں ہی اس کو کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل فرمادیں۔علامہ محمود آلوسی بغدادی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت طیبہ سے اس مسئلہ میں یہ مثال پیش کی ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ غیر کے کفر پر راضی ہونا یا اسے دائرہ ایمان میں داخل کرنے میں توقف کرنا علی الاطلاق کفر نہیں ہے۔یہ عمل کفر اسی وقت ہوگا جب کفر کو مستحسن سمجھا جائے یا کفر کو جائز سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ راضی ہوا جائے۔

کسی کو مسلمان کرنے میں تاخیر کرنا:

اگر کوئی کافر کسی مسلمان کے پس اسلام قبول کرنے کے لئے آئے تو اسے چاہیئے کہ بلا تاخیر اس کی مسلمان ہونے میں مدد کرے۔یاد رہے کہ کسی کافر کے لئے مسلمان ہونے کے لئے کسی مسلمان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اگر وہ کلمہ شہادت ادا کر لے اور کسی کتاب یا عالم کی تقریر سن کر اپنے باطل عقائد پر مطلع ہو کر اس سے توبہ کر لے تو وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا۔اگر کوئی کافر مسلمان ہونا چاہے تو اس کو مسلمان کرنے میں تاخیر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔بعض لوگوں کے پاس جب کوئی کافر مسلمان ہونے کے لئے آئے تو وہ اسے کسی بڑے پیر صاحب یا علامہ صاحب کے پاس بھیج دیتے ہیں۔اس عمل سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنا چاہیئے۔بعض علماء نے اس عمل کو اس کافر کے کچھ عرصہ کے لئے کافر رہنے پر راضی ہونے کی وجہ سے کفر کہا ہے۔اس کے کفر ہونے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

امام ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں:

کافر جاء الی مسلم فقال :اعرض علی الاسلام فقال المسلم :اذهب الی فلان و هو یعرض علیک الاسلام .

اختلف المشايخ فيه ،قيل :انه لا يكفر لأن من الكفر شئ لا يزيد بكلمة الشهادة مالم يبرأ عن دينه ،و عسى هذا الرجل لا يعلم ذلك ، وينبغي للعالم أن يبادر بتكثير أهل الاسلام مع أنه يقضي باسلام المكره تحت ظلال السيوف ۔(الفتاویٰ النوازل:ص:۲۸۸)

خلاصہ:ایک کافر ایک مسلمان کے پاس آیا۔اس سے کہا کہ مجھ پر اسلام کو پیش کرو۔اس مسلمان نے کہا کہ تم فلاں کے پاس چلے جاؤ وہ تم پر اسلام کو پیش کرے گا۔مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا۔کیونکہ بعض اوقات کفریہ عقائد ایسے ہوتے ہیں کہ وہ محض کلمہ شہادت پڑھنے سے زائل نہیں ہوتے ،اس بات کا امکان ہے کہ وہ مسلمان شخص ان کو نہ جانتا ہو۔عالم کے لئے یہ مناسب ہے وہ مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرے۔جبکہ علماء اس بات کا بھی فتوی دیتے ہیں کہ تلوار کے زور پر اگر کوئی شخص اسلام قبول کرے تو اس کا اسلام مقبول ہوگا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کافر کو مسلمان کرنے میں تاخیر کرنے کی وجہ سے مسلمان کافر تو نہیں ہوگا البتہ اس میں تاخیر کرنا مناسب نہیں۔نیز مفتیان کرام کو چاہئے کہ وہ مسئلہ اکفار میں اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ جس قدر ممکن ہو سکے وہ مسلمانوں کی تعداد کو بڑھانے کی کوشش میں اپنی قوتوں کو صرف کریں۔

خلاصہ:

۱) کسی فرد کا اپنے کفر پر راضی ہونا بلا اختلاف کفر ہے۔

۲) کسی دوسرے کے کفر پر راضی ہونے کی مختلف صورتیں ہیں:

ا۔ کفر کو جائز اور مستحسن سمجھتے ہوئے کسی کے کفر پر راضی ہونا۔کفر غیر پر راضی ہونے کے بلا تفصیل کفر ہونے سے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی یہی مراد ہے۔

ب۔ کفر کو ناجائز اور غیر مستحن سمجھتے ہوئے کسی کے کفر پر راضی ہونا تاکہ اس کافر کی موت کفر ہونے کی وجہ وہ ابدی عذاب کا مستحق ہو نیز کفر اور فتنہ وفساد پھیلانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے۔

پہلی صورت کے کفر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ دوسری صورت میں فرد کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور یہی قرآن سنت کی نصوص کا تقاضا ہے۔

ج۔ اگر کسی شخص کو اسلام قبول کروانے میں توقف یا تاخیر سے کام لیا جائے تو یہ کفر نہیں ہے۔

ایک اشکال اوراس کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر

(الکھف ۲۹:۱۸)

اور آپ فرمادیجئے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔

جب اللہ تعالیٰ نے خود یہ فرمادیا کہ جو چاہے کفر کرے اور جو چاہے ایمان لائے تو پھر کفر کرنے پر ہماری گرفت کیوں ہوگی؟

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے ہرگز اس بات پر راضی نہیں کہ وہ کفر کریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم و لا یرضی لعبادہ الکفر

(الزمر ۳۹:۷)

اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔

اللہ رب العزت نے نہ تو انسان کو مجبور پیدا فرمایا ہے اور نہ ہی اسے مطلقا اختیارات عطا فرمائے ہیں کہ یہ جو چاہے کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل، ایمان وکفر کے فرق کو واضح فرمادیا ہے اور اپنے انبیاء و رسل کو بھیج کر اتمام حجت فرما کر ہر شخص کو اختیار دیا ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے اختیار کرے۔ اگر اس نے حق کے واضح ہونے کے بعد بھی کفر وشرک کو پسند کیا تو وہ سزا کا حقدار ہوگا۔ مذکورہ اشکال کے جواب کے لئے اس پوری آیت مقدسہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا

للظلمین نارا احاط بهم سرادقها وان يستغيثوا يغاثوا بماء كالمهل يشوی الوجوه بئس الشراب و سائت مرتفقا

(الکھف ۱۸:۲۹)

اور آپ فرمادیجئے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے بیشک ہم نے ظالموں کے لئے (دوزخ کی) آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی، اور اگر وہ (پیاس اور تکلیف کے باعث) فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو بھون دے گا، کتنا برا مشروب ہے اور کتنی بری آرامگاہ ہے۔

یادرہے کہ بعض اسباب کی وجہ سے حقیقۃ کو کردیا جاتا ہے۔ان میں سے ایک سیاق نظم کی وجہ سے حقیقۃ کو ترک کرنا ہے یعنی بعض اوقات حقیقۃ کو سیاق کلام کی وجہ سے ترک کردیا جاتا ہے۔مثال کے طور پر اگر ایک مسلمان کسی حربی سے یہ کہے "أنزل" "تو نیچے اتر جا" اور وہ آجائے تو اس صورت میں اس حربی کو امان دی جائے گی۔اگر وہ کہے "أنزل ان کنت رجلا" اگر تو مرد ہے تو نیچے اتر" تو اس صورت میں وہ مامون نہیں ہوگا کیونکہ سیاق کلام سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ متکلم ہرگز اس کو پناہ دینے پر راضی نہیں۔اسی طرح سے اگر اس آیت مقدسہ کے سیاق میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے یہاں حقیقۃ کو سیاق نظم وکلام کی وجہ سے وجہ کردیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ومن شاء فليكفر کے بعد اس کی وضاحت فرمادی ہے کہ جو کوئی کفر کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔حضرت امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و بيان النوع الثالث، و هو سياق النظم فی قوله تعالیٰ :فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر انا اعتدنا للظالمين نارا فان سياق النظم يتبين ان المراد هو الزجر و التوبيخ دون الامر و التخيير۔

(اصول السرخسی :ج:۱/ص:۱۹۲-۱۹۳)

جن اسباب کی وجہ سے حقیقت کو ترک کردیا جاتا ہے ان میں تیسری قسم نظم وکلام کا سیاق ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت فمن شاء فليؤمن

ومن شا فلیکفر انا اعتدنا للظالمین نارا میں ارشادفرمایا۔ بے شک کلام کے سیاق سے یہ بات واضح ہے کہ اس سے مراد زجر وتوبیخ کرنا ہے نہ کہ یہ کفر کرنے کا حکم دیا جارہا ہے یہ کفر کرنے کا اختیار دیا جارہا ہے۔

امام حسام الدین فرماتے ہیں:

و بدلالة سياق النظم كما فی قوله تعالیٰ فمن شاء فليؤمن و من شاء فليكفر انا اعتدنا للظالمين نارا۔　　(الحسامی:ص:۱۷)

اور سیاق نظم سے حقیقت کوترک کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مقدسہ میں ارشادفرمایا:فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر انا اعتدنا للظالمين نارا

پس اگر اس آیت مقدسہ کے سیاق میں غور کیا جائے تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آیت اس لئے بیان کی گئی ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ جو کفر کا مرتکب ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔اس لئے اس آیت من شاء فليكفر میں حقیقۃ کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد زجر توبیخ کے لئے ہے۔

قارئین ومقالہ نگار حضرات سے گزارش

بعض احباب ہمیں، اخلاقیات ، فضائل ومناقب اور اعراس بزرگان دین کی مناسبت سے مضامین ، اشتہارات اور بعض مقامات وشخصیات سے جذباتی وابستگی کی مظہر تحریریں اشاعت کے لئے ارسال فرماتے ہیں ۔ جبکہ اس مجلہ کا موضوع فقہ المعاملات ہے ۔لہذا براہ کرم ہمیں فقہ المعاملات سے متعلق مواد ہی اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔

۲۔مجلہ فقہ اسلامی عوامی پرچہ نہیں بلکہ فقہ المعاملات سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ واہل علم کا ایک علمی وتحقیقی مجلہ ہے اس کے اس معیار کو مزید بہتر بنانے کے لئے معیاری مقالات کی ترسیل کی صورت میں آپ کی معاونت ہمارے لئے باعث افتخار ہوگی ۔(مجلس ادارت)

تبجیل الکافر کفر

''کافر کی تعظیم کرنا کفر ہے''

عربی زبان میں تَبْــــجِیْـــــل سے مراد کسی کی تعظیم کرنا ہے۔کسی کی تعظیم اس کے علم،بزرگی،شرافت ،دینی منصب،مال و دولت،حسب ونسب اور دیگر صفات کی وجہ سے کی جاتی ہے۔البتہ اگر قدر وشرف کا معیار بدل جائے تو ہر انسان اپنی طبیعت اور معیار کے مطابق شخصیات کی تعظیم وتوقیر کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مقرر کردہ معیار کے مطابق حقیقی طور پر ہر وہ شے لائق تعظیم ہے جس کا تعلق اللہ اور اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کی تعظیم کرنے کو خیر اور دلوں کا تقوی ارشاد فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ذلک ومن یعظم حرما ت اللہ فھو خیر لہ(الحج ۲۲:۳۰)

یہی (حکم) ہے اور جو شخص اللہ (کی بارگاہ) سے عزت یافتہ چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو وہ اس کے رب کے ہاں اس کے لئے بہتر ہے۔

ذلک ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب(الحج ۲۲:۳۱)

یہی (حکم) ہے اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے۔

کسی فرد کی تعظیم مختلف انداز سے کی جاتی ہے جیسے دست بوسی کرنا،اس کے لئے قیام کرنا یا اچھے القابات اور وہ کلمات استعمال کرنا جو تعظیم کے لئے مستعمل ہوں۔اس کا آخری درجہ کسی کی تعظیم کے لئے اپنی پیشانی کو جھکا دینا ہے۔جیسے تمام ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کرنا۔تعظیم اس وقت تعظیم بنتی ہے جب محبت کے ساتھ کی جائے اسی لئے کسی کی تعظیم کرنا اس کی طرف قلبی میلان کی دلیل ہے۔

بعض اوقات انسان کسی کی تعظیم اس کے دنیاوی منصب یا قریبی رشتہ کی وجہ سے کرتا ہے۔بعض اوقات تعظیم کرنا بخوشی اپنے اختیار سے ہوتا ہے جیسے انسان کا اپنے والدین کی تعظیم کرنا،

اور بعض اوقات مجبورا جیسے اپنے سے بڑے منصب پر فائز نا پسندیدہ شخص کی تعظیم کرنا۔اگر ہم اپنے معاشرہ کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم کئی ایک اشخاص کی بلاتفریق دین و مذہب،خواہی نہ خواہی،اس کے دین سے صرف نظر کرتے ہوئے دنیاوی منصب یا کسی اور وصف کی وجہ سے اس تعظیم کرتے ہیں۔دنیا میں لاتعداد اسکولز اور تعلیمی ادارے ہیں جہاں عیسائی ،یہودی ،ہندو اور دیگر مذاہب کے اساتذہ تدریس کا کام سرانجام دیتے ہیں اور مسلمان طلباء اور طالبات کے لئے ان کی تعظیم کرنا اخلاقا بھی ضروری ہوتا ہے۔اسی طرح سے دنیا کی مختلف کمپنیز اور صنعتی اداروں میں اعلیٰ عہدوں پر کفار فائز ہیں جبکہ مسلمان ان کے ماتحت رہ کر کام بھی کرتے ہیں اور ان کے حسب منصب ان کی تعظیم بھی کرتے ہیں۔بعض اوقات ہم کسی فرد کی اس کے فن یا کسی اور وصف کی وجہ سے تعظیم کرتے ہیں جبکہ ہماری دلچسپی کا تعلق اس کے دین یا مذہب سے قطعی نہیں ہوتا۔ہماری توجہ کا مرکز صرف اس کی وہ خاص صفت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اس شعبہ میں دیگر سے ممتاز نظر آتا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم فقہاء کے اس قول ''تبجیل الکافر کفر''''یعنی کافر کی تعظیم کفر ہے'' پر بحث کریں گے۔

حضرت علامہ شیخ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> **تبجیل الکافر کفر ،فلو سلم علی الذمی تبجیلا کفر و لو قال للمجوسی :یا أستاذی تبجیلا کفر** (الأشباہ والنظائر:ج:۲/ص:۷۸)
>
> کافر کی تعظیم کفر ہے۔پس اگر مسلمان نے ذمی کو تعظیما سلام کیا اور اگر مجوسی سے تعظیما کہا اے میرے استاذ تو یہ کفر ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

> **و فی مصباح الدین،سئل أبو حفص الکبیر عن رجل أتی المشرکین و قد ترک صلاۃ أو صلاتین فان کان تعظیما لھم کفر و لیس علیہ قضاء الصلاۃ و ان اتی ذلک بفسق لم یکفر و قضی ما ترک۔** (الفتاویٰ الھندیۃ ج:۲/ص:۳۶۹)
>
> مصباح الدین میں ہے کہ ابو حفص کبیر سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو مشرکین سے ملاقات کرے اور ایک نماز یا دو نمازوں کو چھوڑ دے تو

آپ نے بتایا کہ اگر وہ ان کی تعظیم کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائیگا اور اس پر نماز کی قضاء نہیں ہے اور اگر یہ بطور فسق نماز کو ترک کرتا ہے تو جتنی نمازیں اس نے ترک کی ہیں یہ ان کی قضا کرے گا۔

فقہاء کی ان عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر و مشرکین کی تعظیم کرنا کفر ہے۔ بعض حضرات فقہاء کی ان عبارات کو علی الاطلاق بیان کرتے ہیں اور اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ کافر کی مطلقاً تعظیم کرنا کفر ہے۔ جو یقیناً درست نہیں ہے کیونکہ شریعت سے کفار کی ان کے دنیاوی منصب یا کسی حق کی وجہ سے تعظیم کے جواز کا ثبوت ملتا ہے نیز اس صورت میں مسلمانوں کے سواد اعظم کو اسلام سے خارج کرنا لازم آئے گا۔ اگر اس اصول کو مطلق رکھا جائے تو سب سے زیادہ پریشانی ان مسلمانوں کو ہوگی جو غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر ہیں اور شاید ان میں سے پھر کوئی بھی مسلمان نہ رہے۔ اگر قرآن وسنت اور فقہاء کی عبارات میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی کافر کی مطلقاً تعظیم کرنا کفر نہیں ہے۔ کسی کافر و مشرک کی تعظیم اس وقت کفر ہوگی جب کہ ان کی تعظیم ان کے کفر کی وجہ سے کی جائے۔ مثلاً اگر کالج کے کسی مسیحی استاذ کی تعظیم اس کے دنیاوی منصب کی وجہ سے کی جائے جیسے کلاس میں اس کے استقبال میں تعظیماً قیام کرنا، تو یہ کفر نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس کی تعظیم کا سبب اس استاذ کے کفریہ عقائد ہوں یا اس کے باطل عقائد سے راضی ہونا ہو تو پھر وہ تعظیم کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اپنے موقف کی تائید میں اب ہم کچھ مثالیں پیش کریں گے:

پہلی مثال:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أن اشكر لی و لوالديک الی المصير ○ (لقمان ۳۱:۱۴)

(اسے یہ حکم دیا) کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

اس کی تفسیر میں امام ابوبکر جصاص رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و كفى بذلک دلالة على تعظيم حقهما و وجوب برهما و الاحسان اليهما۔ (احکام القرآن: ج:۲/ص:۲۴۳)

اور یہ والدین کے حق کی تعظیم کرنے ،ان کے ساتھ نیکی کرنے کے واجب ہو
نے اوران پر احسان کرنے کے لئے دلیل ہونے پر کافی ہے۔

آگے آپ فرماتے ہیں:

و قال في الوالدين الكافرين :و ان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما و صاحبهما في الدنيا معروفا(لقمان ۳۱:۱۵)......................

قال أبو بكر فطاعة الوالدين واجبة في المعروف لا في معصية اللّٰه فانه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق........ومن اجل ما أكد الله تعالىٰ من تعظيم حق الأبوين قال أصحابنا :لا ينبغي للرجل أن يقتل أباه الكافر اذا كان محاربا للمسلمين ،لقوله تعالىٰ و لا تقل لهما اف(الاسراء۱۷:۲۳)و قوله تعالىٰ :و ان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما و صاحبهما في الدنيا معروفا(لقمان ۳۱:۱۵)،فأمر تعالىٰ بمصاحبتهما بالمعروف في الحال التي يجاهدانه فيها على الكفر.....و قال اصحابنا في المسلم يموت أبواه و هما كافران :انه يغسلهما و يتبعهما و يدفنهما لأن ذلك من الصحبة بالمعروف التي أمر الله بهما۔

(احکام القرآن :ج:۲/ص:۲۴۳_۲۴۴)

اللہ تعالیٰ نے کافر والدین کے بارے میں فرمایا:اوراگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی حقیقت کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا ،اور دنیا (کے کاموں میں)ان کا اچھے طریقے سے ساتھ دینا (لقمان۳۱:۱۵)۔۔۔

ابوبکر فرماتے ہیں: والدین کی اطاعت نیکی میں کرنا واجب ہے ۔گناہ میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔کیونکہ مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی

میں نہیں کی جائے گی۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے جو والدین کے حق کی تعظیم کرنے پر اتنی تاکید فرمائی ہے تو اس کی وجہ سے ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کافر باپ کو قتل کرے جب وہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے والا ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:انہیں اف بھی نہ کہنا (الاسراء۱۷:۲۳)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی حقیقت کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا ،اور دنیا (کے کاموں میں)ان کا اچھے طریقے سے ساتھ دینا (لقمان ۳۱:۱۵)

پس اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی ان کی صحبت کو نیکی کے ساتھ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ وہ اس مسلمان کو مشرک بنانے کی کوشش کر رہے ہوں۔۔۔۔ہمارے اصحاب اس مسلمان کے بارے میں فرماتے ہیں جس کے والدین مر گئے ہوں اور وہ کافر ہوں، کہ وہ ان دونوں کو غسل دے گا، ان کے جنازے کے پیچھے جائے گا اور انہیں دفن بھی کرے گا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس صحبت کے اختیار کا حکم دیا ہے وہ نیکی کے ساتھ ہے۔

حضرت امام ابوبکر جصاص رازی علیہ الرحمۃ کی وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کی تعظیم کا مطلقاً حکم دیا ہے۔ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے والدین کی اطاعت اور تعظیم کرے۔ان کی تعظیم اور اطاعت کرنے میں والدین کے مسلمان ہونے کی قید نہیں ہے۔ جب کافر والدین شرک کی طرف دعوت دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی ان کی ساتھ بھلائی کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کافر والدین کی تعظیم کرنا اور ان کی اطاعت کرنا واجب ہے لیکن اگر وہ شرک کا حکم دیں تو اس صورت میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کی جائے گی تاہم ان کی اطاعت خالق کی معصیت میں کرنا جائز نہیں۔

دوسری مثال:

قرآن حکیم میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ''اب'' مشرک تھے ۔قرآن مجید میں موجود ہے کہ آپ علیہ السلام نے انہیں ''ابت'' کہہ کر پکارا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے ''أب'' کو بار بار ''یا أبت'' کہہ کر پکارنا اوران کی زندگی میں انہیں '' سلام علیک سأستغفر لک ربی '' (مریم۱۹:۴۲تا۴۷) کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے قلب میں اپنے ''أب '' کے لئے دل میں تعظیم اور محبت کے جذبات تھے جسے یقیناً کفر نہیں کہا جا سکتا۔

تیسری مثال:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

قال النبی صلی الله علیه واله وسلم: أنزلوا الناس منازلهم۔

(سنن أبی داؤد: ج:۲/ص:۳۲۲)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ سلوک ان کے مراتب کے اعتبار سے کرو۔

اس حدیث شریف میں لوگوں کی مہمان نوازی اوران کے ساتھ سلوک ان کے منصب کا لحاظ رکھتے ہوئے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس میں ''الناس'' کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کافر ہو یا مسلمان، متقی ہو یا فاسق اس کے دنیاوی منصب کے پیش نظر اس کی مہمان نوازی کی جائے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر کی تعظیم، مہمان نوازی یا اس کے ساتھ کسی بھی قسم کا معاملہ اس کے دنیاوی منصب کا لحاظ رکھتے ہوئے کرے تو یہ کفر نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہرقل روم کی طرف اپنا مکتوب گرامی ارسال فرمایا تو اس میں تحریر تھا۔

بسم الله الرحمن الرحیم. من محمد عبد الله و رسوله (ﷺ) الی هرقل عظیم الروم (صحیح البخاری: بدء الوحی، رقم الحدیث:٦)

اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے ۔محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول کی طرف سے ہرقل، روم کے عظیم کی طرف۔

روم کے بادشاہ کا لقب قیصر اور نام ہرقل تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے ''عظیم الروم'' تحریر فرمایا۔ اس حدیث شریف کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فیہ عدول عن ذکرہ بالملک و الامرۃ لانہ معزول بحکم الاسلام لکنہ لم یخلہ من اکرام لمصلحۃ التالیف۔ (فتح الباری)

اس میں ہرقل کی بادشاہت اور امارت سے اعراض کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اسلام کے حکم سے معزول کر دیا گیا تھا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے اس کی تالیف قلب کی مصلحت کی وجہ سے اکرام سے خالی نہیں رکھا۔

اس حدیث شریف اور امام ابن حجر علیہ الرحمۃ کی وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے دنیاوی منصب کا لحاظ رکھتے ہوئے تالیف قلب کے لئے اس کا اکرام کیا تا کہ اسے اسلام قبول کرنے میں آسانی ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کافر کی تالیف قلب کے لئے اکرام کیا جائے اور اس کے دنیاوی منصب کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی تعظیم کی جائے تو یہ جائز ہے۔ یقیناً ایسے کافر سے بد اخلاقی کے ساتھ پیش آنا دعوت تبلیغ میں بہت بڑی رکاوٹ بن سکتا ہے اور یہ عمل حکمت کے بھی خلاف ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

قال صاحب الجامع الأصغر :المسلم اذا أھدی یوم النیروز الی مسلم آخر شیئا و لم یرد بہ تعظیم ذلک الیوم ،ولکن جری علی ما اعتادہ بعض الناس لا یکفرولکن ینبغی أن لا یفعل ذلک فی ذلک الیوم خاصۃ و یفعلہ قبلہ أو بعدہ، کیلا یکون شبیھا بأولئک القوم و قد قال النبی ﷺ :من تشبہ بقوم فھو منھم...و فی الواقعات حکی عن أبي حفص الکبیر رحمہ اللہ تعالیٰ لو أن رجلا عبد اللہ خمسین سنۃ،ثم جاء یوم النیروز فأھدی الی بعض المشرکین بیضۃ یرید بہ تعظیم ذلک الیوم،فقد کفر و أحبط عملہ ،و ھذا بخلاف ما لو اتخذ مجوسی دعوۃ لحلق شعر رأس الصبی و دعا الناس الی ذلک

،فحضر بعض المسلمین دعوته و أهدی الیه شیئا لا یکفر۔

(المحیط البرهانی: ج:۷/ص:۴۲۹)

صاحب جامع اصغر نے فرمایا ہے کہ مسلمان جب کسی دوسرے مسلمان کو نوروز کے دن تحفہ دے اور اس کا ارادہ اس دن کی تعظیم کا بھی نہ ہو۔ بلکہ اس نے یہ کام اپنی عادت کے مطابق کیا ہو جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ خاص طور پر اس دن یہ کام نہ کرے بلکہ اس سے پہلے یا اس کے بعد تحفہ دے دے۔ تاکہ اس قوم کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہوگا۔

واقعات میں ہے کہ ابو حفص کبیر رحمہ اللہ سے حکایت ہے کہ اگر کسی آدمی نے اللہ کی عبادت پچاس سال تک کی ہو۔ پھر یوم نوروز آجائے اور وہ اس دن کی تعظیم کی نیت سے کسی مشرک کو انڈہ تحفہ میں دے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ بخلاف اس کے کہ ایک مجوسی اپنے بچہ کے سر منڈانے کی لوگوں کو دعوت کرے۔ کوئی مسلمان اس میں حاضر ہو اور اسے کوئی چیز بطور ہدیہ دے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

قدیم زمانہ سے نوروز مشرکین کا مذہبی تہوار ہے۔ اسی لئے فقہاء نے کفار کے اس دن کی تعظیم کو کفر کہا ہے۔ البتہ اگر کوئی مسلمان اس دن کی تعظیم کی نیت کے بغیر کسی کو تحفہ پیش کرے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اگر مسلمان کسی کافر کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے دعوت میں شرکت کریں اور اس کو تحائف پیش کریں تو ان کی تکفیر بھی نہیں کی جائے گی۔ اس حوالہ سے امام برہان الدین علیہ الرحمۃ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک مالدار مجوسی فقیر مسلمانوں پر بہت احسان کرتا تھا۔ ان کی مساجد پر مال خرچ کرتا اور مسجد میں چراغ جلانے کے لئے پیسے بھی دیتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بچہ کو گنجا کرنے کی رسم میں مسلمانوں کو دعوت دی۔ اہل اسلام میں سے ایک بہت بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی اور اسے تحائف پیش کئے۔ مسلمانوں کا یہ عمل وہاں کے ''مفتی صاحب'' کو بہت ناگوار گزرا اور انہوں نے

اپنے استاذ شیخ الاسلام امام ابوالحسن سغدی علیہ الرحمۃ کی طرف خط لکھا اور ساری بات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: "أدرک أهل بلدک فقد ارتدوا و شهدوا اشعار المجوس " اپنے شہر کے لوگوں کو سنبھالیں کیونکہ وہ مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے مجوسیوں کے شعار میں شرکت کی ہے۔ان کے استاذ شیخ الاسلام امام ابوالحسن سغدی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

> **أن اجابة دعوة اهل الذمة مطلقة في الشرع و مجازاة المحسن بالاحسان من المروة و الكرم و حلق الرأس ليس من شعار أهل الضلال و الحكم بردة أهل الاسلام بذلك القدر غير ممكن و الاولى لاهل الاسلام أن لا يوافقوهم مثل هذ الاحوال لاظهار الفرح و المسرة۔** (المحیط البرھانی: ج:۷/ص:۴۲۹)
>
> شریعت میں اہل ذمہ کی دعوت کو قبول کرنا جائز ہے۔اور احسان کرنے والے کے احسان کا بدلہ احسان، مروت اور کرم کے ساتھ دینا چاہیئے۔سر منڈانا گمراہ لوگوں کا شعار نہیں ہے۔اور اس قدر اہل اسلام کے مرتد ہونے کے حکم دینا ممکن نہیں ہے۔اولیٰ یہ ہے کہ اہل اسلام کفار کی مسرت، فرحت اور خوشی کے اس طرح کے مواقع میں شریک نہ ہوں۔

امام برہان الدین اور امام سغدی علیہما الرحمۃ کی تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کفار کے ساتھ معاملات کرنا جائز ہے۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ان سے معاملہ کرنا قرآن وسنت سے ثابت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود تبلیغ کے لئے کفار کی دعوت بھی کی ہے اور ان کی دعوت میں شرکت بھی کی ہے۔کفار کے احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا مستحسن ہے نیز ان کی دعوت کو قبول کرنا ،انہیں تحائف دینا اور ان کے ساتھ کھانا جائز ہے تاہم اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ اظہار مسرت کے موقع پر شریک نہ ہوں۔پس یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی کافر کی تعظیم مطلقا کفر نہیں ہے البتہ اگر کسی کافر کی تعظیم یا ان کے دینی و مذہبی شعار کی تعظیم ان کے کفر کی وجہ سے کی گئی تو یہ کفر ہوگا۔اس ضمن میں ان کے دینی شعار اور معاشرتی تہوار میں فرق کرنا ضروری ہے۔جیسا کہ امام سغدی علیہ الرحمۃ کی تصریح" و حلق الرأس ليس من شعار أهل الضلال" سے ثابت ہے۔

حضرت امام حموی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال بعض الفضلاء يجب تقييده بأن يكون تعظيما لكفره

(شرح الحموی: ج: ۱ص: ۷۷)

بعض فضلاء نے یہ کہا ہے کہ اس قول کو اس طور پر مقید کرنا واجب ہے کہ کافر کی تعظیم اس صورت میں کفر ہوگی جب کہ یہ تعظیم اس کے کفر کی وجہ سے ہو۔

یعنی یہ ضروری ہے کہ فقہاء کے اس قول کو اس بات کے ساتھ مقید کیا جائے کہ کافر کی تعظیم اس وقت کفر ہے جب اس کی تعظیم کفر کی وجہ سے کی جائے۔ اگر اس کو اس قید کے ساتھ مقید نہ کیا گیا تو اس صورت میں اہل اسلام کی بڑی تعداد کو اسلام سے خارج کرنا لازم آئے گا۔ کفار کی تعظیم کو مطلقاً کفر کہنا ادعوا الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس قاعدہ کو مطلقاً رکھنا دعوت وتبلیغ کے کام میں رکاوٹ ہے۔

من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمة الله وذمة رسوله ﷺ فلا تخفروا الله فى ذمته (البخارى)

جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے پس اللہ کے عہد کو اس کے ذمہ میں نہ توڑو۔ (حدیث بخاری)

من رمى مومنا بكفر فهو كقاتله

جس نے کسی مسلمان پر کافر ہونے کی تہمت لگائی تو وہ اسے قتل کرنے والے کی طرح (مجرم) ہے۔ (جامع الترمذی)

وضعِ حدیث

ہر نیکی اپنی نوعیت کے اعتبار سے موجب ثواب ہوتی ہے اسی طرح ہر گناہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے کبیرہ یا صغیرہ ہوتا ہے۔دو رکعت نفل ادا کرنا یقیناً باعث اجر وثواب ہے لیکن اگر یہی نیکی رمضان شریف میں کی جائے تو اس کا ثواب فرائض کے برابر ہو جاتا ہے۔زنا کرنا بلاشبہ گناہ کبیرہ ہے لیکن اگر کوئی شخص نعوذ باللہ اسی گناہ کا ارتکاب اپنی محارم کے ساتھ کرے یا بیت اللہ میں اس گناہ کے ساتھ اپنی جان پر ظلم کرے تو اس گناہ کی سنگینی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

جھوٹ بولنا اور کسی پر بہتان باندھنا کبیرہ گناہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔لیکن اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بہتان باندھے یا ان کی طرف جھوٹی بات منسوب کرے تو اس جرم کی شناعت کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور اس کا مرتکب جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت، اللہ تعالیٰ اطاعت کی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں ہی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے تو گویا اس نے اللہ رب العزت کو دھوکہ دینے کی کوشش کی اور جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تو گویا اس نے اللہ رب العزت کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب کیا۔علی ہذا القیاس اگر کسی شخص نے نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔

اس باب میں ہم اس بات پر بحث کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف کسی جھوٹے قول یا فعل کو منسوب کرنا کفر ہے یا نہیں؟ایسی حدیث کو حدیث موضوع کہا جاتا ہے۔

حدیث موضوع:

حدیث موضوع احادیث ضعیفہ میں سے سب سے زیادہ معیوب ہے۔اس کا بیان کرنا اس

وقت تک جائز نہیں ہے جب تک یہ نہ بیان کر دیا جائے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

حضرت امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ اس بارے میں فرماتے ہیں:

(ف)القسم (الأول)و هو الطعن بكذب الراوى فى الحديث النبوي هو (الموضوع)و الحكم عليه بالوضع انما هو بطريق الظن الغالب لا بالقطع اذ قد يصدق الكذوب،لكن لأهل العلم بالحديث ملكة قوية يميزون بها ذلك و انما يقوم بذلك منهم من يكون اطلاعه تاما و ذهنه ثاقبا و فهمه قويا ومعرفته بالقرائن الدالة على ذك متمكنة۔ (شرح نخبۃ الفکر:ص:۴۳۶)

پہلی قسم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے راوی میں کذب کی وجہ سے طعن کا ہونا، وہ حدیث موضوع ہے۔ حدیث پر موضوع ہونے کا حکم قطعی طور پر نہیں بلکہ بطور ظن غالب لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی جھوٹے لوگ بھی سچ بول دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ علمائے حدیث کو ایسا قوی ملکہ عطا فرماتا ہے کہ وہ اس میں تمیز کر لیتے ہیں۔ اس کام کو وہی کر سکتا ہے جس کو اس سے متعلق مکمل اطلاع ہو، اس کا ذہن ستارہ ہو، ان کی سوچ مضبوط ہو اور اس کی معرفت رہنمائی کرنے والے قرائن پر مکمل ہو۔

امام نووی علیہ الرحمۃ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

يعرف الوضع باقرار واضعه أو معنى اقراره أو قرينة فى الراوى أو المروي فقد وضعت احاديث يشهد بوضعها ركاكة لفظها و معانيها۔ (تقریب النواوی:ص:۲۴۴۔۲۴۵)

حدیث کا موضوع ہونا حدیث کو گھڑنے والے کے اقرار یا اس کے معنوی اقرار سے معلوم ہوتا ہے۔ یا راوی یا مروی کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کئی ایک احادیث کو وضع کیا گیا ہے جن کے موضوع ہونے پر ان کے الفاظ اور معانی کا گھٹیا ہونا دلالت کرتا ہے۔

حدیث کا موضوع ہونا کئی طریقوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کا مختصر بیان درج ذیل ہے۔

۱) راوی کا حدیث وضع کرنے کا اقرار:

اگر کوئی راوی خود اس بات کا اقرار کر لے کہ میں نے اس حدیث کو گھڑا ہے اور جھوٹ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا۔ جیسے نوح بن ابی مریم کا فضائل قرآن سے متعلق احادیث وضع کرنے کا اقرار کرنا۔ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ کذاب راوی کسی صحیح حدیث کے بارے میں یہ بات اس لئے کہے تا کہ لوگ اس سے متنفر ہو جائیں۔ اس لئے علماء اصول نے ایک قید یہ بھی لگائی ہے کہ وہ حدیث اس شخص کے طریق کے علاوہ کسی اور طریق سے مروی نہ ہو یعنی اگر وہ روایت کسی اور صحیح طریق سے مروی ہوگی تو اس طریق سے اسے روایت کرنا جائز ہوگا جبکہ اس کذاب راوی کے طریق سے اسے روایت نہیں کرنا چاہیئے۔

۲) وہ چیز جو حدیث وضع کرنے کے اقرار کی قائم مقام ہو جائے:

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال العراقي: كأن يحدث بحديث عن شيخ ،و يسأل عن مولده فيذكر تاريخا يعلم وفاة ذلك الشيخ قبله و لا يعرف ذلك الحديث الا عنده فهذا لم يعترف بوضعه و لكن اعترافه بوقت مولده يتنزل منزلة اقراره بالوضع لأن ذلك الحديث لا يعرف الا عن ذلك الشيخ و لا يعرف الا برواية هذا عنه۔

(تدریب الراوی: ۲۴۵)

اس بارے میں عراقی فرماتے ہیں: جیسے وہ راوی ایک شیخ سے روایت کرے، اس راوی سے اس شیخ کی پیدائش کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ کسی تاریخ کا ذکر کرے جبکہ اس شیخ کی وفات اس سے پہلے ہو چکی ہو۔ اور وہ حدیث اس راوی کے علاوہ کسی اور پاس نہ ہو۔ اس شخص نے اپنے حدیث وضع کرنے کا اعتراف تو نہیں کیا لیکن اس شیخ کی پیدائش کے وقت کا اس طور پر اعتراف کیا ہے جو اس کے حدیث وضع کرنے کے اقرار کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ وہ حدیث اس شیخ کے علاوہ کسی سے معروف نہیں ہے اور اس راوی کے علاوہ وہ حدیث اس شیخ سے کسی نے روایت نہیں کی۔

حافظ رازی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الجرح والتعدیل میں اپنی سند سے عفیر بن معدان سے روایت کرتے ہیں آپ نے کہا:

قدم علينا عمر بن موسىٰ الوجيهي الميتمي فاجتمعنا في مسجد حمص فجعل يقول: حدثنا شيخكم الصالح خالد بن معدان فقلت: في اى سنة سمعت منه؟فقال: سمعت منه في سنة ثمان و مائة. فقلت: أين سمعت منه؟قال: في غزاة ارمينية. فقلت له: اتق الله و لا تكذب. مات خالد بن معدان في سنة اربع و مائة فأنت سمعت منه بعد موته باربع سنين و لم يغزارمينية قط ما كان يغزو الا الروم۔ (کتاب الجرح والتعدیل:ج:۰۶/ص:۱۳۳)

ہمارے پاس عمر بن موسیٰ وجیہی میتمی آیا تو ہم سب حمص کی مسجد میں جمع ہو گئے۔اس نے کہنا شروع کیا[**حدثنا شيخكم الصالح**] خالد بن معدان ،تو میں نے پوچھا کہ آپ نے ان سے کس سن میں سماعت کی ہے؟اس نے کہا ۱۰۸ھ میں۔میں نے پھر اس سے پوچھا اور آپ نے ان سے کہاں سماعت کی ہے؟تو اس نے جواب دیا ارمینیہ کی جنگوں میں۔میں نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جھوٹ مت بولو۔خالد بن معدان کا انتقال ۱۰۴ھ میں ہوا ہے اور تم نے ان کے انتقال کے چار سال بعد ان سے سماعت کیا !انھوں نے کبھی ارمینیہ کی جنگوں میں حصہ نہیں لیا وہ صرف روم میں جنگ کیا کرتے تھے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اوقات وضاع اس بات کا اقرار تو نہیں کرتا کہ وہ حدیث کو وضاع کرنے والا ہے البتہ وہ حدیث کی روایت میں یا راویوں کے احوال میں ایسی بات ذکر کر دیتا ہے جو اس کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

۳) حدیث کے الفاظ یا معنیٰ کا گھٹیا ہونا:

اللہ تعالیٰ ہر عیب سے بری ہے۔اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ

والہ وسلم کو ہر عیب سے مبرا تخلیق فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو جوامع الکلم عطا فرمائے۔ شانِ نبوت سے یہ بات قطعی طور پر بعید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کسی ایسی بات کے ساتھ کلام فرمائیں جو اپنے الفاظ یا معنی کے اعتبار سے گھٹیا یا نازیبا ہوں۔ اسی لئے علمائے اصول نے حدیث کے موضوع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ اس حدیث میں الفاظ یا معنی کے اعتبار سے گھٹیا پن یا دنانت پائی جاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے علمائے حدیث بیدار مغز اور روشن دماغ ہوتے ہیں اور عالم الغیوب انہیں ایسا نور اور ملکہ عطا فرماتا ہے کہ وہ جھوٹی حدیث کو سن یا پڑھ کر فوراً ہی اس بات کو جان لیتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک نہیں ہے۔

حضرت خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ روایت فرماتے ہیں:

قال الربیع بن خثیم ان من الحدیث حدیثا له ضوء کضوء النهار نعرفه و ان من الحدیث حدیثا له ظلمة کظلمة اللیل ننکره۔

(الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص:۳۷۰)

ربیع بن خثیم فرماتے ہیں: حدیث کا ایک نور ہوتا ہے جیسے دن کا نور، ہم اسے پہچان لیتے ہیں۔ اسی طرح حدیث کا ایک اندھیرا ہوتا ہے جیسے رات کا اندھیرا ہوتا ہے۔ ہم اس وجہ سے اسے رد کر دیتے ہیں۔

امام اوزاعی کے حوالہ سے آپ نقل فرماتے ہیں:

کنا نسمع الحدیث و نعرضه علی أصحابنا کما نعرض الدرهم الزائف فما عرفوا منه أخذنا ه و ما أنکروا منه ترکناه۔

(الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص:۳۷۰)

ہم حدیث سنتے تھے اور اسے اپنے اساتذہ پر پیش کرتے تھے جیسے ہم کھوٹا درہم دکھایا کرتے ہیں۔ پس جسے وہ پہچانتے تھے ہم اسے لے لیا کرتے تھے اور جس کا وہ انکار کر دیا کرتے تھے ہم اسے چھوڑ دیا کرتے تھے۔

ہر تحریر اور عبارت کے ظاہری اور باطنی اثرات ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر کلام بھی نور یا ظلمات سے پُر ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کا کلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث مبارکہ

نور سے لبریز ہیں جس سے اہل قلب ونظر بخوبی واقف ہیں۔اللہ تعالیٰ بعض علمائے حدیث کو وہ نور نظر وفہم عطا فرماتا ہے کہ وہ ہر روایت کو ظاہری علوم پر پرکھنے کے علاوہ اس کے باطن پر بھی نظر رکھتے ہیں۔پس جو کلام نور نبوت کے فیضان سے خالی معلوم ہوتا ہے وہ اس کو رد کر دیتے ہیں اور جو کلام نور نبوت سے لبریز ہوتا ہے وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں۔اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ انہیں مسلسل خدمت حدیث کی وجہ سے ایسا ملکہ عطا فرما دیتا ہے کہ جس طرح نقود کی معرفت رکھنے والا نقدی کو محض ہاتھ میں لیتے ہی بتا دیتا ہے کہ یہ سکہ کھوٹا یا جعلی ہے اسی طرح وہ بھی موضوع حدیث کو سنتے ہی بتا دیتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

بعض محدثین فرماتے ہیں کہ اس باب میں مدار معنوی طور پر روایت کا گھٹیا ہونا ہے۔کیونکہ دین کی ہر بات میں حسن ہوتا ہے اور رکیک ہونا قبیح ہے۔جہاں تک رکاکت لفظی کا تعلق ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ راوی نے حدیث کو بالمعنی روایت کیا ہو اور روایت کرتے ہوئے اس نے الفاظ کو غیر فصیح الفاظ سے تبدیل کر دیا ہو۔لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ الفاظ نبی کریم ﷺ کے ہی ہیں تو پھر اسے کاذب ہی کہا جائے گا۔اسی طرح سے اگر کوئی حدیث اس طور پر عقل کے مخالف ہو کہ اس کی تاویل بھی نہ کی جا سکتی ہو یا وہ کتاب اللہ،سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تطبیق بھی ممکن نہ ہو تو یہ بھی اس کے موضوع ہونے کی علامت ہے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں:

> **الربیع بن سلیمان ،سمعت الشافعی یقول :سأل رجل عبدالرحمن بن زید بن اسلم :حدثک ابوک عن أبیه أن سفینة نوح طاف بالبیت و صلی خلف المقام رکعتین؟قال :نعم**
>
> (میزان الاعتدال فی نقد الرجال:ج:۰۳/ص:۲۷۹)
>
> امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے سوال کیا کہ کیا آپ کو آپ کے والد نے ،اپنے والد سے مروی یہ حدیث سنائی ہے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم پر آپ نے دو رکعت ادا کیں؟اس نے جواب دیا:جی ہاں

امام شافعی علیہ الرحمۃ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید کو کاذب خیال

کرتے تھے۔طوفان نوح میں آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ نے اپنے بعد مبعوث کیے جانے والے نبی ابوالانبیاء سیدنا ابرہیم علیہ السلام کے مقام پر بیت اللہ میں نماز کو ادا کیا ابن زید کے انتہائی بلید الذہن، بے وقوف اور کذاب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علمائے اصول نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ بعض قرائن کی وجہ سے بھی حدیث کو موضوع کہا جاتا ہے۔جیسے اگر کسی صغیرہ گناہ پر بہت بڑے عذاب کی وعید ہو یا حقیر کام کرنے پر بہت بڑے اجر وثواب کا وعدہ ہو،تو یہ اس کے موضوع ہونے کی علامت ہے۔اسی طرح اگر کوئی رافضی فضائل اہل بیت میں کوئی حدیث روایت کرے تو اسے بھی موضوع کہا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی شناعت:

جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ اور علامت نفاق ہے۔اللہ رب العزت جھوٹ بولنے والوں پر لعنت فرماتا ہے۔لیکن اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرے تو اس گناہ کی شناعت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔امام مسلم روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱) **لا تکذبوا علی فانه من یکذب علی یلج النار۔**

(مسلم:رقم الحدیث:۱)

”میری طرف جھوٹ منسوب نہ کرو کیونکہ جو شخص میری طرف جھوٹ منسوب کرے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا“

۲) **من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔**

(مسلم:رقم الحدیث:۳)

”جو شخص میری طرف جھوٹی بات جان بوجھ کر منسوب کرے اسے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہیے“

۳) **ان کذبا علی لیس ککذب علی احد فمن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔** (مسلم:رقم الحدیث:۴)

”مجھ پر جھوٹ باندھنا اس طرح سے نہیں ہے جس طرح سے تم میں سے کسی

پر جھوٹ باندھا جاتا ہے۔جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے‘‘

۴) **سیکون فی اخر امتی انا س یحدثونکم بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم و ایاھم۔** (مسلم:رقم الحدیث:۱۳)

’’میری امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جوتم سے ایسی حدیثیں سنائیں گے جو نہ تم کبھی سنی ہوں گی اور نہ ہی تمہارے آباواجداد نے سنی ہوں گی۔پس وہ تم سے دور رہیں اورتم ان دور رہو‘‘

۵) **یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔** (مسلم:رقم الحدیث:۱۴)

آخری زمانہ میں مکار،دھوکہ باز اور جھوٹے لوگ ہوں گے۔وہ تمہیں ایسی احادیث سنائیں گے جو نہ تم کبھی سنی ہوں گی اور نہ ہی تمہارے آباو اجداد نے سنی ہوں گی۔پس وہ تم سے دور رہیں اورتم ان دور رہو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اورفتنہ میں نہ مبتلا کردیں‘‘

واضعین کی اقسام اورِ وضع حدیث کے اسباب:

واضعین کی مختلف اقسام ہیں جن پر اب ہم مختصرا بحث کریں گے۔

ا) ثواب کی نیت سے حدیث وضع کرنے والے جاہل عبادت گزار:

اس سے مراد وہ افراد ہیں جنہیں لوگ زاہد سمجھتے ہیں۔یہ گروہ سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے کیونکہ لوگ ان کی ظاہری وضع قطع کی وجہ سے ان کی بیان کردہ روایات کو درست سمجھتے ہیں۔وضع حدیث سے ان کا مقصد اپنے فاسد گمان کے مطابق عوام الناس کو دین کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے۔وہ اپنے اس عمل باطل پر اللہ تعالی سے اجر عظیم کا گمان بھی رکھتے ہیں۔

امام حاکم اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ابوعصمہ نوح بن ابومریم سے پوچھا گیا کہ تم

عکرمہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضائل قرآن سے متعلق روایت نقل کرتے ہو جبکہ عکرمہ کے شاگردوں کے پاس وہ حدیث موجود نہیں۔اس نے جواب دیا:

اني رأيت الناس قد أعرضوا عن القرآن ،و اشتغلوا بفقه أبي حنيفة ،و مغازي ابن اسحاق فوضعت هذا الحديث حسبة

(تدریب الراوي:ص:۲۵۱)

میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن سے غافل ہو رہے ہیں اور ابوحنیفہ کے فقہ اور ابن اسحاق کی مغازی میں مشغول ہو گئے ہیں تو میں نے یہ حدیث ثواب کی نیت سے وضع کر لی۔

میسرہ بن عبدربہ سے پوچھا گیا کہ تم یہ احادیث کہاں سے لائے ہو کہ جس نے یہ پڑھا اس کو اتنا اتنا ثواب ملے گا؟اس نے کہا:

وضعتها أرغب الناس فيها۔ (تدریب الراوي:ص:۲۵۱)

میں نے اس کو اس لئے وضع کیا ہے تا کہ لوگوں کو ترغیب دے سکوں۔

ایک بہت عابد،زاہد اور نفس کو قابو میں رکھنے والا نوجوان تھا۔اس کی موت پر بغداد کے بازار بھی بند ہو گئے تھے۔اپنی عبادت و ریاضت کے باوجود وہ احادیث وضع کرتا تھا۔اس کی موت کے وقت اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم حسن ظن رکھتے ہو؟اس نے جواب دیا:

كيف لا،و قد وضعت فى فضل على(رضى الله عنه) سبعين حديثا؟ (تدریب الراوي:ص:۲۵۱)

میں حسن ظن کیسے نہ رکھوں،میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ستر احادیث وضع کی ہیں۔

اسی طرح ابو داود نخعی رات کو طویل قیام کرنے والے تھے لیکن اس کے باوجود احادیث وضع کرتے تھے۔واضعین کا یہ گروہ لوگوں کو دین کی طرف مائل کرنے کے لئے وضع حدیث کو جائز بلکہ باعث اجر وثواب سمجھتا تھا۔

۲) ترغیب وترہیب کے لئے حدیث وضع کرنا:

اس باب میں کرامیہ کا گروہ بہت مشہور ہے۔ یہ اہل بدعت کا وہ گروہ ہے جن کا قائد محمد بن کرام سجستانی تھا۔ یہ گروہ ثواب اور عذاب سے متعلق احادیث وضع کرتا تھا تا کہ لوگ اطاعت کی طرف ترغیب کریں اور معصیت سے بچیں۔ یہ گروہ وضع حدیث کو شرعاً جائز سمجھتا ہے۔ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا" لیضل بہ الناس" "تا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"یعنی وضع حدیث اس وقت منع ہے جب لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ہو۔وہ اس بات سے بھی استلال کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے جھوٹ باندھتے ہیں۔ (تدریب الراوی:ص:۲۵۱۔۲۵۲)

ان کے اس قول کے بارے میں امام زرکشی فرماتے ہیں:

و الکذب علی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم حرام فی جمیع الأحوال۔ (النکت :ص:۲۴۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھنا ہر حالت میں حرام ہے۔

۳) عصبیت کی وجہ سے حدیث وضع کرنا:

بعض اوقات کسی مذہب کے مقلدین اپنے مذہب کے تعصب میں غیر مذہب کے امام کے بارے کوئی روایت وضع کر دیتے ہیں تا کہ لوگ اس سے متنفر ہوں یا پھر اپنے مذہب کے امام کے فضائل میں ایسی حدیث بیان کرتے ہیں کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔مثلا

أبو حنیفة سراج امتی. (الموضوعات الکبریٰ :ص:۲۳)

ابوحنیفہ میری امت کے چراغ ہیں۔

اسی طرح مامون بن احمد ہروی نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے بارے میں ایک حدیث وضع کی اور کہا:

یکون فی امتی رجل یقال له :محمد بن ادریس ،یکون أضر علی أمتي من ابلیس، (شرح شرح نخبۃ الفکر:ص:۴۴۸)

میری امت میں ایک شخص ہوگا اسے محمد بن ادریس کہا جائے گا۔وہ میری امت کے لئے (نعوذ باللہ) ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ہوگا۔

۴) حکام کی خوشی کے لئے حدیث وضع کرنے:

بعض واضعین حکام کی خوشی حاصل کرنے کے لئے احادیث وضع کرتے ہیں۔ایک مرتبہ ہارون رشید کے والد محمد بن منصور عبد اللہ عباسی مہدی کے پاس غیاث بن ابراہیم نخعی آیا۔اس نے دیکھا کہ بادشاہ کبوتروں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔اس نے اسی وقت ایک سند نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک بیان کی اور کہا:

"لا سبق الا فی نصل أو خف أو حافر أو جناح"

''مسابقت حلال نہیں ہے سوائے تیر کے پیکان یا اونٹ کی ٹاپ یا گھوڑے کے کھر میں یا پرندوں کے پر میں''

اس نے جان بوجھ کر حدیث میں ''جناح'' کے لفظ کا اضافہ کیا مہدی نے اس بات کو جان لیا کہ غیاث نے میری وجہ سے جھوٹ بولا ہے اس نے اسی وقت کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دی۔ (شرح نخبۃ الفکر:ص:۴۴۱)

۵) شہرت کے لئے حدیث وضع کرنا:

بعض واضعین اس خواہش میں حدیث وضع کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسی بات بیان کریں جو آج تک کسی نے نہ کی ہوتا کہ لوگ ان کی طرف رغبت کریں اور وہ مشہور ہو جائیں۔یعنی لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں۔بعض اوقات اس قبیل کے افراد صحیح اسناد کو یاد کر لیتے ہیں اور صحیح متن بیان کرنے کے بجائے جھوٹی حدیث بیان کر دیتے ہیں۔امام یحیٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل علیہما الرحمۃ نے ایک مسجد جس کا نام رصافہ تھا، میں نماز پڑھی۔وہاں ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

حدثنا احمد بن حنبل و یحي بن معین قالا :حدثنا عبد الرزاق قال:حدثنا معمر ،عن قتادة ،عن انس رضی الله تعالیٰ عنه

قال:قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم: من قال لا اله الا الله يخلق من كلمة منها طائر ،منقاره من ذهب،و ريشه من مرجان،و أخذ في قصته من نحو عشرين ورقة ،

ہم سے احمد بن حنبل نے اور یحی بن معین نے کہا کہ ہم سے عبد الرزاق نے بیان کیا کہ ہم سے معمر نے بیان کیا اور انہوں نے قتادہ سے روایت کیا اور انہوں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جس نے لا الہ الا اللہ کہا اللہ تعالیٰ اس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا فرماتا ہے۔اس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اور اس کے پر مرجان کے ہوتے ہیں۔اس نے اس طرح بیس صفحات پر مشتمل اس کا قصہ سنایا۔

دونوں ائمہ کرام یہ بات سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔امام یحی بن معین علیہ الرحمۃ نے امام احمد سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس سے یہ حدیث بیان کی ہے؟ آپ نے جواب دیا: اللہ کی قسم میں نے تو خود آج پہلی بار یہ بات سنی ہے۔آپ دونوں سے خاموشی سے اس کی بات سنی اور اختتام پر اس قصہ گو سے امام یحی بن معین علیہ الرحمۃ نے پوچھا کہ تم سے یہ روایت کس نے بیان کی ہے؟اس نے کہا :احمد بن حنبل اور یحی بن معین نے۔آپ نے فرمایا کہ میں یحی بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں ۔ہم نے یہ بات ہرگز نبی کریم ﷺ کی احادیث میں نہیں سنی۔اگر کوئی ایسی روایت ہے بھی ہمارے علاوہ کسی پر پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔اس قصہ گو نے کہا۔تم یحی بن معین ہو۔آپ نے فرمایا جی ہاں۔اس نے کہا میں یہ سنتا آیا تھا کہ یحی بن معین احمق ہے آج یہ دیکھ بھی لیا۔آپ نے فرمایا کہ تجھے کیسے معلوم کہ میں احمق ہوں۔اس نے جواب دیا کہ کیا پوری دنیا میں یحی بن معین اور احمد بن حنبل تمہارے سوا کوئی نہیں ہے؟میں تو اس احمد کے علاوہ سترہ احمد بن حنبل نامی افراد سے احادیث رکھتا رہا ہوں۔(شرح شرح نخبۃ الفکر:ص:۴۵۰)

۶) دین کی دشمنی میں احادیث وضع کرنا:

واضعین میں ایک گروہ احادیث کو دین کی دشمنی اور اسلام کو مسخ کرنے کے لئے وضع کرتا ہے۔جیسے زنادقہ کا گروہ۔یہ وہ لوگ ہیں جو کفر کو چھپاتے ہیں اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں یا یہ لا دین

ہوتے ہیں۔وضع حدیث سے ان کا مقصد دین کا استخفاف اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہوتا ہے۔حماد بن زید فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے چودہ ہزار احادیث کو وضع کیا ہے۔مہدی فرماتے ہیں کہ میرے سامنے ایک زندیق نے اقرار کیا کہ اس نے سو احادیث کو وضع کیا ہے۔اسی طرح محمد بن سلیمان بن علی نے جب عبد الکریم بن ابوی عوجاء کی گردن مارنے کا حکم دیا تو اس نے کہا کہ میں چار ہزار احادیث کو وضع کیا ہے۔جس سے میں نے حلال کو حرام اود حرام کو حلال کیا ہے۔اس طرح کے اور بہت سے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے ہزاروں احادیث کو استخفاف دین اور مسلمانوں کو گمراہی میں مبتلا کرنے کے لئے وضع کیا ہے۔(شرح شرح نخبۃ الفکر:ص:۴۴۶)

اللہ رب العزت نے اپنے فضل خاص سے ہر دور میں ایسے نقاد اور مخلص اہل علم حضرات پیدا فرمائے ہیں جنہوں نے صدق اور کذب میں فرق روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔ان علماء نے ایسے علوم و اصول مرتب فرمادیئے ہیں کہ بحمدہ تعالیٰ قیامت تک کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹ اس طرح منسوب نہیں کرسکتا کہ صحیح اور سقیم میں تمیز کرنا ناممکن ہوجائے یا دین متین کی صورت مسخ ہوجائے۔فجز اھم اللہ خیر الجزا فی الدارین۔(امین)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

> ہارون رشید کے سامنے ایک زندیق گرفتار کر کر لایا گیا۔ہارون نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔اس پر اس زندیق نے کہا: آپ مجھے کس گناہ میں قتل کر رہے ہیں؟ ہارون نے کہا: تا کہ اللہ کی مخلوق تیرے شر سے محفوظ رہے۔اس نے کہا آپ مجھے تو قتل کرا دیں گے لیکن آپ ان ایک ہزار احادیث کا کیا کریں گے جن کو میں نے ہر طرف پھیلا دیا ہے اور وہ میری وضع کردہ ہیں۔ان میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بھی لفظ موجود نہیں ہے۔ ہارون رشید نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو کس خیال میں ہے۔ابو اسحاق فزاری اور عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہما اصول حدیث پر ان احادیث کو پرکھ کر ایک ایک لفظ نکال باہر کریں گے۔(تاریخ الخلفاء:ص:۵۶۴)

حضرت امام سخاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فبین النقاد جزاھم اللہ خیرا کل ھذا و میزوا من حدیث رسول

الله صلى الله عليه واله وسلم الكذب و الهذيان و لم تعدم الأمة المحمدية (على صاحبها الصلاة والسلام)في كل عصر من يقوم بحفظ السنة و ينفي عنها ما ليس منها۔ (الغاية :ص:١١٣)

تنقید کرنے والوں نے یہ سب بیان فرمادیا ہے۔ اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث میں شامل کردہ سے جھوٹ اور بکواس کو الگ کر دیا۔ایسے افراد کبھی امت محمدیہ علی صاحبھا الصلاۃ و السلام میں کسی زمانہ میں بھی کبھی معدوم نہیں ہوتے، جو سنت کی حفاظت کرتے ہیں اوراس کی نفی کرتے ہیں جو حدیث میں سے نہیں ہوتا۔

کیا وضع حدیث کفر ہے؟

سابقہ اوراق میں ہم حدیث موضوع کی تعریف ،اس کی پہچان ، شناعت اور اسباب پر مختصرا بحث کر چکے ہیں۔اب ہم اپنے اصل موضوع پر بحث کریں گے کہ وضع حدیث کفر ہے یانہیں؟

وضع حدیث کے گناہ کبیرہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے البتہ اس کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و الوضع في الترغيب ذو ابتداع
جوزوه مخالف الاجماع
و جزم الشيخ أبو محمد
بكفره بوضعه ان يقصد

(الفیۃ السیوطی فی علم الحدیث:٤٧)

ترغیب کے لئے حدیث وضع کرنا بدعت ہے
اسے جائز قرار دیا ہے اجماع کے مخالفین نے
شیخ ابو محمد نے اس بارے میں کہا ہے کہ
جان بوجھ کر حدیث وضع کرنا کفر ہے

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و اتفقوا على أن تعمد الكذب على النبي ﷺ من الكبائر و بالغ أبو محمد الجويني فكفر من تعمد الكذب على النبي صلى الله عليه واله وسلم۔　　(شرح نخبۃ الفکر:ص:۴۵۲)

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جان بوجھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ابو محمد جوینی نے اس بارے میں مبالغہ کیا ہے،انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھنے والے کی تکفیر کی ہے۔

امام عسقلانی علیہ الرحمۃ کے اس قول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وضع حدیث کے کبیرہ گناہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے البتہ وضاع کی تکفیر میں اختلاف ہے۔اسی لئے آپ نے امام جوینی علیہ الرحمۃ کے اس قول کے بارے میں فرمایا کہ "بالغ ابو محمد الجوينی"یعنی ابو محمد نے اس کے حکم میں مبالغہ کیا ہے۔امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

بل بالغ الشيخ أبو محمد الجويني فجزم بتكفير واضع الحديث۔　　(تدریب الراوی:ص:۲۵۲)

بلکہ شیخ ابو محمد جوینی نے واضع الحدیث کی تکفیر میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔

یعنی آپ نے بھی امام جوینی کے اس عمل کو مبالغہ سے تعبیر کی ہے۔

امام ابن امیر الحاج حلبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ذهب أبو محمد الجويني والد امام الحرمين الى أنه يكفر و يراق دمه لكن ضعفه ولده وعده من هفواته۔

(التقریر و التحبیر :ج:۲/ص:۳۱۲)

امام الحرمین کے والد امام ابو محمد جوینی نے واضع الحدیث کی تکفیر کی ہے اور ان کے مطابق اس کا خون بہایا جائے گا۔لیکن ان کی اس بات کو ان کے بیٹے نے ضعیف قرار دیا ہے۔اور اسے ان کی بے وقوفیوں میں شمار کیا ہے۔

امام جوینی کے اس قول کے بارے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

و هو يحتمل أن يكون زجرا لهم ،و يدل عليه قول المصنف: و

بالغ ،و یحتمل أن یکون اجتهادا منه و هو یحتمل الخطأ و المجاوزة عن الحد فی المبالغة ،لا سیما مع مخالفة الاجماع و لذا قال ولده امام الحرمین هذا زلة من الشیخ۔

(شرح شرح نخبۃ الفکر:ص:۴۵۲)

اور اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کی بات زجر و توبیخ کے طور پر ہو۔اس پر مصنف کا یہ قول دلالت کرتا ہے ''بالغ'' کہ انہوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے اجتہاد کرتے ہوئے ایسا کہا ہو۔اس میں خطا اور اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے حد سے تجاوز کیا ہے۔خاص طور جب کہ اس میں اجماع کی بھی مخالفت ہے۔اسی لئے ان کے بیٹے امام الحرمین نے کہا ہے کہ یہ ان کی غلطی ہے۔

آپ الموضوعات کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

قال شیخ مشایخنا الحافظ جلال الدین السیوطی رحمه الله:لا أعلم شیئا من الکبائر قال احد من اهل السنة بتکفیر مرتکبه الا الکذب علی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم فان الشیخ ابا محمد الجوینی من اصحاب الشافعی و هو والد امام الحرمین قال ان من تعمد الکذب علیه علیه السلام یکفر کفرا یخرجه عن الملة و تبعه علی ذلک طائفة منهم الامام ناصر الدین بن المنیر من أئمة المالکیة، قلت:و یؤید هما قوله علیه السلام (لیس الکذب علی ککذب علی غیری)و کذا امره بقتل من کذب علیه و احراقه بعد موته و ذلک ان الافتراء علیه افتراء علی الله فانه (ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی)و یقویه قوله فی ما تقدم :ما اقول الا ما نزل من السماء فاذا کان کذلک (فمن اظلم ممن افتری علی الله کذبا)و انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون با یات الله ای الکذب علی الله و

رسوله ﷺ فان الكذب على غيرهما لا يخرجه عن الايمان باجماع أهل السنة و الجماعة۔ (الموضوعات:ص:۱۳۔۱۴)

ہمارے مشائخ کے شیخ امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اکابرین اہل سنت میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے جھوٹ بولنے پر کسی کی تکفیر کی ہو سوائے اس جھوٹ کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر باندھا جائے۔اصحاب شافعی میں سے شیخ ابو محمد جوینی فرماتے ہیں جو کہ امام الحرمین کے والد ہیں۔جس نے جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھا وہ کافر ہو جائے گا۔اس کا یہ عمل اس کو ملت اسلام سے خارج کر دے گا۔ان کی اس مسئلہ میں اتباع علماء کے ایک گروہ نے کی ہے جن میں مالکی امام ناصر الدین بن منیر بھی ہیں۔میں (حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ) یہ کہتا ہوں کہ ان کی بات کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ مجھ پر جھوٹ باندھنا اس طرح سے نہیں ہے جس طرح میرے سوا کسی اور شخص پر جھوٹ باندھا جاتا ہے۔اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس شخص کو قتل کرنے اور مرنے کے بعد جلانے کا حکم دیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:(اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے) اس کی تقویت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:(اور اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا)اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:(بے شک جھوٹی افترا پردازی (بھی) وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے)

یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھنا کیونکہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور پر جھوٹ باندھنا علمائے اہل سنت و الجماعۃ کے اجماع کے مطابق کفر نہیں ہے۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کے اس حوالہ سے یہ معلوم ہوا کہ آپ واضع الحدیث کی تکفیر کے قائل تھے۔ جس حدیث کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے:

رجل عشق امرأة فاتی الی اهلها مساء فقال: انی رسول رسول الله صلی الله علیه واله وسلم بعثنی الیکم ان اتضیف فی ای بیوتکم شئت .... فاتی رجل منهم النبی ﷺ فقال ان فلانا اتانا یزعم انک امرته ان یبیت فی ای بیوت شاء فقال ﷺ: کذب ،یا فلان انطلق معه فان امکنک الله منه فاضرب عنقه و احرقه بالنار و الا اراک الا قد کفیته ،فجاء ت السماء فصبت فخرج لیتوضأ فلسعته افعی فلما بلغ ذلک النبی ﷺ قال هو فی النار　　(الموضوعات:ص:۱۲)

ایک آدمی کو ایک عورت سے عشق ہوگیا۔ وہ اس کے گھر والوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا پیامبر ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں تم میں سے جس کے گھر میں چاہوں مہمان بن کر رہوں۔۔۔۔۔۔۔ ان میں سے ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آیا اور عرض گزار ہوا کہ ایک شخص ہمارے پاس آیا اور اس کا کہنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے ہماری طرف بھیجا ہے کہ وہ جس کے گھر میں چاہے رات گزارے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس نے جھوٹ بولا ،اے فلاں تم اس آدمی کے ساتھ جاؤ اور اگر اللہ تمہارے لئے ممکن بنائے تو اس کی گردن ماردو اور اسے جلا دو۔ میں تمہیں نہیں دیکھنا چاہتا مگر اس حالت میں کہ تم اس کے لئے کافی ہوجاؤ۔ بارش ہوئی اور وہ جھوٹا شخص وضو کے لئے باہر نکلا اسے ایک سانپ نے ڈنک مارا وہ مر گیا۔ جب نبی کریم ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم کی آگ میں ہے۔

علمائے اصول کی ان تصریحات سے واضح ہوا کہ واضع الحدیث کے کفر میں علماء کا

اختلاف ہے۔اس لئے اسے مطلقاً کافر کہنا درست نہیں۔بعض علماء نے جو اسے کافر کہا ہے ان کی مراد یا تو یہ ہے کہ اس نے کافروں والا کام کیا یا انہوں نے اس میں مبالغہ سے کام کیا ہے۔اس بارے میں ہمیں امام ذہبی کا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

قد ذهب طائفة من العلماء الى ان الكذب على النبى صلى الله عليه واله وسلم كفر ينقل عن الملة و لا ريب ان تعمد الكذب على الله و رسوله ﷺ فى تحليل حرام أو تحريم حلال كفر محض و انما الشأن فى الكذب عليه ﷺ فى ما سوى ذلك۔

(کتاب الکبائر:ص:۲۳)

علماء کے ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنا کفر ہے۔یہ ایک ملت سے منقول ہے۔اوراس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ اس طور پر باندھا کہ وہ حرام کو حلال کردے یا حلال کو حرام کردے تو محض کفر ہے۔نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کے کفر ہونے میں اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ حلت وحرمت میں نہ ہو۔

علماء اصول کی تصریحات سے واضع الحدیث سے متعلق درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

۱) وضع حدیث انتہائی کبیرہ گناہ ہے۔

۲) واضع الحدیث کے کافر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے لہذا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔تاہم اسے احتیاطاً توبہ اور تجدید ایمان ونکاح کرنا چاہیئے۔

۳) استخفاف دین کے لئے حدیث وضع کرنا کفر ہے۔

۴) وضع حدیث کے ذریعہ قطعی حلال کو حرام یا قطعی حرام کو حلال کرنے کی کوشش کرنا کفر ہے۔

حافظ وحفیظ رب، علماء کرام کو عالمی دہشت گردی سے امان عطا فرما
(مجلس ادارت مجلّہ فقہ اسلامی)

من قال لأخيه يا كافر فقد باء بها احدهما

اللہ اور اس کے رسول صلی للہ علیہ والہ وسلم نے اخوت اور بھائی چارے کی بنیاد ایمان پر رکھی ہے ۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے وہاں ان باتوں سے بھی منع فرمایا جو اخوت اور بھائی چارے کی فضاء کو مکدر کر دیتی ہیں۔ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو گالی دینا ،اس کی غیبت کرنا ،چغلی کرنا وغیرہ ایسے عوامل ہیں جو دلوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیتے ہیں۔اسی لئے قرآن وسنت میں تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ایک مومن کفر کی طرف لوٹنا اتنا ہی ناپسند کرتا ہے جتنا آگ میں زندہ ڈال دیا جانا۔اسی طرح اپنے ایمان کی اہمیت کو جانتے ہوئے وہ اس بات کو بھی ناپسند کرتا ہے کہ اسے کوئی ''کافر'' کہے یا زمرہ اہل اسلام سے خارج ہونے کا لیبل اس پر چسپاں کرے۔دور حاضر میں یہ بات بہت عام نظر آنے لگی ہے کہ خواص وعوام ایک دوسرے کو بلا جھجک کافر کہہ دیتے ہیں اور اس عمل سے قبل اپنی طرف نظر بھی نہیں کرتے کہ وہ اس کے اہل ہیں بھی یا نہیں؟اس پر مستزاد یہ کہ اپنی کہی بات کو اس قدر مستند اور نا قابل تر دید سمجھتے ہیں کہ جو ان کے کہے کو کافر نہ کہے وہ اسے بھی دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو اور بالخصوص اہل سنت کے علماء کو ایک دوسرے کی تکفیر سے محفوظ فرمائے اور اسلام کی دعوت عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔امین

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

اذا اكفر الرجل اخاه فقد باء بهااحدهما

جب کوئی شخص اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان میں سے کسی ایک کی طرف کفر ضرور لوٹتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

ايما امرى قال لاخيه يا كافر فقد باء بها احدهما ان كان كما قال و الا رجعت عليه

جس شخص نے اپنے بھائی سے اے کافر کہا تو کفر دونوں میں سے کسی ایک کی

طرف ضرر لوٹے گا۔ اگر وہ شخص واقعی کافر ہو گیا تھا تو فبہا ورنہ کہنے والے کی طرف کفر لوٹ آئے گا۔

اس حدیث سے یہ معلوم بھی ہوتا ہے کہ کسی کا کفر اگر واقعی ثابت ہو چکا ہو تو اسے کافر کہنا جائز ہے ورنہ اس کا وبال کہنا والے پر ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

و من دعا رجلا بالکفر او قال عدو الله و لیس کذلک الا عاد علیه

اور جس نے کسی شخص کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کفر اس کی طرف لوٹ آئے گا۔

(مسلم: کتاب الایمان: باب: بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر)

اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بھی روایت فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: کتاب الادب: باب من کفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال)

ان کے علاوہ بھی کئی ایک محدثین نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہاں ''بغیر تاویل'' کی شرط لگائی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی تکفیر میں متاول ہو تو وہ معذور کہلائے گا اور اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منافق کہنے کو عذر فرمایا اور انہیں تنبیہ بھی فرمائی کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جنگی احوال کی خبر کفار کو دینا نفاق ہے۔ اسی طرح جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت فرمائی تو ایک صحابی نماز سے الگ ہو گئے اور انہوں نے اپنی نماز الگ ادا کر لی۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا یہ منافق ہے۔ وہ صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا عذر پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا ''أ فتان انت'' اے معاذ کیا تم فتنہ میں ڈالنے والے ہو؟ پھر انہیں مختصر سورتیں تلاوت کرنے کی نصیحت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر

نہیں فرمایا کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو جماعت ترک کرنے کی وجہ سے منافق گمان کیا تھا۔ (خلاصہ: عمدۃ القاری: ج:۲۲/ص:۱۵۷۔۱۵۸)

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

> **فتأملنا في هذا الحديث طلبا منا للمراد به ما هو؟ فوجدنا من قال لصاحبه: يا كافر معناه انه كافر لأن الذي هو عليه الكفر فاذا كان الذي عليه ليس بكفر، و كان ايمانا كان جاعله كافرا جاعل الايمان كفرا، و كان بذلك كافرا بالله تعالىٰ لأن من كفر بايمان الله تعالىٰ فقد كفر بالله: و من يكفر بالايمان فقد حبط عمله، و هو بالاخرة من الخاسرين، فهذا أحسن ما وفقنا عليه من تأويل هذا الحديث و الله نسأله التوفيق۔** (مشکل الاثار: باب بیان مشکل ما روی عنہ علیہ السلام فیمن قال لأخیہ: یا کافر)
>
> خلاصہ: ہم نے اس حدیث کی مراد جاننے کے لئے اس میں غور کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ جس شخص نے اپنے بھائی سے کہا اے کافر اس کا مطلب ہے کہ وہ کافر ہے کیونکہ یہ وہ ہے جس پر کفر ہے، پس اگر وہ کافر نہ ہو اور ایمان والا ہو تو اسے کافر کہنے والا کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے ایمان کو کفر کہا ہے۔ اس وجہ سے وہ درحقیقت اللہ کا انکار کرنے والا ہے۔ جس نے ایمان کو کفر کہا اس نے اللہ کا انکار کیا۔ جس نے ایمان کا انکار کیا اس کے اعمال برباد ہو گئے اور وہ آخرت میں خسارا پانے والوں میں ہوگا۔ یہ اس حدیث کی سب سے بہترین تاویل ہے جس کی ہمیں توفیق ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے ہم توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ کہ جس شخص کو اس نے کافر کہا وہ واقعی میں کافر ہو اور دوسری صورت یہ کہ وہ کافر نہ ہو۔ جب اس میں وجہ کفر نہ پائی گئی تو مسلمان کا اس کو کافر کہنا اس کو خود کافر بنا دیتا ہے کیونکہ وہ اب اس کے ایمان کو کفر سے تعبیر کر رہا ہے جو کفر ہے۔

ہمارے نزدیک اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو"کافر" کہے تو محض اس عمل سے اسلام سے دونوں میں سے کوئی بھی خارج نہیں ہوگا۔کافر ہونے کی صورت کو ہم امام طحاوی کے قول کی روشنی میں بیان کر چکے ہیں۔یہ ایک وعید ہے تا کہ اہل اسلام ایک دوسرے کو کافر بنانے سے احتراز کریں۔دوسری بات یہ کہ یہ حدیث مبارکہ خبر واحد ہے جس کی وجہ سے اس کو تکفیر کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔اس حدیث کے بارے میں شرح مواقف میں ہے:

(الثالث قوله عليه السلام :من قال لاخيه المسلم يا كافر فقد باء به)اى بالكفر(أحدهما قلنا آحاد)و قد اجمعت الامة على ان انكار الاحاد ليس كفرا (و)مع ذلك نقول(المراد مع اعتقاد انه مسلم فان من ظن بمسلم انه يهودى أو نصرانى فقال له يا كافر لم يكن ذلك كفرا بالاجماع) (شرح المواقف:ج:۸/ص:۳۴۴)

خلاصہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان میں سے کسی ایک کی طرف کفر ضرور لوٹتا ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ خبر واحد کا انکار کفر نہیں ہے۔اس کے ساتھ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ بات اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہے کہ یہ مسلمان ہے ۔پس جس کسی نے مسلمان کے بارے میں یہ گمان کیا کہ وہ یہودی ہے یا نصرانی ہے تو اس پر اجماع ہے کہ وہ کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔

اس بارے میں حضرت امام نووی علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے امام خانی لکھتے ہیں:

قال النووى فى الاذكار :قول المسلم لأخيه يا كافر يحرم تحريما غليظا و يمكن حمل قوله (يحرم تحريما غليظا)على الكفر أيضا كما فى الروضة لكنه قال فى شرح مسلم ما حاصله :مذهب أهل الحق انه لا يكفر المسلم بالمعاصى كالقتل و الزنا و كذا قوله لأخيه يا كافر من غير اعتقاد بطلان دين الاسلام ذكر ذلك عند شرح حديث: اذا قال الرجل لأخيه يا كافر فقد

باء بها احدهما .و الحاصل ان المفهوم من جملة اقوال النووی انه لا یکفر بمجرد هذا اللفظ بل لا بد معه من ان یعتقد ان ما اتصف به شخص من الاسلام کفر۔ (رسالۃ فی الفاظ الکفر :ص:۴۰۱)

امام نووی نے اذکار میں فرمایا ہے کہ مسلمان کا اپنے بھائی کو اے کافر کہنا بہت شدید حرام ہے۔آپ کے قول کو کفر پر محمول کرنا بھی ممکن ہے۔جیسا کہ روضہ میں ہے لیکن آپ نے شرح صحیح مسلم میں بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ کوئی مسلمان گناہ سے کافر نہیں ہوتا جیسے قتل کرنا ،زنا کرنا یا جیسے اپنے بھائی کو اے کافر کہنا ،اس کے دین اسلام کے باطل نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے ۔آپ نے اس کا ذکر درج ذیل حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے:

جس شخص نے اپنے بھائی سے اے کافر کہا تو کفر دونوں میں سے کسی ایک کی طرف ضرور لوٹے گا۔اگر وہ شخص واقعی کافر ہوگیا تھا تو فبہا ورنہ کہنے والے کی طرف کفر لوٹ آئے گا۔حضرت امام نووی کے تمام اقوال کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص محض اس لفظ سے کافر نہیں ہوگا بلکہ اس کے کافر ہونے کیلئے یہ عقیدہ ضروری ہے کہ یہ شخص جو اسلام کے ساتھ متصف ہے اس کا اسلام کفر ہے۔

مسلمان کو کافر کہنے کی شناعت:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و لا تنابزوا بالالقاب۔ (الحجرات ۴۹:۱۱)

ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھا کرو۔

اس کی وضاحت میں امام محمود آلوسی بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و عن ابن مسعود رضی الله عالیٰ عنه هو ان یقال الیهودی أو النصرانی أو المجوسی اذا اسلم یا یهودی أو یا نصرانی أو یا مجوسی۔ (روح المعانی :ج:۱۳/ص:۲۳۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس سے مراد کسی شخص کو جو اسلام قبول کر چکا ہو یہودی، نصرانی یا مجوسی کہنا ہے۔ یا اسے اے یہودی، اے نصرانی یا اے مجوسی کہنا ہے۔

اس آیت کے بارے میں امام ابو بکر جصاص رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال قتادة فی قوله تعالیٰ و لا تنابزوا بالالقاب قال: لا تقل لأخیک المسلم یا فاسق یا منافق .حدثنا عبد الله بن محمد قال: حدثنا الحسن قال: أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن الحسن قال: کان الیهودی و النصرانی یسلم فیقال له یا یهودی یا نصرانی فنهوا عن ذلک۔ (احکام القرآن: ج:۳/ص:۵۳۷)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولا تنابزوا بالالقاب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو اے فاسق یا اے منافق نہ کہے۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ جب کوئی یہودی یا نصرانی اسلام قبول کرتا تو اسے اے یہودی یا اے نصرانی کہا جاتا تھا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو اس عمل سے روکا گیا ہے۔

علمائے عظام کی اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا از روئے قرآن ناجائز ہے۔ اس سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من رمی مؤمنا بکفر فهو کقتله۔

(صحیح البخاری: کتاب الادب: باب من کفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال)

جس نے کسی مسلمان پر کافر ہونے کی تہمت لگائی تو یہ اُسے قتل کرنے کی طرح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

و من قذف مؤمنا بکفر فهو کقاتله (جامع الترمذی: ج:۲/ص:۵۴۸)

جس نے کسی مسلمان پر کافر ہونے کی تہمت لگائی تو وہ اسے قتل کرنے والے کی طرح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا قال الرجل للرجل یا یهودی فاضربوه عشرین۔

(جامع الترمذی: ج:۱/ص:۴۰۳)

جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کہے اے یہودی تو اسے بیس کوڑے مارو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من اصل الایمان الکف عن من قال لا اله الا الله و لا تکفره بذنب ولا نخرجه من الاسلام بعمل۔

(سنن ابی داؤد: کتاب الجهاد، باب الغزو مع ائمة الجور)

تین باتیں ایمان کی بنیاد میں سے ہیں۔ جو لا الہ الا اللہ کہے اسے تکلیف نہ دینا، کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کرو اور نہ ہم اسے کسی عمل سے اسلام سے نکالیں۔

حضرت عالم دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

أو قال لمسلم :یا فاسق یا خبیث یا کافر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیة: ج:۵/ص:۱۰۰)

اگر کوئی کسی مسلمان سے اے فاسق یا اے خبیث یا اے کافر کہے تو اس پر تعزیر ہے۔

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

قال بعضهم من قال لاخر :یا کافر لا یجب التعزیر ما لم یقل :یا کافر بالله لان الله سمی المؤمن کافرا بالطاغوت قال :فمن یکفر بالطاغوت(البقرة۲:۲۵۶)یکون محتملا۔

(الفتاویٰ التاتارخانیة: ج:۵/ص:۱۰۲)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جس نے کسی دوسرے سے کہا اے کافر اس پر تعزیر واجب نہیں ہوگی۔ جب تک وہ اسے اے اللہ کا انکار کرنے والے نہ کہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو طاغوت کا انکار کرنے والا بھی کہا

ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: سو جو کوئی ان معبودان باطل کا انکار کرے۔

پس یہ بات اپنے اندر احتمال رکھتی ہے۔

اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان کو کافر کہنا یا خارج از اسلام قرار دینا گناہ ہے۔اگر کسی مسلمان کو کسی شخص نے کافر کہا اور وہ قاضی کے پاس اپنا مسئلہ لے کر چلا جائے تو اسے اس کے کفر کو ثابت کرنا ہوگا۔اگر وہ شخص اس کو کافر ثابت نہ کر سکے تو اس صورت میں اسے تعزیرا سزا دی جائے گی کیونکہ ایک مسلمان کے لئے کافر کہلایا جانا ہر قسم کے سب وشتم سے بڑھ کر ہے۔مولانا عالم دہلوی رحمہ اللہ نے اس میں یہ احتمال یہ بھی بیان کیا ہے کہ کیونکہ کافر بعض اوقات مسلمانوں کے لئے بھی لغوی اعتبار سے استعمال کیا جاتا ہے اس لئے جب کسی مسلمان کو کافر کہا جائے تو اسے تعزیرا سزا دینے سے قبل یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کہنے والے نے کافر کا لفظ کس معنی میں استعمال کیا ہے۔اگر وہ لغوی اعتبار سے استعمال کیا ہے تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔

کافر کو کافر کہنا:

بعض حضرات اسلام کا دائرہ اتنا تنگ کر لیتے ہیں کہ انہیں اپنی ذات کے علاوہ کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔اسی طرح سے بعض حضرات اسلام کا دائرہ اتنا وسیع کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں کوئی کافر نظر نہیں آتا۔یہاں تک کہ وہ یہود و نصاریٰ کو بھی مسلمان اور بعد از انتقال مستحق جنت سمجھتے ہیں۔ان غیر معتدل رویوں سے بچنا چاہئے۔اسلام کا دائرہ وسیع کرنے یا اسے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔اسلام مکمل ہو چکا ہے اور اب کسی کو دین میں کمی یا زیادتی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔بعض اوقات یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کافر کو کافر کہنا درست ہے یا نہیں؟ ہماری رائے میں کسی شخص کے کافر ہونے کا ثبوت قطعی یا ظنی طور پر ہوگا۔جیسے ابولہب، شداد، ہامان وغیرہ کا کافر ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔لہٰذا ان کو کافر کہنا درست ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل یا ایھا الکافرون ○　　(الکافرون ۱:۱۰۹)

آپ فرما دیجئے اے کافرو!

اس آیت مقدسہ سے ان لوگوں کو کافر کہنے کا جواز معلوم ہوتا ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی براہ راست تکذیب کی۔اسی طرح بعض لوگوں کا کافر ہونا ان کے کفریہ عقائد یا کفریہ اعمال

سے اس قدر ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کے کفر میں کسی بھی قسم کا تامل یا شک باقی نہیں رہتا۔ جیسے مسیلمہ کذاب یا منکرین زکوٰۃ کا کافر ہونا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان کے کفر پر اجماع ہوا اسی لئے ان پاکیزہ نفوس نے اپنے زمانہ میں ان کے خلاف جہاد کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث میں صاف ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو کفر من کفر من العوب عرب میں سے جن کو کافر ہونا تھا وہ کافر ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی شروع میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ کی رائے سے اختلاف کیا لیکن بعد میں آپ کی وضاحت پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ مبارک بھی کھل گیا اور آپ نے جان لیا کہ جس طرح نماز کا انکار کفر ہے اسی طرح زکوٰۃ کا انکار بھی کفر ہے۔

جہاں تک کسی کے کفر کا ظنی طور پر معلوم ہونا ہے تو اس کو بھی کافر کہا جا سکتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت ترک کرنے پر ایک صحابی کو منافق کہا۔ تاہم اپنی اس رائے کا کسی دوسرے کو مکلّف نہیں بنایا جا سکتا۔ یہاں ایک بات قابل غور یہ ہے جو مثالیں ہم نے پیش کی ہیں وہ خیر القرون کی ہیں۔ ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ وہ دور ہے جس کے بارے میں ثم یفشو الکذب فرمایا گیا ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے اس کے سد باب کے لئے ایسے شخص کو تعزیرا سزا دینے کا مسئلہ بیان کیا ہے جو کسی مسلمان کو کافر کہے اور اس کا کفر ثابت نہ ہو۔ لہذا ہمیں بالخصوص مسئلہ اکفار میں کمال احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے:

> عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قال: تخرج الدابة معها خاتم سلیمان و عصا موسی فتجلو وجه المؤمن و تختم انف الکافر بالخاتم حتیٰ ان اهل الخوان لیجتمعون فیقول هذا یا مؤمن و یقول هذا یا کافر۔
>
> (جامع الترمذی: ج:۲. ص:۶۲۳-۶۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دابہ نکلے گا تو اس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہو گا۔ وہ مومن کے چہرے کو روشن کر دے گا اور کافر کی ناک پر انگوٹھی سے مہر لگا دے گا یہاں تک کہ جب دسترخوان پر لوگ جمع ہوں گے تو وہ کہیں گے یہ اے مومن! اور کہیں گے یہ اے کافر!

دابۃ الارض ایک جانور ہے جو قیامت سے قبل ظاہر ہوگا۔ احادیث میں اس کو قیامت کی علامات میں سے بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب وہ جانور ہر مومن و کافر کے چہرے پر ایمان و کفر کی علامت چھوڑ دے گا تو اہل ایمان کفار کو یا کافر کہہ کر پکاریں گے۔ دابۃ الارض کی اس علامت لگانے کے بعد اہل ایمان کا کسی کو کافر جاننا اس علامت کی وجہ سے قطعی نہیں ہو گا نیز دابۃ الارض کا وجود دلائل قطعیہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اہل ایمان کا اس علامت کی وجہ سے کسی کو کافر کہنا ظنی ہوگا نہ کہ قطعی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بات کو بلا تردید بیان فرمایا ہے جو اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے علاوہ وہ تمام روایات جن سے مرتد کی سزا (قتل) ثابت ہوتی ہے ان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ کسی کو مرتد قرار دے کر اسی وقت قتل کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا کفر ثابت ہو جائے۔ پھر اسے قتل کرنا کافر کہنے سے زیادہ سخت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث صحابہ کرام اور بعد میں آنے والے قاضیوں کے فیصلوں سے یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے کئی ایک لوگوں کو مرتد ہونے پر قتل کیا اگر وہ ان کے ارتداد اور کافر ہونے کا فتویٰ نہ دیتے تو پھر انہیں قتل کی سزا کیونکر دیتے؟

خوشخبری　　خوشخبری　　خوشخبری

جدالممتار علی رد المحتار

کی بیروت طرز پر، تیسری اور چوتھی جلد شائع ہوگئی ہے۔

متفرقات

سابقہ اوراق میں ہم تفصیلا مسئلہ اکفار سے متعلق اصولوں کا بیان کر چکے ہیں۔اس باب میں ہم متفرق اہم مسائل کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے تاکہ ان کی روشنی میں مسئلہ اکفار کو سمجھنا مزید آسان ہو جائے۔واللہ المستعان

☆علامہ عالم انصاری دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و من قال بحدوث صفة من صفات الله فهو كافر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ:ج:۵/ص:۳۱۵)

اور جس نے اللہ تعالیٰ صفات میں سے کسی بھی صفت کو حادث کہا وہ کافر ہے۔

☆ و في خزانة الفقه :و لو قال :لله تعالیٰ شريک،أو :ولد، أو :زوجة،أو :هو جاهل،أو عاجز ،أو ناقص بذاته أو بصفا ته كفر ۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ:ج:۵/ص:۳۱۵)

اور جس نے کہا اللہ تعالیٰ ک کوئی شریک ہے یا اس کو کوئی بیٹا ہے یا بیوی ہے یا وہ جاہل یا وہ عاجز ہے یا اپنی ذت یا صفات کے اعتبار سے ناقص ہے وہ کافر ہو گیا۔

☆ جب عورت اور مرد میں جھگڑا بڑھ جائے اور مرد عورت سے کہے تو اللہ سے ڈر اور خوف کر،تو عورت جواب میں کہے:میں نہیں ڈرتی،شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل اس بارے میں فرماتے ہیں:

ان كان الزوج عاتبها على معصية ظاهرة و خوفها من الله فأجابته بهذا تصير مرتدة و تبين من زوجها و ان كان الذی عاتبها فيه أمر لا يخاف فيه من الله لم تكفر الا ان تريد بذلک الاستخفاف فتبين من زوجها (الفتاویٰ التاتارخانیۃ:ج:۵/ص:۳۱۹)

اگر شوہر نے اسے کسی ظاہر گناہ پر عتاب کیا ہو اور اسے اللہ سے ڈرایا ہو اور وہ یہ جواب دے تو مرتد ہو جائے گی اور اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے

گی۔اگر شوہر نے اسے کسی ایسے امر پر عتاب کیا جس میں اللہ سے ڈرا نہیں جاتا تو وہ کافر نہیں ہوگی۔مگر یہ کہ وہ اس عمل سے توہین کا ارادہ کرے تو اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی۔

☆ **و فی الخانية :نصراني أسلم فمات ابوه بعد ذلک فقال:يليتني لم أسلم الی هذا الوقت حتیٰ أرث منه!فانه يصير مرتدا لأنه تمنی الكفر و ذلک كفر۔**(الفتاویٰ التاتارخانیۃ:ج:۵/ص:۳۲۳)

خانیہ میں ہے کہ ایک نصرانی نے اسلام قبول کر لیا۔اس کے بعد اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تو اس نے کہا: کاش میں اس وقت تک مسلمان نہ ہوا ہوتا تاکہ اس کا وارث بن جاتا۔وہ مرتد ہو جائے گا کیونکہ اس نے کفر کی تمنا کی ہے اور کفر کی تمنا بھی کفر ہے۔

☆ اگر ایک شخص یہ قسم اٹھالیتا ہے کہ اگر میں فلاں کام کیا تو میں یہودی ہوں یا نصرانی یا میں اسلام سے بری ہوں تو اگر وہ اس شرط کو پورا کردے تو وہ کافر ہوگا یا نہیں؟اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

ينظر:ان كان عنده أنه يكفر متی اتی با لشرط و مع هذا أتی به يكفر ،و كفارته ان يقول:لا اله الا الله محمد رسول الله(ﷺ) و ان كان عنده انه لا يكفر متی أتی با لشرط لا يكفر،و كان عليه كفارة اليمين ،وان حلف بهذه الالفاظ علی امر فی الماضی بان قال:أنا يهودی أو مجوسی ان كنت فعلت كذا أمس! و هو يعلم انه قد كان فعله لا شک انه ليس عليه الكفارة ،و هل يصير كا فرا؟هو علی التفصيل الذی قلنا:ان كان عنده انه يمين و لا يكفر متی حلف بهذا لا يصير كافرا،و ان كان عنده انه يكفر حين حلف بهذا يصير كا فرا فی الماضی و المستقبل،هكذا اختار الشيخ الامام شمس الأئمة السرخسی ،و الشيخ المعروف بخواهر زاده و عليه الفتویٰ و فی الخانية

:فان كان ناسيا لا يعلم انه فعل أو لم يفعل لم يصر كافرا عند الكل۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ:ج:۵/ص:۳۲۳)

دیکھا جائے گا:اگر اس کے نزدیک اس شرط کا پورا کرنا کفر ہے اور پھر وہ اس شرط کو پورا کردے تو وہ کافر ہو جائے گا۔اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کہے۔اگر اس کے نزدیک اس شرط کا پورا کرنا کفر نہیں ہے تو وہ کافر نہ ہوگا اور اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔اگر وہ ماضی میں ان الفاظ کے ساتھ کسی امر پر حلف اٹھائے جیسے کہے کہ اگر میں نے کل فلاں کام کیا ہو تو میں یہودی ہوں یا مجوسی ہوں۔وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا تھا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔وہ کافر ہوگا یا نہیں؟اس میں وہی تفصیل ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔اگر اس کے نزدیک وہ قسم ہے اور وہ اس سے کافر نہیں ہوتا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔اور اگر اس کے نزدیک یہ کفر ہے۔جب وہ ان الفاظ کے ساتھ حلف تو وہ کافر ہو جائے گا۔چاہے وہ ماضی میں ہو یا مستقبل میں۔اسی کو شیخ امام شمس الائمہ سرخسی اور امام شیخ خواہر زادہ علیہما الرحمۃ نے اختیار کیا ہے۔اسی پر فتویٰ ہے۔خانیہ میں ہے کہ اگر وہ بھولنے والا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ کام میں نے کیا تھا یا نہیں تو وہ تمام کے نزدیک کافر نہ ہوگا۔

☆ اذا قال:الخمر ليست بحرام فهو كافر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ:ج:۵/ص:۳۴۳)

جب اس نے کہا شراب حرام نہیں ہے وہ کافر ہے۔

☆ و في المنتقى لو قال مسلم:حرمة الخمر ما ثبتت بنص القرآن فقد كفر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ:ج:۵/ص:۳۴۳)

منتقی میں ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کہا:شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں ہے وہ کافر ہو گیا۔

☆ سئل أبو ذر عمن شک فی تحريم الربا أو الخمر و هو قريب

العهد بالكفر جاهل بحكم الاسلام ؟فقال :هو متمسك بحكم العقل فان علم حرمته بالشرع و استحل ذلك كفر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ : ج:۵/ص:۳۳۲)

ابو ذر سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ربا یا خمر کی تحریم میں شک کرے جبکہ وہ زمانہ کفر کے قریب ہو اور اسلام کا حکم اسے معلوم نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: اس کی گرفت عقل کے حکم کے ساتھ ہوگی۔ پس اگر وہ خمر کی حرمت کو شرع سے جانتا تھا پھر اس نے اس کو حلال جانا تو یہ کفر ہے۔

☆ حضرت شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و يكفر من قال ان حرمة الخمر لم تثبت بالقرآن

(البحر الرائق: ج:۵/ص:۱۹۸)

جس نے کہا کہ شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں وہ کافر ہو جائے گا۔

☆ حضرت بدر الرشید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و لو قال حرمة الخمر لم تثبت بالقرآن كفر.من انكر حرمة الخمر في القرآن كفر۔ (الفاظ الکفر :ص:۹۹)

اور اگر کسی نے کہا کہ شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں ہے وہ کافر ہو گیا۔ جس نے خمر کی حرمت کا قرآن میں بیان ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔

☆ حضرت امام ابن حجر ہیتمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و كفر زاعم أنه لا نص في القرآن على تحريم الخمر ظاهر

(الاعلام بقواطع الاسلام :ص:۲۵۸)

جس شخص نے یہ گمان کیا کہ قرآن میں کوئی ایسی نص نہیں جو شراب حراب ہونے پر دلالت کرے اس کا کفر ظاہر ہے۔

☆ حضرت تاج الدین ابوالمعالی فرماتے ہیں:

و لو قال :حرمة الخمر لم تثبت بالقرآن يكفر۔

(رسالۃ فی الفاظ الکفر :ص:۴۵۸)

اور اگر اس نے کہا کہ شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں وہ کافر ہے۔

☆ علامہ عالم انصاری دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

☆ فی الجامع الاصغر :قال الفقیہ ابو القاسم رحمہ اللہ: من لقن انسانا کلمۃ الکفر لیتکلم بھا کفر الملقن و ان کان علی وجہ اللعب و الضحک و ھکذا روی عن ابن المبارک ،و المروی عنہ انہ من امر امرأۃ حتی ترتد من الاسلام لتبین من زوجھا فھو کافر و من افتی بہ فھو کافر (الفتاویٰ التاتارخانیۃ :ج:۵/ص:۳۵۷)

جامع اصغر میں ہے:فقیہ ابو القاسم نے فرمایا: جس نے کسی انسان کو کلمہ کفر کی تلقین کی تا کہ وہ کلمہ کفر ادا کرے تو تلقین کرنے والا کافر ہو جائے گا۔اگر چہ وہ کھیل کود یا مذاق کے طور پر ہی ہو۔اسی طرح ابن المبارک سے مروی ہے۔آپ سے مروی ہے کہ جس شخص نے کسی کی بیوی کو حکم دیا کہ تم مرتد ہو جاؤ تا کہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل جاؤ تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے ایسا فتویٰ دیا وہ مفتی کافر ہو جائے گا۔

حضرت امام عبد الغنی نابلسی فرماتے ہیں:

اعلم یا اخی اولا ان الفرض علی نوعین :فرض عملی و فرض اعتقادی و الفرض العملی لا یکفر جاحدہ و الفرض الاعتقادی یکفر جاحدہ و الوتر عند ابی حنیفۃ فرض عملی لا یکفر جاحدہ و معنی کونہ فرضا عملیا انہ من جھۃ العمل فقط محکوم علیہ بانہ فرض لا من جھۃ الاعتقاد

(کشف الستر عن فریضۃ الوتر :ص:۱۲۱)

اے میرے بھائی سب سے پہلے جان لو کہ فرض کی دو اقسام ہیں :فرض عملی اور فرض اعتقادی ۔فرض عملی کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہو گا۔فرض اعتقادی کا انکار کرنے والا کافر ہو جائے گا۔وتر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض عملی ہے اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں ۔کسی امر کے فرض عملی

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عمل کے اعتبار سے تو محکوم علیہ ہے یعنی اس کو کرنے کا حکم اس طور پر دیا گیا ہے کہ وہ فرض ہے جبکہ اعتقاد کے اعتبار سے ایسا نہیں ہوتا۔

☆ حضرت امام ابوبکر جصاص رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ومن انكر المعراج من مكة الى المسجد الاقصى يكفر لانه قد رد الايات قوله جل و علا :سبحان الذى اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى (الاسراء۱۷:۱)

ومن صدق الايات و أقر ببلوغه الى بيت المقدس لا غير و أنكرما وراء ذلك من المعارج و المعراج و العروج الى السماء و الصعود الى الجنة والعرش و الكرسى و الحجب واللوح و القلم و غير ذلك يكون معتزليا۔

(شرح بدء الامالی:ص:۲۷۱)

اور جس نے مکہ مکرمہ سے مسجد اقصی تک معراج کا انکار کیا وہ کافر جائے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی کی آیات کا انکار کیا ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا:
اور جس نے ان آیات کی تصدیق کی اور اس بات کا اقرار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بیت المقدس تو تشریف لے گئے ہیں کہیں اور نہیں گئے اور باقی آسمان پر تشریف لے جانے اور جنت، عرش، کرسی، پردے، لوح قلم وغیرہ کی طرف جانے کا انکار کردے وہ معتزلی ہوگا۔

☆ **و كذا تارك الصلاة ولا يكفر ما لم يستحلها و من قال بقتله ان يقتل زجرا و سياسة لا انه يكفر بها غير مستحل بها و خبر النبى ﷺ :من الصلاة عامدا متعمدا فقد كفر ،قلنا :مراده التعمد المنكر۔** (شرح بدء الامالی:ص:۳۲۴)

اور اسی طرح نماز ترک کرنے والا، وہ اس وقت تک کافر نہیں ہوگا جب تک اسے حلال نہ سمجھے اور جن علماء نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے وہ اسے زجرو

سیاسی اعتبار سے قتل کرنا ہے۔ وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ نماز کرنے کی وجہ سے کافر ہو گیا ہے جبکہ وہ اس کے ترک کو حلال نہیں جانتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اس نے کفر کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں ''تعمد'' سے مراد انکار کرتے ہوئے ترک کرنا ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص نماز کو کر دے تو اگر چہ اس نے یہ کافروں والا کام کیا لیکن وہ کافر نہیں ہو گا جب تک اسے جان بوجھ انکار کرتے ہوئے نہ کرے۔

☆ و لا نخرج المؤمن المصدق من الایمان الا بجحود ما أدخله فیه۔ (شرح بدء الامالی:ص:۳۲۵)

اور ہم کسی مومن تصدیق کرنے والے کو ایمان سے نہیں نکالتے سوائے اس وقت جب وہ کسی ایسی بات کا انکار کر دے جس سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا۔

☆ علامہ شیخ محمد بن محمد بابرتی حنفی اس حوالہ سے فرماتے ہیں:

لان الکفر و الایمان متضادان فلا یبطل أحدهما الا باتیان الاخر و المؤمن انما صار مؤمنا و دخل فی الایمان بالتصدیق و الاقرار فلا یصیر کافرا و خارجا عن الایمان الا با لحجود و التکذیب فاذا ارتکب کبیرة مع بقاء اعتقاد الجزم و التصدیق و الایمان لا یخرج عن الایمان فلا یحکم بکفر أحد حتی یعلم منه جحود ما صار به مؤمنا۔ (شرح عقیدۃ الطحاویۃ:ص:۱۱۱)

کیونکہ کفر اور ایمان متضاد ہیں۔ اس لئے کوئی اس وقت تک باطل نہ ہو گا جب تک دوسرا نہ آجائے۔ یعنی ایمان ہو گا تو کفر نہ ہو گا اور اگر کفر ہوا تو ایمان نہ ہوگا۔ مومن مومن بنا ہے اور ایمان میں داخل ہوا ہے تصدیق اور اقرار کی وجہ سے۔ پس وہ کافر نہیں ہو گا اور ایمان سے خارج نہیں ہو گا سوائے اس جان بوجھ کر انکار اور تکذیب کی وجہ سے۔ اگر اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا یقین، تصدیق اور ایمان کے ساتھ تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ نہ ہی کوئی اس کے کفر کا حکم دے گا۔ یہاں تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس بات کا انکار کرتا ہے جس سے وہ مومن ہوا تھا۔

☆ قاضی عماد الدین صاعد بن محمد نیشاپوری فرماتے ہیں:

و عن أبي مطيع البلخي قال: قال: ابو حنيفة من قتل نفسا بغير حق أو سرق أو قطع الطريق أو فجر أو زنا أو شرب الخمر أو سكر فهو مؤمن فاسق و ليس بكافر وانما يعذبهم الله بالاحداث في النار و يخرجهم منها بالايمان۔

(کتاب الاعتقاد: ص:۱۴۱)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس کسی نے کسی بھی جان کو بغیر حق کے قتل کیا یا چوری کی یا ڈکیتی کی یا اعلانیہ گناہ کیا یا زنا کیا یا شراب پی یا نشہ کیا وہ فاسق مومن ہے، کافر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے ان کی وجہ سے آگ میں ڈالے گا اور ایمان کی وجہ سے باہر نکال لے گا۔

☆ حضرت امام بدر الرشید فرماتے ہیں:

و لو عزم على الكفر و لو بعد مائة سنة يكفر في الحال

(الفاظ الکفر: ص:۲۳)

جس شخص نے کفر کرنے کا ارادہ کیا اگر چہ سو سال بعد ہی ہو تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

☆ **و من لم يؤمن بكتاب من كتب الله أو جحد وعدا أو وعيدا مما ذكره الله تعالىٰ في القرآن أو كذب شيئا منه كفر**

(الفاظ الکفر: ص:۲۷)

اور جو ایمان نہ لائے اللہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب پر یا کسی وعدہ یا وعید کا انکار کر دے جس کو اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے یا قرآن میں سے کسی بات کا انکار کر دے وہ کافر ہو جائے گا۔

☆ **من جحد فرضا مجمعا عليه كالصلاة و الصوم و الزكاة و الغسل من الجنابة كفر۔** (الفاظ الکفر: ص:۳۹)

جس نے کسی ایسے فرض کا انکار کر دیا جس کے فرض ہونے پر تمام کا اجماع

ہے جیسے نماز اور روزہ اور زکاۃ اور غسل جنابت وہ کافر ہو جائے گا۔

☆ من تمنى ان لا يكون حرام الله تعالىٰ الزنا أو القتل بغير الحق أو الظلم أو اكل ما لا يكون حلالا فى وقت من الاوقات يكفر۔

(الفاظ الکفر :ص:۹۱)

جس نے تمنا کی کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں جیسے زنا یا ناحق قتل یا ظلم یا اس چیز کا کھانا جس کا کھانا حلال نہیں ہے اوقات میں سے کسی وقت حرام نہ ہوتیں وہ کافر ہو جائے گا۔

☆ حضرت امام ابن حجر ہیتمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ومن المكفرات أيضا السحر الذى فيه عبادة الشمس و نحوها فان خلا عن ذلک كان حراما لا كفرا فهو بمجرده لا يكون كفرا ما لم ينضم اليه مكفر، و من ثم قال الماوردى: مذهب الشافعى رضى الله عنه أنه لا يكفر بالسحر و لا يجب به قتله و يسأل عنه فان اعترف معه بما يوجب كفره كان كافرا بمعتقده لا بسحره و كذا لو اعتقد اباحة السحر كان كافرا باعتقاده لا بسحره فيقتل حينئذ بما انضم الى السحر لا بالسحر هذا مذهبنا۔　(الاعلام بقواطع الاسلام:ص:۱۹۷)

وجوہ تکفیر میں سے وہ جادو بھی ہے جس میں سورج وغیرہ کی عبادت کی جاتی ہے۔اگر جادو اس سے خالی ہو تو فسق ہے کفر نہیں۔محض جادو کفر نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ کوئی ایسی بات شامل نہ ہو جائے جو کفر ہے۔ماوردی نے کہا ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جادو سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا قتل کرنا واجب ہے۔اس سے پوچھا جائے گا۔اگر وہ اس کا اعتراف کر لے کہ اس کے پاس وہ بات ہے جو کفر کو واجب کرتی ہے تو وہ اپنے عقیدے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا سحر کی وجہ سے نہیں۔اسی طرح سے اگر اس نے جادو کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھا تو اپنے اعتقاد کی وجہ سے کافر

ہوجائیگا جادو کی وجہ سے نہیں۔اس وقت اسے قتل کیا جائے گا اس وجہ کفر کی وجہ سے جو اس میں شامل ہوگئی ہے نہ کہ سحر کی وجہ سے ۔یہ ہمارا مذہب ہے۔

☆ حضرت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فی الفتح :السحر حرام بلا خلاف بین اهل العلم و اعتقاده اباحته کفر.....و علم به و بما نقلناه عن الخانیة انه لا یکفر بمجرد عمل السحر ما لم یکن فیه اعتقاد أو عمل فهو مکفر و لذا نقل فی تبیین المحارم عن الامام ابی المنصور :ان القول بانه کفر علی الاطلاق خطأ و یجب البحث عن حقیقته فان کان فی ذلک رد ما لزم فی شرط الایمان فهو کفر و الا فلا اھ۔

(ردالمحتار:ج:۶/ص:۳۸۳)

فتح میں ہے کہ جادو تمام اہل علم کے نزدیک بلا اختلاف حرام ہے۔اور اس کے جائز ہونے کا عقیدہ کفر ہے۔۔۔۔۔ہم نے جو کچھ خانیہ سے نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محض جادو کا عمل کرنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا جب تک اس میں کوئی کفریہ اعتقاد یا عمل شامل نہ ہو،اس صورت میں وہ عمل یا اعتقاد کافر کرنے والا ہوا۔تبیین المحارم میں حضرت امام ابومنصور سے منقول ہے کہ علی الاطلاق یہ کہنا کہ جادو کفر ہے خطا ہے۔اس کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے اگر اس میں اس چیز کا رد ہو جو ایمان کی شرط کے لئے لازم ہوتو وہ کفر ہوگا ورنہ نہیں۔

☆ **و من زعم ان الاله سبحانه و تعالیٰ یحل فی شئ من احاد الناس أو غیرهم فهو کافر۔** (الاعلام بقواطع الاسلام:ص:۲۰۴)

جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ جو عالی ہے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے،کسی میں حلول کرگیا ہے وہ کافر ہوجائے گا۔

☆ **و من ذلک جحد جواز بعثة الرسل أو انکار نبوة نبی من الانبیاء المتفق علی نبوتهم صلوات الله و سلامه علیهم لا کالخضر و**

خالد بن سنان و لقمان و غیرهم۔ (الاعلام بقواطع الاسلام:ص:۲۰۵)

وجوہات کفر میں سے رسولوں کی بعثت کے جواز کا انکار ہے یا انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار ہے جس کی نبوت پر سب کا اتفاق ہے۔حضرت خضر،خالد بن سنان اور لقمان علیہم السلام کی نبوت کے انکار سے وہ کافر نہیں ہوگا۔کیونکہ ان کا نبی ہونا مختلف فیہ ہے۔

☆ و الشک فی الفرائض الکفر به واضح لانه یستلزم الشک فی الضروریات المعلومة من الدین و هو کفر کانکارها۔

(الاعلام بقواطع الاسلام:ص:۲۶۳)

فرائض میں شک کرنے کا کفر ہونا بالکل واضح ہے۔کیونکہ یہ ضروریات دین میں شک کو مستلزم ہے۔یہ شک اس کے انکار کی طرح کفر ہے۔

☆ حضرت امام قاسم بن صلاح الدین خانی فرماتے ہیں:

من تمنی الکفر کفر۔　　(رسالۃ فی الفاظ الکفر:ص:۳۸۳)

جس نے کفر کی تمنا کی وہ کافر ہوگیا۔

☆ و منها :اذا اسلم کافر فأعطاه الناس اموالا فقال اخر:لیتنی کنت کافرا فاسلم فاعطی،قال بعض المشایخ یکفر.قال:النووي قلت فی هذا نظر لانه جازم با لاسلام فی الحال و الاستقبال و ثبت احادیث صحیحة فی قصه اسامة رضی الله عنه حین قتل من نطق بالشهادة ،فقال له ﷺ: کیف تصنع بلا اله الا الله اذا جاء ت یوم القیامة حتی تمنیت انی لم أ کن اسلمت قبله یو مئذ و یمکن الفرق بینهما انتهی و الفرق ان اسامة رضی الله تعالی عنه لم یتمن الکفر لاجل الدنیا کما تمناه هذا القائل بل ود ان یکون اسلامه بعد هذه المعصیة لأن الاسلام یجب ما قبل فیسلم من تلک المعصیة العظیمة۔

(رسالۃ فی الفاظ الکفر:ص:۳۸۴)

وجوہ کفر میں سے ہے کہ جب کوئی کافر اسلام قبول کرے اور لوگ اس کو پیسے دیں تو دوسرا یہ کہے کہ کاش میں کافر ہوتا پھر اسلام قبول کرتا تو مجھے بھی پیسے دیئے جاتے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں نظر ہے۔ کیونکہ وہ اسلام میں فی الحال اور مستقبل میں پختہ ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ثابت ہے۔ جب آپ نے اس شخص کو قتل کیا جس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم قیامت کے دن کیا کرو گے جب لا الہ الا اللہ آئے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کاش میں نے اس سے روز پہلے اسلام قبول نہ کیا ہوتا۔ ان دونوں میں فرق ممکن ہے۔ انتہی۔

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کفر کی تمنا دنیا کے لئے نہیں کی تھی جیسے اس کہنے والے نے کی تھی۔ بلکہ وہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ آپ کا اسلام اس گناہ کے بعد ہوتا کیونکہ اسلام ما قبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس طرح آپ اس گناہ سے بچ جاتے۔

☆ **هل يجوز ان يحكي الرجل عن غيره ما قاله من كلمات الكفر ام لا؟ قال القاضي عياض في الشفاء يختلف الحكم باختلاف ذلك على وجوه الوجوب و الندب و التحريم**

ا) **فان كان على وجه الشهادة و التعريف بقائله و الانكار عليه و التنفير منه فقد يجب**

ب) **و قد يندب بحسب حالات الحاكي و المحكي عنه و قد اجمع السلف و الخلف على حكايات مقالات الكفرة و الملحدين في كتبهم و مجالسهم لبيانهم و ردها**

ج) **و ان كان على وجه الاعتياد له أو اظهار استحسانه أو كان مولعا بمثله دراسة و تطلبا له أو كان مولعا برواية أشعار هجوه عليه**

الصلاة و السلام فهو الساب و لا ينفعه نسبته الى غيره فيبادر بقتله ان لم يتب و قد قالوا: حفظ شطر بيت مما هجى به صلى الله عليه واله وسلم كفر ان رضى بذلك او استحسنه لا ان قصد به غير ذلك ،حققه ابن حجر و اجمعوا على تحريم رواية ما هجى به صلى الله عليه واله وسلم و تحريم كتابته و قراءته۔

(رسالۃ فی الفاظ الکفر :ص:۴۰۹)

کسی شخص سے کفریہ کلمات کی حکایت جائز ہے یا نہیں؟ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے شفاء میں فرمایا ہے کہ اس کا حکم مختلف وجوہ کے ساتھ ہے۔کبھی یہ واجب ہوتا ہے۔کبھی مستحب ہوتا ہے اور کبھی حرام ہوتا ہے۔

۱) اگر یہ گواہی کے طور پر ہو اور اس لئے ہو کے لوگ اس کہنے والے کو جان لیں اور اس کا انکار کریں اور اس سے نفرت کریں تو یہ واجب ہے۔

۲) یہ کبھی نقل کرنے والے اور جس کے بارے میں نقل کیا جارہا ہے، کے اعتبار سے مستحب بھی ہوتا ہے۔سلف اور خلف کا کافروں اور ملحدین کے مقالات اپنی کتابوں اور مجالس میں نقل کرنے پر اجماع ہے۔

۳) اگر یہ عادت کے طور پر ہو یا اس کی تحسین کے اظہار کے لئے ہو یا وہ کفریہ باتوں کو سیکھنا اور طلب کرنا پسند کرتا ہو یا نبی کریم کی (نعوذ باللہ) ہجو میں اشعار کو پسند کرتا ہو تو ساب ہے۔اس کا ان باتوں کی نسبت کسی دوسرے کی طرف کرنا نفع نہ دے گا۔پس اگر وہ تائب نہ ہو تو اس کے قتل میں جلدی کی جائے گی۔علماء نے کہا ہے کہ جس شعر میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی (نعوذ باللہ) ہجو بیان کی گئی ہو اس کے نصف بیت کو یاد کرنا کفر ہے اگر وہ اس کے ساتھ راضی ہو یا اس کو اچھا قرار دے۔اگر اس کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو تو وہ کافر نہ ہوگا۔

یہ تحقیق امام ابن حجر علیہ الرحمۃ نے کی ہے۔تمام علماء کا اجماع ہے کہ جس چیز میں نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہجو بیان کی گئی ہو اس کا نقل کرنا،لکھنا اور پڑھنا حرام ہے۔

☆معوذتین کا انکار:

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور کلام ہے۔اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے اور وہی اس لاریب کتاب کی قیامت تک حفاظت فرمائے گا۔قرآن حکیم ہم تک تواتر سے منقول ہے اوراس کا ثبوت اس قدر قطعی ہے کہ اس کا درجہ احادیث متواترہ سے بھی زیادہ بلند ہے۔اسی لئے قرآن مجید سے متعلق ہر وہ بات جو خبر واحد سے ثابت ہو لائق توجہ نہیں۔اخبار احاد ظنی ہوتی ہیں اس لئے ان سے دین کے عقائد بھی نہیں بنتے۔بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ اگر کوئی شخص معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کا قرآن میں سے ہونے کا انکار کر دے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔کیونکہ دور اول میں اس کی قرآنیت میں اختلاف تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قرآن میں سے ہونے کے قائل نہیں تھے۔صدر اول کے بعد امت کا اجماع ہوا کہ یہ دونوں بھی قرآن مجید کی سورتیں ہیں اس لئے اجماع متاخر خلاف متقدم کو رفع نہیں کر سکتا۔

محققین اور علمائے اصول کا موقف یہ ہے جو عین صواب ہے کہ ان دونوں کا قرآن کی سورتیں ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت کہ یہ دونوں سورتیں قرآن میں سے نہیں باطل ہے۔اگر کوئی کسی درجہ میں اسے حدیث ثابت کر بھی دے تو باعتبار نقل خبر واحد ہونے سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور اخبار احاد سے قرآن کا ثبوت کا یا اس میں اشتباہ پیدا نہیں ہوسکتا۔قرآن مجید ہر قسم کی اشتباہ اور شک سے پاک ہے۔لہذا ان سورتوں کا قرآن میں سے ہونے کا انکار کفر ہے۔

مجتہد مطلق امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و ما عن ابن مسعود من انکار المعوذتین لم یصح

(التحریر:ج:۲/ص:۲۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو معوذتین کا انکار مروی ہے وہ صحیح نہیں۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و المعوذتان فقد ثبت نقلهما شائعا من القرآن کسائر السور و

ابن مسعود رضی الله عنه لم ینکر کونهما من القرآن

(المستصفی: ج:۱/ص:۲۸۶)

معوذتین کا قرآن میں سے ہونا اسی طرح سے منقول اور مشہور ہے جیسے دیگر سورتوں کا قرآن میں سے ہونا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کے قرآن میں سے ہونے کا انکار نہیں کیا۔

حضرت شیخ ابن نجیم فرماتے ہیں:

و ما عن ابن مسعود رضی الله عنه من انکارهما لم یصح.......... و اختار فی الفتاویٰ البزازیة تکفیر منکرهما للاجماع علی کونهما منه۔ (فتح الغفار: ص:۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو معوذتین کا انکار مروی ہے وہ صحیح نہیں۔۔۔۔۔فتاویٰ بزازیہ میں ان دونوں سورتوں کے قرآن میں سے ہونے کے منکر کی تکفیر کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔کیونکہ ان دونوں کی قرآنیت پر اجماع ہے۔

حضرت امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اجمع المسلمون علی ان المعوذتین و الفاتحة و سائر السور المکتوبة فی المصحف قرآن و ان من جحد شیئا منه کفر و ما نقل عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهما فی الفاتحة و المعوذتین باطل لیس بصحیح. قال ابن حزم فی اول کتاب المجاز هذا کذب علی ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهما موضوع و انما صح عنه قراء ة عاصم عن زر عن ابن مسعود رضی الله عنهم و فیها الفاتحة و المعوذتان

(المجموع: ج:۳/ص:۳۹۶)

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ اور تمام سورتیں جو مصحف میں مکتوب ہیں وہ قرآن ہیں۔جس نے ان میں کسی بھی ایک چیز کا انکار کیا وہ

کافر ہے۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں منقول ہے وہ باطل ہے اور صحیح نہیں ہے ابن حزم نے کتاب المجاز کے شروع میں کہا ہے کہ یہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھا گیا ہے اور یہ گھڑی ہوئی بات ہے اور قراءت عاصم جو رز اور پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں فاتحہ اور معوذتین موجود ہیں۔

حضرت امام ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں:

و من ذلک أیضا جحد اية او حرف من القرآن مجمع عليه کا لمعوذتين بخلاف البسملة أو زيادة حرف فيه مع اعتقاد انه منه ،فان قلت :قد انکر ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهما کون المعوذتين قرآنا فکيف يکفرنا فيهما؟قلت: قال النووي في المجموع :ان نسبة ذلک لابن مسعود رضی الله عنهما کذب عليه۔ (الاعلام بقواطع اھل الاسلام:ص:۲۰۶)

وجوہ تکفیر میں سے کسی آیت یا قرآن حکیم کے کسی حرف کا انکار کرنا ہے جس پر اجماع ہو۔جیسے معوذتین کا انکار کرنا بخلاف بسملہ کے۔یا کسی حرف کی قرآن میں زیادتی کرانا اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ قرآن میں سے ہے۔اگر تم یہ کہو کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے معوذتین کے قرآن میں سے ہونے کا انکار کر دیا ہے تو پھر ان دونوں کے قرآن میں سے ہونے کا انکار کرنے والے کی تکفیر کیونکر ہو سکتی ہے؟ میں یہ کہوں گا کہ امام نووی نے مجموع میں بیان کر دیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت جھوٹ ہے۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ حضرت امام فخر الدین کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

والأغلب علی الظن ان نقل هذا المذهب عن ابن مسعود رضی الله عنه نقل باطل و به يحصل الخلاص عن هذه العقيدة۔

(الاتقان:ص:۱۲۱)

غالب گمان یہی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس مذہب کا منقول ہونا باطل ہے۔اس طرح اس عقیدہ سے خلاصی نصیب ہو جائے گی۔

آپ آگے ارشاد فرماتے ہیں:

و كذا قال القاضي ابو بكر لم يصح عنه انها ليست من القرآن و لا حفظ عنه .... و قال النووى فى شرح المهذب: أجمع المسلمون على ان المعوذتين و الفاتحة من القرآن و ان من جحد منها شيئا كفر و ما نقل عن ابن مسعود باطل ليس بصحيح و قال ابن حزم فى المحلى: هذا كذب على ابن مسعود و موضوع و انما صح عنه قراء ة عاصم ،عن زر عنه و فيها المعوذتان و الفاتحة۔ (الاتقان:ص:۱۲۱)

اسی طرح سے قاضی ابو بکر نے کہا ہے کہ یہ بات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح منقول نہیں ہے اور نہ ان سے یاد کی گئی ہے کہ معوذتین قرآن میں سے نہیں۔۔۔۔۔امام نووی شرح المہذب میں فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن میں سے ہیں۔جس کسی نے ان میں سے کسی کا بھی انکار کیا وہ کافر ہو جائے گا۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں منقول ہے وہ صحیح نہیں ہے ابن حزم نے المحلی میں کہا ہے کہ یہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھا گیا ہے اور یہ گھڑی ہوئی بات ہے اور قراءت عاصم جوز ر اور پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں فاتحہ اور معوذتین موجود ہیں۔

حضرت امام قاضی محبّ اللہ بہاری فرماتے ہیں:

ما نقل احادا فليس بقرآن قطعا۔ (مسلم الثبوت:ج:۲/ص:۱۱)

جو بطور خبر واحد منقول ہو وہ قطعاً قرآن نہیں ہوسکتا۔

اس کی وضاحت میں بحر العلوم مولانا عبد العلی فرماتے ہیں:

(مـا نـقـل احادا فليس بقرآن قطعا) و لم يعرف فيه خلاف لواحد من اهل المذهب . . . و المنقول احادا ليس متواترا فليس قرآناـ
(فواتح الرحموت: ج:۲/ص:۱۱)

اس میں کسی بھی اہل مذہب کا اختلاف معروف نہیں ہے۔ جو بات بطور خبر واحد منقول ہو وہ متواتر نہیں ہوسکتی اور جو متواتر نہیں وہ قرآن نہیں ہے۔

آپ اسانید کے بیان کے بعد لکھتے ہیں:

و قـد ثبـت بالاسانيد الصحاح ان قراءة عاصم و قراءة حمزة و قـراءة الكسائي و قراءة خلف كلها تنتهي الى ابن مسعود و في هـذه الـقـراآت المعوذتان و الفاتحة جزء من القرآن و داخل فيه ،فنسبة انكـار كـونهـا مـن الـقـرآن اليه غلط فاحش و من أسند الانـكـار الـى ابـن مسـعـود رضـى الـلـه عنه فلا يعبأ بسنده عند مـعـارضـة هـذه الاسانيد الصحيحة بالاجماع و المتلقاة بالقبول عـند العلماء الكرام بل و الامة كلها كافة فظهر ان نسبة الانكار الى ابن مسعود رضى الله عنه باطل (فواتح الرحموت: ج:۲/ص:۱۲)

ان صحیح اسانید سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عاصم ،حمزہ ،کسائی اور خلف ان سب کی قراءتیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتی ہیں۔ان تمام قراءتوں میں معوذتان اور فاتحہ قرآن کا جزو ہیں اور قرآن میں داخل ہیں۔پس حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت کہ آپ ان کے قرآن میں سے ہونے کا انکار کرتے تھے فحش غلطی ہے۔جس نے اس انکار کی نسبت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف کی تو اس کی سند کی پرواہ نہیں کی جائے گی ،ان اسانید سے تعارض کے وقت جو بالاجماع صحیح ہیں اور علماء کرام کے نزدیک انہیں قبولیت حاصل ہے۔بلکہ پوری امت کا اس پر اتفاق ہے۔پس یہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف انکار کی نسبت باطل ہے۔

علمائے امت کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ معوذتین قرآن حکیم کا حصہ ہیں اور ان کی قرآنیت کا انکار کفر ہے جس طرح اور سورتوں کا انکار کفر ہے۔ جہاں تک حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت ہے کہ آپ ان دونوں سورتوں کے قرآن میں سے ہونے کے قائل نہیں تھے ان پر افترا ہے، کذب ہے اور باطل ہے۔ پس اگر کوئی شخص فاتحہ یا معوذتین کے قرآن میں سے ہونے کا انکار کر دے وہ کافر ہو جائے گا۔

اہل قبلہ کی تکفیر:

علماء عظام کے مابین اہل قبلہ کی اصطلاح معروف ہے۔ یہ اصطلاح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ماخوذ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صلی صلاتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمة الله و ذمة رسوله صلی الله علیه و اله وسلم فلا تخفروا الله فی ذمته۔　　(صحیح البخاری: کتاب الصلاۃ: باب فضل استقبال القبلۃ)

جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کیا اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذمہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کے ذمہ میں نہ توڑو۔

علمائے عظام جب یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ضروریات دین پر ایمان لانے والے ہوں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی حدیث مبارکہ میں نماز ادا کرنے، قبلہ رو ہونے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانے کا ذکر فرمایا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان باتوں کا ذکر فرما رہے ہیں جو اہل اسلام کی علامات ہیں۔ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اہل قبلہ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

ثم اعلم ان المراد باهل القبلة الذین اتفقوا علی ما هو من ضروریات الدین کحدوث العالم و حشر الاجساد و علم الله بالکلیات و الجزئیات و ما أشبه ذلک من المسائل فمن واظب طول عمره علی الطاعات و العبادات مع اعتقاد قدم العالم أو

نفی الشر أو نفی علمه سبحانه بالجزئیات لا یکون من أهل القبلة۔ (شرح فقہ الأکبر:ص:۱۵۵)

جان لو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہیں جیسے عالم کا حادث ہونا، اجساد کا حشر ہونا، اللہ تعالیٰ کو کلیات اور جزئیات کا علم ہونا وغیرہ کی طرح مسائل۔ پس جس نے اپنی پوری عمر اطاعت وعبادات میں گزار دی اس اعتقاد کے ساتھ کے عالم قدیم ہے یا اس نے شر کی نفی کی یا اللہ سبحانہ کے جزئیات کے علم کی نفی کی وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہوگا۔

پس جو کوئی شخص ضروریات دین پر ایمان لانے والا ہو وہ اہل قبلہ میں سے ہے اور مومن ہے۔ تاہم اگر اس میں کوئی کفریہ عقیدہ پایا جائے تو اگرچہ وہ بظاہر تمام اعمال اہل اسلام کی طرح ہی ادا کرنے والا ہو وہ اسلام سے خارج قرار پائے گا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس بات پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا کہ جو کوئی کلمہ شہادت کے ساتھ زکوٰۃ کا انکار کرے وہ مرتد ہے اور اسے اس کا کلمہ پڑھنا نفع نہ دے گا۔ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل قبلہ جب تک ضروریات دین میں سے کسی بات کا انکار نہ کریں چاہیں وہ کتنے ہی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیوں نہ کر لیں انہیں فاسق و فاجر تو کہا جاسکتا ہے لیکن انہیں کافر نہیں کہا جائے گا۔ حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و نسمی اهل القبلة مسلمین مؤمنین ما داموا بما جاء به النبی صلی الله علیه واله وسلم معترفین۔ (العقیدۃ الطحاویۃ:ص:۲۳)

ہم اہل قبلہ کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں جب تک وہ اس کا اعتراف کرتے رہیں جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

و لا نکفر احدا من اهل القبلة بذنب ما لم یستحله

(العقیدۃ الطحاویۃ:ص:۲۴)

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے جب تک وہ اس کو حلال نہ سمجھے۔

حضرت امام بابرتی علیہ الرحمۃ اس بارے میں فرماتے ہیں:

(ما داموا بما جاء به النبي صلى الله عليه واله وسلم معترفين)لأن مجرد التوجه الى قبلتنا لا يدل على الايمان ما لم يصدق النبي صلى الله عليه واله وسلم فيما جاء به من الشريعة فان الغلاة من الرافضة الذين يدعون ان جبريل غلط في الوحي لمحمد(ﷺ)فان الله ارسله الى على (رضى الله تعالىٰ عنه)و بعضهم قالوا:بانه اله فهؤلاء و ان صلوا الى القبلة ليسوا بمؤمنين (شرح العقیدۃ الطحاویۃ :ص:۹۸)

کیونکہ محض ہمارے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ایمان پر دلالت نہیں کرتا جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہر اس بات کی تصدیق نہ کرے جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام شریعت میں سے لے کر آئے ہیں۔روافض میں سے کئی غلو کرنے والے یہ دعوی کرتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام سے محمد (رسول اللہ ﷺ) کی طرف وحی لانے میں غلطی ہوئی۔بے شک ان کو اللہ نے بھیجا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تھا۔ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ معبود ہیں۔وہ اگر چہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہیں وہ مومن نہیں ہیں۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و ان المراد بعدم تكفير اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر ما لم يوجد شئ من أمارات الكفر و علاماته ،و لم يصدر عنه شئ من موجباته۔ (شرح الفقہ الاکبر:ص:۱۵۵)

اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے سے اہل سنت کے نزدیک مراد یہ ہے کہ اس کی تکفیر اس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک اس میں کوئی کفر کی نشانی نہ پائی جائے اور اس سے کوئی ایسی بات صادر نہ ہو جو کفر کو واجب کرتی ہے۔

حضرت امام الحرمین فرماتے ہیں:

و كذلك من كفر من اهل القبلة و صدر منه ما يوجب تكفيره فهو مردود الشهادة و ان كان من المتأولين المنتمين الى اهل القبلة۔ (التلخیص، ص:۳۰۳)

اسی طرح سے اہل قبلہ میں ہے جس نے کفر کیا اور اس سے اس بات کا صدور ہوا جو تکفیر کو واجب کرتی ہے تو اس کی گواہی مردود ہوگی۔ اگر چہ وہ تاویل کرنے والوں میں سے، خود کو اہل قبلہ کی طرف منسوب کرنے والوں میں سے ہو۔

علمائے عظام کی ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے علماء نے مسئلہ اکفار میں نہایت ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔ جو شخص ضروریات دین پر ایمان لاتا ہو اور اہل اسلام کے شعائر کو اختیار کرتا ہو وہ مسلمان ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں عمل صالح کے اعتبار سے کوئی کوتاہی ہو لیکن اس وجہ سے اس کی تکفیر نہیں جائے گی۔ وہ تمام امور جن کا ثبوت اخبار احاد سے ہے یا جو ضروریات دین اور قطعیات میں سے نہیں ہیں ان کا انکار اسے اہل القبلۃ سے خارج نہیں کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اگر کوئی شخص پوری زندگی تمام تر اسلامی شعائر کو اختیار کئے رکھے یا شب و روز قیام و سجود کی حالت میں گزار دے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کسی ایک بھی ایسی بات کا انکار کردے جو ضروریات دین میں سے ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کو یہ عبادات نفع نہ دیں گی۔ پس علماء کا اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس کی بدعملی یا کسی مشہور امر کے انکار پر اس کی تفسیق و تضلیل تو کی جا سکتی ہے تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

ایمان کی حفاظت کے لئے دعا:

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ صبح و شام اس دعا کو پڑھنے کا عادی بن جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کا وعدہ ہے کہ وہ اس دعا کی برکت سے کفر سے محفوظ رہے گا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّى أَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ أَنَا أَعْلَمُ وَ أَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ: ج: ۲/ص: ۳۸۳)

اے اللہ میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس بات سے کہ میں تیرے ساتھ کسی کو شریک بناؤں اس حال میں کہ میں اس کا علم رکھتا ہوں اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے جو میں نہیں جانتا۔